خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ

ردا ڈائجسٹ

MARCH
2018

ماڈل: صدا جبار
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

ردا ڈائجسٹ

خط و کتابت کا پتہ

ردا ڈائجسٹ

۱۳۹-ڈی- بلاک ۲

پی ای سی ایچ ایس

کراچی

لیگل ایڈوائزر: محمد صدیقی

چیف ایڈیٹر

صالحہ محمود

ایڈیٹرز

سعدی محمود جعفری، بلال جعفری

نمائندہ امریکہ، فراز جعفری

E-Mail : frazjafri@aol.com

نمائندہ UAE، عمیر علی جعفری

E-Mail : [illegible]@emirates.net.ae

نمائندہ لندن، شہزاد آصف خان

آرٹسٹ: جنید انصار

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

مستقل سلسلے



مارچ 2018ء

جلد نمبر 22 شمارہ نمبر 3

قیمت 60 روپے

www.facebook.com/rida.digest

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

720 روپے



پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

گوشۂ گل

صالحہ محمود

دل خواہشوں کا ایسا گھر ہے جو نت نئے اسرار و رموز کے پردے میں چھپے ہوئے احساسات کو عیاں کر دیتا ہے۔ عیاں وہ بات ہوتی ہے جو ہمارے دل میں ہو۔

دل میں بسنے والی پہلی چیز محبت، اطاعت ہے۔ اللہ سے قرب کا ذریعہ محبت کا پہلا سبق ہے لیکن انسان بندہ بشر ہے کہیں کہیں لوگ اس بات کو بھول چکے ہیں۔ بھولنے والے کبھی انسان نہیں ہوتے۔ شیطان پل دو پل کے لیے آتا ہے اور پھر اپنا رخ پھیر کر کسی اور جانب بدی کے رستے پر مڑ جاتا ہے۔ ایسے ہی بھیڑیا نما انسان جگہ جگہ انسانیت کو رسوا کر رہے ہیں۔ آپ اور ہم یہ بات جانتے ہیں کہ ہم آج زوال اخلاق کی آہنی گرفت میں ہیں۔ اس لیے ہم قرآن وسنت سے دور ہو چکے ہیں۔ قرآن وسنت کے معانی اور مفہوم سے بھی نا آشنا ہو چکے ہیں جس ملت اور اس کے افراد پر یہ سخت وقت پڑ جائے تو ایسے شدید حالات میں حقائق کو اس کے دل میں اتار دینا بڑا سخت مرحلہ ہے۔ تنگ و تاریک گلیوں سے گزرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمان ہونے کی بنا پر ہم اس بات کے پابند ہیں کہ اللہ سے محبت کا مفہوم متعین کرنے کے لیے قرآن وسنت کی طرف رجوع کریں اور اپنے اعمال پر ایک بار غور ضرور کر لیں۔ یہ ہر فرد پر لازم ہے یہ کوئی اجتماعی طریقہ کار نہیں ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہم کچھ بھی نہ سہی پھر بھی سانس لیتے ہیں۔ زندگی رواں دواں ہے۔ آنے والے کل کا مستقبل ہماری نوجوان نسل کے ہاتھوں میں لکھا ہے۔ آپ اپنے بچوں کی آبیاری کریے تاکہ آگے جا کر یہ تناور اور خوب صورت پھول بن جائیں پھول کی بات نکلی تو موسم بہار یاد آ گیا شہر موسم کا حال کیا کہیے

پھول کھلے ہیں پات ہرے ہیں کم کم باد و باراں ہے
چلتے ہو تو چمن کو چلیے کہتے ہیں کہ بہاراں ہے

پھولوں اور محبت کا سفر ردا کے ساتھ ساتھ رہے گا۔ سندیہ ضرور لکھیے گا آپ کی آراء بہت اہم ہے۔ ہماری رہنمائی کا ذریعہ ردا کی پہچان ہے۔ ہم نے ردا میں تھوڑی سی تبدیلی کی ہے۔ ایک چھوٹی سی کوشش کہ تمام رائٹرز کو یکجا کیا جائے۔ مختصر افسانہ لکھنا بڑا آرٹ کہلاتا ہے۔ طویل کہانیاں اتنی دیر یاد ذہن میں نہیں رہتیں۔ آپ اپنی تحریر کو مختصر کیجیے با مقصد بنایئے۔ لکھتے وقت بنیادی طور پر یہ ذہن میں رکھیے۔ اخلاق، محبت، روایات، مشرقی تہذیب ذہن میں رکھیے۔ خودکشی قتل جیسے موضوعات سے دور رہیے۔ دعاؤں میں یاد رکھیے۔

آپی

ردائے سخن

صالحہ محمود

تنگ دست مقروض کو مہلت دینا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اسے آسانی عطا فرمائے گا۔''

حضرت بریدہ بن حسیب اسلمیؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دیتا ہے، اسے ہر روز صدقے کا ثواب ملتا ہے اور جس نے واجب الادا ہونے کے بعد مزید مہلت دی، اسے بھی یہی ثواب ملتا ہے، یعنی ہر روز صدقے کا ثواب ہوتا ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابو الیسر (کعب بن عمرو سلمیؓ) سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے سائے میں جگہ دے تو اسے چاہیے کہ تنگ دست کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر دے۔''

تنگ دستی

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی بار یہ فرماتے سنا ہے۔ ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے پاس ایک صاع غلہ ہے نہ ایک صاع کھجوریں۔''

حضرت فاطمہؓ

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت ان دونوں نے ایک سفید اونی چادر لے رکھی تھی جو ان دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمائی تھی، نیز ایک اذخر کی گھاس بھرا گدا دیا تھا اور ایک مشکیزہ۔

سادگی

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر تشریف فرما تھے۔ میں بیٹھ گیا میں نے دیکھا کہ آپ نے صرف تہہ بند پہن رکھا ہے، دوسرا کوئی کپڑا زیب تن نہیں۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے پہلو پر چٹائی سے نشان پڑ گئے ہیں۔ ایک طرف صرف تھوڑے سے جو لگے [illegible] ایک صاع ہوں گے اور کیکر کے پتے تھے (جو چمڑے [illegible] میں کام آتے ہیں) اور بغیر دباغت کھال کی [illegible] میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابن خطاب! آپ کیوں روتے ہیں؟''

میں نے کہا: ''اللہ کے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کیوں نہ روؤں؟ اس چٹائی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں نشان پڑ گئے ہیں (کوئی نرم بستر بھی نہیں) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان رکھنے کی جگہ میں کچھ نظر نہیں آتا، سوائے اس (ایک صاع جو) کے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ ادھر کسریٰ اور قیصر باغوں

اور میووں میں (عیش کررہے) ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی اور اس کے برگزیدہ ہیں اور یہ آپ کا توشہ خانہ ہے۔" (جو خالی پڑا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "خطاب کے بیٹے! کیا تو اس بات سے خوش نہیں کہ ہمیں آخرت مل جائے اور ان (قیصر وکسریٰ) کو دنیا۔"

میں نے کہا۔ "کیوں نہیں۔" (میں خوش ہوں)۔

حضرت فاطمہؓ کا بستر

حضرت علیؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی (حضرت فاطمہؓ) رخصت [illegible] میرے گھر آئیں اس رات ہمارا بستر صرف ایک [illegible] کھال پر مشتمل تھا۔"

خوشبو [illegible]

حضرت ابو رہم رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ حضرت عبید (بن کثیر رحمۃ اللہ) سے روایت [illegible] حضرت ابو ہریرہؓ کو ایک عورت ملی جس نے خوشبو [illegible] رکھی تھی اور مسجد کی طرف جا رہی تھی۔ ابو ہریرہؓ نے فرمایا۔

"جبار کی بندی! کہاں جا رہی ہو؟"

اس نے کہا۔ "مسجد میں۔"

فرمایا۔ "اسی لیے خوشبو لگائی ہے۔"

اس نے کہا۔ "جی ہاں۔"

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے۔ "جو عورت خوشبو لگا کر مسجد کی طرف چلے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک غسل نہ کرلے۔"

زیادہ مال رکھنے والوں کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زیادہ مال رکھنے والوں کے لیے ہلاکت ہے مگر جس نے مال کو اس طرح، اس طرح، اس طرح اور اس طرح (خرچ) کیا۔" یہ فرماتے ہوئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے چاروں طرف (ہر طرف ایک بار) ارشاد فرمایا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زیادہ مال والے قیامت کے دن (دوسروں سے درجات میں) نیچے ہوں گے مگر جس نے مال کو اس طرح اور اس طرح خرچ کیا اور اس کی کمائی پاک (اور حلال ذرائع) سے ہوئی۔"

سخاوت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو تو میں نہیں چاہوں گا کہ مجھ پر تیسری رات آئے اور (اس وقت بھی) اس میں سے کچھ میرے پاس (بچا ہوا) موجود ہو مگر اتنی چیز جسے میں قرض کی ادائیگی کے لیے سنبھال رکھوں۔"

قناعت کا بیان

حضرت [illegible] سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ [illegible] سامان کی کثرت سے نہیں ہوتی بلکہ امیری تو دل کی امیری ہے۔"

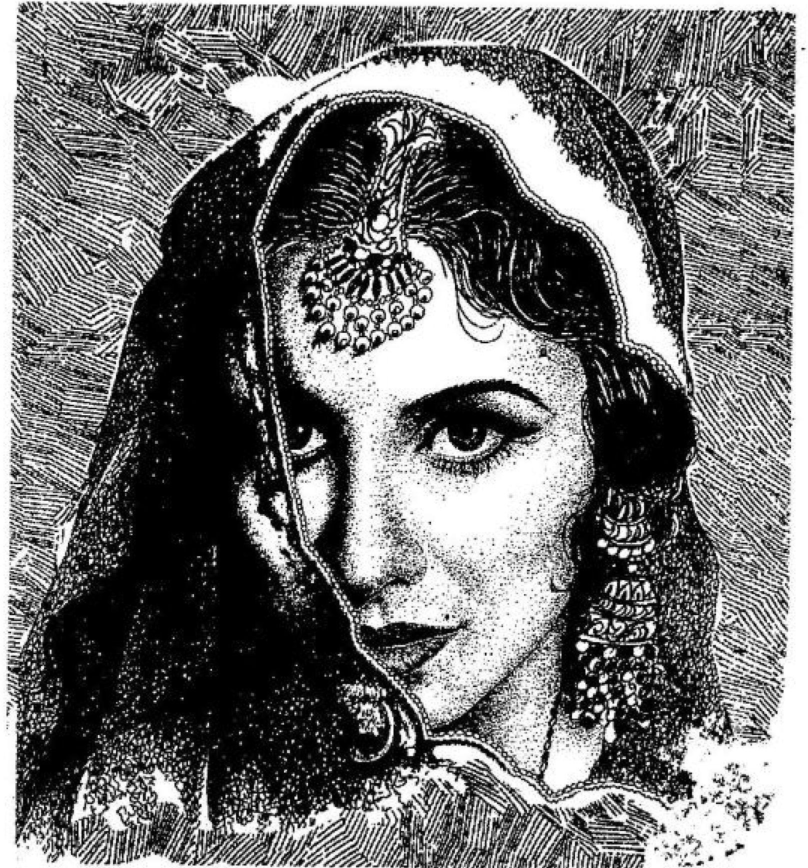
کامیاب

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "کامیاب وہ ہے جسے اسلام کی ہدایت مل گئی۔ ضرورت کے مطابق رزق مل گیا اور وہ اس پر قانع ہوگیا۔"

......☆......

عائشہ نے لکھا ہے

رات کے تقریباً گیارہ بج رہے تھے، جب وہ تھکی ہاری گھر پہنچی۔ حسب معمول دروازہ اندر سے بند تھا۔ بیل پر ہاتھ رکھا تو یاد آیا کہ وہ تو پچھلے ہفتے سے خراب ہے۔ لمبا سانس بھرتے ہوئے اس نے دروازہ بجایا۔ رات کے سناٹے میں آواز دور تک چلی گئی۔ تقریباً پانچ منٹ بعد عبیرہ نے دروازہ کھولا، وہ انہیں سلام کرتی ہوئی اندر آگئی۔ ”آج کچھ زیادہ ہی دیر نہیں ہوگئی تمہیں۔“ انہوں نے دروازہ بند کرتے ہوئے پوچھا۔



”روزانہ اسی وقت آتی ہوں۔ بس پانچ دس منٹ ہی اوپر نیچے ہوتے ہیں۔“ بیگ چارپائی پر پھینکتے ہوئے اس نے اسکارف اور عبایا اتارا۔ ”تھوڑی جلدی آنے کی کوشش کیا کرو۔ محلے والے نظر رکھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔“ عبیرہ اپنا فرض نبھا رہی تھیں۔

”دس بجے فارغ ہوتی ہوں میں، پھر آفس سے نکلنے اور بس پکڑنے میں گیارہ بج جاتے ہیں۔ میں نے کتنی دفعہ آپ سے کہا ہے کہ باہر سے تالا ڈال کر لیٹ جایا کریں۔ میں خود ہی آ کر کھول لیا کروں گی۔“ اس نے ہزاروں دفعہ کا کہا ہوا فقرہ ایک بار پھر کہا۔

”تم خود سوچو ایسا کرنا وہ مناسب ہے بھلا۔ تین چھوٹے بچوں اور ایک بیمار شوہر کے ساتھ باہر سے تالا ڈال کر میں سکون سے لیٹ سکتی ہوں بھلا۔ لمحہ بھر کے لیے آنکھ بند نہیں ہوگی میری۔“ انہوں نے ہزاروں بار

قسط نمبر 1



کار رٹا رٹایا جواب ایک دفعہ پھر دہرا دیا۔

''تو پھر آپ ہی بتا دیں میں کیا کروں۔ کیسے سمجھاؤں محلے والوں کو۔ دور دور تک آواز جاتی ہے جب میں رات کو آ کر دروازہ بجاتی ہوں۔ کسی کو نظر رکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''کوئی ایسی نوکری کرو جو وقت پر تمہیں فارغ کر دیا کرے۔ لڑکیوں کا اتنی رات میں گھر سے باہر رہنا ویسے بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ تمہیں کیا پتا کہ عورتیں میرے پاس کس کس قسم کی باتیں کرتی ہیں۔'' وہ صرف اپنی بات کہہ رہی تھیں۔ اس کے مسائل سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ واش روم میں گھس گئی۔ پانچ سال ہو گئے تھے اسے عبیرہ کا ایسا رویہ برداشت کرتے اور پانچ سالوں میں بھی وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ وہ آخر چاہتی کیا ہے۔ ہاتھ منہ دھو کر وہ کچن میں آ گئی۔ چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔ صبح سے پورے جسم میں ہلکا ہلکا درد تھا اور بخار بھی ہو رہا تھا۔ چولہا جلا کے اس نے ساس پین اوپر رکھا۔

''چائے بنانے لگی ہو؟'' عبیرہ دروازے میں آ کھڑی ہوئیں۔

''جی۔ سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔'' وہ فریج کھولتے ہوئے بولی۔

''دودھ نہیں ہے بچوں نے ملک شیک بنا کر پی لیا۔'' انہوں نے سپاٹ لہجے میں اسے اطلاع دی۔

''اور تمہارا کھانا میں نے اس لیے نہیں رکھا کہ شاید تم باہر سے کھا کر آؤ۔ گھر کا کھانا ویسے بھی تمہیں ذرا کم ہی پسند آتا ہے۔'' عبیرہ کے کہنے پر اس نے چپ چاپ چولہا بند کر دیا۔ چارپائی پر سے بیگ اور عبایا اٹھا کر خاموشی سے سیڑھیوں کی طرف آ گئی۔

''پرسوں بچوں کی ٹیوشن فیس دینی ہے اور بابا کا ہفتہ وار چیک اپ بھی کروانا ہے۔ دس ہزار روپے چاہیے تھے۔'' آخر کار انہوں نے اپنا مدعا بیان کر ہی دیا۔

''بابا کا چیک اپ تو ہفتے والے دن کروانا ہے۔ ابھی چار دن باقی ہیں درمیان میں۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''لیکن ٹیوشن فیس تو پرسوں دینی ہے نا، میرے پاس کون سے خزانے بھرے ہیں۔'' عبیرہ کو کہاں عادت تھی یوں سوال کرنے کی۔

''کل رات کو لے لیجیے گا۔ میں آتے ہوئے لیتی آؤں گی۔'' وہ کہتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

چھت پر بنا وہ اکلوتا کمرہ گرمی اور حبس سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے ایک ساتھ سوئچ بورڈ کے سارے بٹن دبا دیے لیکن صرف لائٹ جلی، پنکھا نہیں۔ غصے سے بیگ کو کرسی پر پھینکتے ہوئے اس نے گھسیٹ کے چارپائی باہر نکال لی۔ کھلی چھت پر پھر بھی تھوڑا سکون تھا۔ شدید بھوک کے باعث معدہ اپنی ہی دیواروں کو کھانے کی کوششوں میں تھا۔ بڑی مشکلوں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر اس نے بسکٹوں کا ایک چھوٹا سا پیکٹ تلاش کیا۔ منہ میں رکھ کر اندازہ ہوا کہ وہ کس قدر بدذائقہ ہو رہے تھے۔ بمشکل انہیں پانی کے ساتھ اندر نگلا۔ پنکھا کسی طور چلنے کے موڈ میں نہیں تھا سو وہ تکیہ اٹھا کر باہر آ گئی۔ رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ تھکن اس کے روم روم میں اتر رہی تھی۔ بخار کی حدت سے آنکھوں میں بھی پانی آ رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے سر دباتے ہوئے اس نے اپنا موبائل اٹھایا۔

''کل تک دس ہزار روپے کہاں سے لاؤں۔'' یہ سوچتے ہوئے وہ بے بسی کی انتہاؤں پر تھی۔ پانچ سال ہو گئے تھے اسے اس گھر اور گھر کے مکینوں میں احساس کی ایک ذرا سی مدھم سی رمق ڈھونڈتے ہوئے اور وہ اب تک ناکام تھی۔ عبیرہ کو دس ہزار روپے لینے یاد تھے لیکن یہ بات نہیں کہ چھت پر بنے اس کے ڈربے نما کمرے

میں لگا اکلوتا پنکھا دو دن سے خراب تھا۔ یہ احساس نہیں تھا کہ پوری رات گرمی اور حبس میں کیسے سوئے گی وہ۔ پورا دن ایک لقمہ تک نہیں گیا تھا اس کے معدے میں اور انہیں ذرا احساس نہیں تھا کہ خالی پیٹ پوری رات کیسے گزارہ کرے گی وہ۔ اے سی والے کمرے میں بے خبر سوئے اپنے بیمار شوہر اور تین چھوٹے بچوں کا احساس تھا لیکن اس کا نہیں تھا جو بخار کے ساتھ پورا دن صرف ان کے لیے مشقت کر کے آئی تھی۔ اپنے دکھتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے سہلاتے ہوئے اس نے اپنا موبائل اٹھایا۔

''پتا نہیں جاگ بھی رہی ہو گی کہ نہیں۔'' سوچتے ہوئے اس نے علیکہ کا نمبر ملایا تھا۔ تیسری چوتھی بیل پر اس نے کال ریسیو کی۔ ''تم نے بھی آوارہ گردوں کی طرح راتوں کو بارہ بارہ بجے تک جاگنا شروع کر دیا ہے کیا۔'' اسے علیکہ کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

''مجھے لگا تم جاگ رہی ہو گی۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''شریف لڑکیاں رات بارہ بجے سے پہلے سو جاتی ہیں۔ تمہاری ڈارلنگ سوتیلی ماں نے سمجھایا نہیں تمہیں۔ علیکہ کے لہجے سے طنز صاف ظاہر تھا۔

''تم کب سے شریف ہو گئیں۔'' اس نے پوچھا۔

''آج رات سے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''ایک کام تھا تم سے۔'' وہ ہولے سے بولی۔

''مجھے پتا ہے تمہیں کیا کام ہے۔ اس خود غرض عورت نے پھر پیسے مانگے ہیں ناں تم سے۔'' علیکہ کو غصہ آ گیا۔

''تم زیادہ بکواس نہیں کرو۔ صرف یہ بتاؤ کہ کل تک دس ہزار روپے دے سکتی ہو کہ نہیں۔ وہ اس وقت کسی بحث کے موڈ میں نہیں تھی۔

''عمایہ تمہارے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے۔ کیوں خود کو اتنا ذلیل کر رہی ہو۔ ایک بار ان دونوں میاں بیوی کے آگے ہاتھ جوڑ کے کہو تو سہی کہ بخش دیں تمہیں اور اگر نہیں بخش سکتے تو کم از کم تمہیں تمہارا قصور تو بتا دیں۔'' علیکہ کو اس پر ترس آ رہا تھا۔

''مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، اپنا قصور جانتی ہوں میں۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''افسوس ہے تم پر، تم جیسے لوگوں پر خدا اسی لیے رحم نہیں کرتا کیونکہ تم لوگ خود اپنے اوپر رحم نہیں کھاتے۔ جن لوگوں کو اپنے حق کے لیے لڑنا نہیں آتا وہ ساری عمر یونہی ذلیل ہوتے ہیں جیسے تم ہو رہی ہو۔ ٹھوکر مارو ہر چیز کو اور اپنی زندگی جیو، جیسے میں جی رہی ہوں۔'' علیکہ نے اسے اچھا خاصا لتاڑ دیا۔

''اچھا پھر کیا فرق رہ جائے گا تم میں اور مجھ میں۔ ان دونوں میاں بیوی میں اور مجھ میں۔ پھر تو انسانیت ختم ہی ہو گئی ناں، ایسا کرتے ہیں خلوص اور احساس کا گلا دبا کر زمین میں گاڑ دیتے ہیں۔ فرق ویسے ہی ختم ہو جائے گا۔'' عمایہ بھی آگے سے پھٹ پڑی۔

''شرط لگا لو کچھ نہیں ملے گا تمہیں اس خلوص اور احساس کے بدلے۔'' علیکہ زور دے کر بولی۔

''اچھا ٹھیک ہے نہ ملے تم خوش ہو جاؤ بس۔'' وہ ہار مانتے ہوئے بولی۔

''ابھی بھی چاہئیں دس ہزار۔'' علیکہ کو لگا شاید اس کے بھیجے میں کوئی بات اتر گئی ہو۔

''چاہئیں تو رات کے اس پہر تمہاری رٹی رٹائی بکواس سن رہی ہوں بدتمیز لڑکی۔'' وہ کلس کر بولی۔

"ویسے کرنا کیا ہے اب انہوں نے دس ہزار کا؟" علیکہ نے پوچھا۔
"بچوں کی ٹیوشن فیس دینی ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔
"جھوٹ ہے سارا، کوئی ٹیوشن فیس نہیں دینی، تم مانو یا نہ مانو، یہ تمہارے پیسے ہتھیا ہتھیا کر اپنی بیٹی کا جہیز بنا رہی ہیں۔" علیکہ حد سے زیادہ نیگٹیو ہو رہی تھی۔
"خدا کا خوف کرو ان کی بیٹی ابھی صرف دس سال کی ہے۔" عمایہ نے اس کی بھول پر افسوس کیا۔
"تو پھر کیا ہے، پانچ سال بعد پندرہ کی ہو جائے گی۔ ان کی اپنی شادی بھی تو پندرہ سال کی عمر میں ہو گئی تھی۔ اب اس بے چاری کے ساتھ بھی یہ ہی سلوک کریں گی۔ پوری زندگی اور کیا ہی کیا ہے انہوں نے سوائے دوسروں سے اپنی محرومیوں کے بدلے لینے کے۔" عبیرہ کا ذکر ہی علیکہ کو تلخ کر دیتا تھا۔
"کل شام [illegible] دے دوگی مجھے دس ہزار......" عمایہ کو تو اپنے دس ہزار کی فکر تھی۔
"اچھا [illegible] بڑا دکھ ہوتا ہے مجھے جب تم یوں اپنی اور میری حق حلال کی کمائی اجاڑتی ہو۔" علیکہ کی بات پر وہ مسکرا دی۔
"کیا بنا تمہارے انٹرویو کا؟" علیکہ نے آخر میں پوچھا۔
"کل ہے دس بجے، دعا کرنا پلیز [illegible] ہزار سیلری ہے اس پوسٹ کی۔" عمایہ بڑی فکر سے بولی۔
"یہ دعا والا کام مجھے مت کہا کرو [illegible] نہیں ہوتا تمہاری ڈارلنگ مام نے یہ تک نہیں سکھایا مجھے۔" اس نے ایک بار پھر عبیرہ کو گھسیٹ لیا۔
"اچھا بس کرو بخش دو انہیں اب۔" عمایہ تنگ [illegible]
"اور تم ٹھیک ہو لڑکی۔" سب سے پہلے پوچھنے والی بات [illegible] سب سے آخر میں پوچھ رہی تھی۔ ہاں شاید۔" عمایہ دھیرے سے بولی۔
"چلو پھر سو جاؤ، میں صبح تمہارے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دوں [illegible] دس ہزار۔" علیکہ کال ڈس کنیکٹ کرتے ہوئے بولی تھی۔
"شکریہ دوست گڈ نائٹ۔" ہولے سے کہتے ہوئے اس نے موبائل کان سے [illegible] یا۔ ہلکی ہلکی ہوا چلنا شروع ہو گئی تھی۔ مطمئن ہو کر اس نے آنکھیں موند لیں۔

☆......☆

الارم چوتھی مرتبہ اپنی پوری قوت سے چیخا۔ پردے کی اوٹ سے چھن کر اندر آتی کرنوں نے کمرے کی تاریکی کو کافی حد تک ختم کر دیا تھا۔
"دفع ہو جا کہیں۔" بند آنکھوں سے اِدھر اُدھر ہاتھ مارتے ہوئے اس نے الارم کلاک ڈھونڈا اور اسے میٹرس کے نیچے دے دیا۔
"تیرا بس چلے تو سحری ٹائم ہی بج کر روزے رکھوا دے مجھے۔" الارم کو گھرکتے ہوئے اس نے کروٹ بدلی تھی۔
"عتبہ چلا گیا؟" اس نے حیرانی سے کہتے ہوئے مندھی مندھی آنکھوں سے سامنے والی دیوار پر لگی بڑی سی ڈیجیٹل گھڑی کی طرف دیکھا۔ وہ ساڑھے آٹھ بجا رہی تھی۔
"ہیں یہ خراب ہو گئی۔" خود سے کہتے ہوئے اس نے اپنا موبائل اٹھایا۔ اس پر آٹھ بج کر چونتیس منٹ ہو

رہے تھے۔
"یا اللہ!" بلند آواز میں نعرہ مارتا وہ اگلے ہی پل بستر سے باہر تھا۔ اب یاد آیا کہ عتبہ تو رات آیا ہی نہیں الارم پانچویں مرتبہ میٹرس کے نیچے سے گھٹی گھٹی آواز میں چیخا تھا۔
"تو سالے کبھی وقت پر نہ بجیں۔" اسے زور سے ٹانگ مارتے ہوئے وہ جلدی سے نیچے اترا تو انگوٹھا کمبل میں پھنس گیا۔ وہ ایکدم منہ کے بل گرا۔
"ہائے اللہ! ماتھا سہلاتے ہوئے اس نے جلدی سے کپڑے اٹھائے اور واش روم میں گھس گیا۔ صد شکر کہ رات سونے سے پہلے کپڑے استری کرنا یاد تھا۔ نہا کر نکلا تو نو بجنے میں صرف پانچ منٹ تھے۔ تیار ہونے کا سوال ہی نہیں تھا سو جلدی سے لیپ ٹاپ والا بیگ خالی کیا اور ہر شے اس میں بھر لی۔ والٹ، گھر کی چابیاں، موبائل، کنگھا، میک اپ کا سامان، چار جرابیں اور جرابیں۔ جوتے یونہی چڑھا لیے۔ لیپ ٹاپ بغل میں دبایا۔ بیگ کندھے پر ڈالا اور گاڑی کی چابیاں اٹھاتے ہوئے باہر آ گیا۔ دروازے کو لاک لگا کر چابیاں بیگ میں۔
"سیاپا خانہ۔ [illegible] لیپ ٹاپ نیچے رکھا اور اس زنبیل میں سے بمشکل چابیاں برآمد کیں۔ لاک لگا کر بھاگتا ہوا نیچے آیا تھا۔ [illegible] گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈھیر کر کے خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔
"مجھے تو کوئی ورد بھی نہیں آتا [illegible] لینے والا۔" ہوا کی رفتار سے گاڑی چلاتے ہوئے وہ آفس پہنچا تھا۔ ایک بار پھر زنبیل کندھے پر اور لیپ ٹاپ بے چارہ بغل میں بھاگتا ہوا اندر آیا تو سوا نو ہو رہے تھے۔
"وہ آ گیا، دیکھو وہ آ گیا۔" اسے اندر آتا دیکھ [illegible] نے قہقہہ لگایا۔
"بکواس بند کرو اپنی۔" اسے گھورتے ہوئے وہ [illegible] کی طرف بڑھا عزین مرزا اپنے کمرے سے نکل آئے۔ ان کے پیچھے باہر آئے عینیہ کے لبوں پر [illegible] مسکراہٹ پھیل گئی۔
"کچھ دنوں میں یہ لیپ ٹاپ تمہارے سر پر ہو گا اور استری [illegible] اپنی میز پر کپڑا بچھا کر کپڑے استری کیا کرنا۔" انہوں نے پوری طرح بھگو کر اسے ماری۔ وہ بے چارہ [illegible] کا گیا۔ کھلے ہوئے کف، کھلا ہوا گریبان، بغیر موزوں کے جوتے، بے ترتیب بال جن سے [illegible] ٹپک رہا تھا۔ وہ تاسف سے اسے دیکھ کر رہ گئے۔
"اب تو میں شرمندہ ہو جاتا ہوں یہ پوچھتے ہوئے کہ دیر کیوں ہو گئی۔" وہ زور سے بولے۔
"تو نہ پوچھا کریں ناں۔" دل میں آئے خیال کو پوری طرح دل میں ہی دبائے ہوئے وہ دھیرے سے بولا۔
"آنکھ نہیں کھلی اس لیے دیر ہو گئی۔" اس کی بات پر عینیہ کے لبوں سے ہنسی کا فوارہ نکل گیا۔ اس نے قہر بار نظروں سے اسے گھورا۔ "تمہیں آدھی رات تک لڑکیاں گھمانے سے فرصت ہو تو جلدی آنکھ کھلے ناں۔" وہ اس پر برس پڑے۔
"سر خدا کی قسم میں نے آج تک آدھی رات تک کوئی لڑکی نہیں گھمائی۔" وہ تڑپ گیا۔
"تو لڑکیاں تمہیں گھماتی ہوں گی۔ ایک ہی بات ہے۔" وہ فوراً بولے۔
"سوری آئندہ خیال رکھوں گا۔" اس نے اپنی جان چھڑوانی چاہی۔
عزین مرزا اس کی ڈھٹائی پر کھول گئے۔

Ridadigest.com

''عکرمہ یاد رکھنا اگر ایک دفعہ میں نے یہاں سے نکال باہر کیا نہ تو سارے شہر میں ٹھوکریں کھاتے پھرو گے۔ سیکڑوں، ہزاروں کی تعداد میں لڑکے ایم بی اے کی ڈگری گلے میں لٹکائے پھر رہے ہیں۔ دربدر ہو گئے تو پتا چلے گا کہ نوکری کیا ہوتی ہے۔ ڈرو اس دن سے جس دن میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے۔'' انہوں نے کھڑے کھڑے اسے اس کی اوقات یاد کروادی۔ وہ چپ کھڑا رہ گیا۔

''دو اسے فائل، خالی آسامی کے لیے آج جو انٹرویوز ہیں وہ تم لو گے سمجھے۔'' ان کے کہتے ہی عینیہ نے جھٹ فائل اس کی طرف بڑھادی۔ ایک طرف لیپ ٹاپ تھا اور دوسری طرف زنبیل، عینیہ نے کمال چستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فائل اس کی دوسری بغل میں دبادی۔ پورا اسٹاف منہ نیچے کر کے ہنس رہا تھا۔

''پلیز سر یہ انٹرویو والا کام کسی اور کو دے دیں۔ زہر لگتا ہے مجھے انٹرویو لینا۔'' انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

''اچھا، انٹرویو لینا زہر لگتا ہے، اکاؤنٹنگ سے تمہاری جان جاتی ہے، ڈیٹا کولیکشن میں چار غلطیاں کرنے سے باز نہیں آتے [illegible] اچھا کیا لگتا ہے عکرمہ نور۔ مہینے بعد سیلری لینا۔'' وہ یکدم گرجے۔

''اب آپ زیادتی کر رہے ہیں سر، مہینے بعد سیلری لینا صرف مجھے ہی کو اچھا نہیں لگتا۔'' وہ ہولے سے منمنایا۔

''مجھے یہ کل خالی آسامی پر چاہیے اور [illegible] کیبن میں ایک محنتی اور ذہین ایمپلائی بیٹھا ہونا چاہیے ورنہ تمہاری اس ماہ کی سیلری روک لوں گا۔ اسے [illegible] وارن کرتے ہوئے وہ باہر نکل گئے۔ ان کے باہر نکلتے ہی پورے اسٹاف کا مجبت چھت پھاڑ قہقہہ گونجا تھا۔

''بے غیرتو جب تمہارا وقت آئے گا نا تو میں [illegible] سوں گا۔'' وہ اپنے کیبن کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

''تیرا وقت ختم ہو گا تو ہمارا آئے گا ناں۔'' عینیہ کے دانت [illegible] جا رہے تھے۔ اندر آ کر اس نے پوری زنبیل میز پر الٹ دی۔ جرابیں پہنیں بال بنائے اور میک اپ کیا [illegible] کہاں ہے۔'' دس منٹ بعد وہ دوبارہ کیبن سے باہر آیا۔

سر کہہ کر گئے ہیں کہ جب تک یہ کام ختم نہیں کر لیتا اسے کھانے کو کچھ نہیں دینا۔ عارفہ [illegible] مسکراہٹ اسے سلگا گئی۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ میرے ساتھ ہمیشہ سوتیلوں والا سلوک کرتے ہیں۔'' غصے میں لال پیلا ہوتے ہوئے وہ دوبارہ کیبن میں آگیا۔

''بھیجنا شروع کروں امیدواروں کو؟'' عائزہ نے بلند آواز میں پوچھا۔

''چائے تو دی نہیں اب بسکٹ تو نگل لینے دو مجھے سر کی چچی۔'' بھڑک کے کہتے ہوئے اس نے بسکٹوں کا ہاف رول کھولا تھا۔

☆......☆

کانفرنس روم میں کل 24 افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ میٹنگ کے ایجنڈے کے حوالے سے مختصر سی بریفنگ دینے کے بعد عابد رضوی نے پاس کھڑے عاطف کو پروجیکٹر آن کرنے کے لیے کہا۔

''اب مزید تفصیلات آپ کو عاطف خان بتائیں گے۔'' کہتے ہوئے انہوں نے اپنی کرسی کا رخ پروجیکٹر کی طرف موڑ لیا۔ عاطف نے پین ڈرائیو لیپ ٹاپ میں لگا کر پریزینٹیشن شروع کردی۔ پانچ منٹ بعد

بوریت نے اپنے پر پھیلانا شروع کردیے۔ آدھے اپنی کرسیوں کی پشت سے ٹک کر اونگھنے لگ گئے اور باقیوں نے میز کے نیچے موبائل آن کر لیے۔ میسیجنگ، فیس بک، چیٹنگ...... وغیرہ وغیرہ صرف عابد رضوی تھے جو پوری توجہ سے عارف کو سن رہے تھے وہ کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر ہولے سے کاغذ پینسل اٹھا کر کچھ لکھا اور بند کر کے بالکل سامنے بیٹھی علیکہ کی طرف پھینک دیا۔ وہ کھول کر رہ گئی۔

''اٹھاؤ اسے۔'' اس نے ہولے سے علیکہ کو آنکھوں کا اشارہ کیا۔ رضوی صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے علیکہ نے دھیرے سے اسے اٹھا کر کھولا۔

''آج ڈنر کرو گی میرے ساتھ؟'' عتبہ کو صبح صبح ڈنر یاد آ رہا تھا۔ علیکہ اسے قہر بار نظروں سے گھورتے ہوئے عاطف کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''جواب تو دے دو۔'' اب کے ٹیکسٹ آیا۔

''دس ہزار روپے دو گے تو کروں گی۔'' اس نے جوابی ٹیکسٹ کیا۔ اس کے ساتھ بیٹھا عارب مارے اشتیاق کے اس [illegible] کے اوپر چڑھا جا رہا تھا۔ اسے غصے سے دیکھتے ہوئے علیکہ نے موبائل اسکرین سامنے کر دی۔

''اوئے ہوئے [illegible] ہو تم تو۔'' جواب پڑھ کے عارب نے دھیرے سے سرگوشی کی۔

عتبہ نے بڑے اشتیاق [illegible] کا ٹیکسٹ کھولا۔ اور اس کا منہ ہی کھل گیا۔

''دس روپے کہہ رہی ہو یا دس ہزار [illegible] نے علیکہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

دس روپے میں آج کل مسجدوں اور [illegible] واش روموں میں رفع حاجت بھی نہیں کرنے دیتے کنجوس آدمی۔'' علیکہ کو تاؤ آگیا۔ عارب نے بمشکل اپنی [illegible] تھی۔

''تھوڑے کم کر لو یار۔'' اس نے التجا کی۔

''نہیں پورے دس ہزار دیتے ہو تو کر لوں گی ڈنر۔'' وہ [illegible] اسے دیکھتے ہوئے رضوی صاحب کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''واپس کب کرو گی؟'' اس نے نہ جانے کس امید پر پوچھا۔

''کبھی بھی نہیں۔ تم ادھار نہیں دے رہے ہو مجھے، ڈنر کے بدلے دے رہے ہو۔'' [illegible] آخر کون ہرا سکتا تھا۔

''بیٹے کی اولاد نہ ہو تو......'' دل ہی دل میں کہتے ہوئے عتبہ نے اسے رکھ کر گھورا۔

''نہیں ہیں تو نہ سہی۔'' علیکہ نے کندھے اچکا دیے۔

''مجھ سے لے لو دس ہزار۔ لیکن میں لنچ کروں گا ڈنر نہیں۔'' عارب نے کھلی آفر دی۔

''تمہارے لیے دس ہزار نہیں ہوں گے۔ پچاس ہزار ہوں گے۔ تمہاری یہ منحوس شکل اور واہیات باتیں برداشت کرنا آسان کام تھوڑی ہے۔ چاہتا نہیں اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگ جائیں تمہاری بے سری آواز سن کر۔'' اس سے زیادہ بے عزتی نہیں ہو سکتی تھی اس کی۔ وہ بے چارہ آنکھیں پھاڑے منہ کھولے اس کی فراٹے سے چلتی زبان دیکھتا رہ گیا۔ عتبہ اس کے تاثرات سے ہی سمجھ گیا کہ اس کی بھی خاصی ہو چکی ہے۔ عارب کو بری طرح گھورتے ہوئے وہ دوبارہ عتبہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

''آئندہ جیب میں پیسے ڈال کے مجھ سے بات کرنا ورنہ سڑکیں بھری پڑی ہیں فقیروں سے۔'' عتبہ اس

کے ٹیکسٹ پر بل کھا کر رہ گیا۔
''اچھا لے لینا دس ہزار۔'' وہ ہار مانتے ہوئے پیچھے کو ہوا۔
''کب دو گے۔'' علیکہ نے فٹ سے پوچھا۔
''اوہ میری ماں یہ میٹنگ ختم ہو جائے پھر لے لینا۔'' عتبہ کو پتنگے لگ گئے۔
''میٹنگ ختم ہوتے ہی اس اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دینا۔ اس کے بعد مجھ سے بات کرنا۔'' عمایہ کا اکاؤنٹ نمبر اسے بھیجتے ہوئے علیکہ نے کمال بے نیازی سے اسے دیکھا۔ عتبہ اس کی ادائے بے نیازی کو دیکھ کر رہ گیا۔ دو گھنٹے بعد میٹنگ ختم ہوئی تو ہاف ٹائم بھی ہو گیا۔ چائے کا کپ اٹھائے وہ اس کے پاس آیا تھا۔
''کر دیئے ہیں پیسے ٹرانسفر کوئی شک ہو تو چیک کر لو۔'' سڑے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے اس نے گھونٹ بھرا۔
''دس ہزار اتنے ہی دکھ رہے ہیں تو نہ دیتے۔ میں نے کوئی زبردستی تو نہیں کی۔'' علیکہ اس کے دکھ بھرے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔
''اچھا جی زبردستی نہیں ہے۔ پھر یونہی مان جاتیں تم تو ڈنر کرنے کے لیے۔'' عتبہ کون سا کم تھا۔
''کچھ پانے کے لیے دس ہزار کھونے پڑے ہیں، ڈیئر۔'' وہ چائے کا کپ ختم کرتے ہوئے اٹھ گئی۔
''میں لینے آؤں یا خود ہی آجاؤ گی رات کو۔'' عتبہ نے پیچھے سے آواز دے کر پوچھا۔
''خود ہی آجاؤں گی۔ تم کارنر کی بکنگ کروا دینا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
''اس کی سات پشتوں میں ایسا بندہ پیدا نہیں ہوا ہو گا۔'' عتبہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا۔ علیکہ موبائل اٹھاتے ہوئے ایک طرف آ گئی۔
''کہاں ہو؟ اس وقت؟'' کال ریسیو ہوتے ہی اس نے پوچھا۔
''انٹرویو دینے آئی ہوں۔ خیریت۔'' عمایہ نے جواب دیا۔
''فارغ ہو کہ بیلنس انکوائری کر لینا۔ پیسے ٹرانسفر ہو گئے ہیں۔'' علیکہ نے اس کی پریشانی حل کر دی۔
''شکریہ یار، بہت مہربانی۔'' عمایہ تشکر سے بولی۔
''چل بس کر اب۔ تمہیں پتا ہے مجھے یہ باتیں سمجھ نہیں آتیں علیکہ زور سے ہنسی۔
''کون لے رہا ہے انٹرویو۔'' اس نے پوچھا۔
''کوئی عکرمہ نور ہے۔ پتا نہیں کیا سلوک کرے گا۔'' عمایہ کافی پریشان تھی۔
''عکرمہ نور...... تم عزین انٹرپرائزرز میں ہو؟'' علیکہ نے حیرانی سے پوچھا۔
''ہاں تم جانتی ہو اسے؟'' عمایہ ٹھٹک گئی۔
''ہاں بس سرسری سا۔'' علیکہ ٹال گئی۔
''تم جس طرح چونکی ہو اس سے تو نہیں لگتا کہ سرسری سا جانتی ہو۔'' عمایہ بھی آخر اسی کی دوست تھی۔
''نام سنا ہوا لگا اس لیے چونک گئی تھی۔ ماضی میں کہیں اسے بھی لوٹا ہو گا میں نے۔'' علیکہ نے قہقہہ لگایا۔
''چلو میں تمہیں انٹرویو کے بعد کال کرتی ہوں۔'' عمایہ کہتے ہوئے کال کٹ کر گئی۔ علیکہ نے دھیرے سے موبائل کان سے ہٹایا۔
''عکرمہ نور۔'' اس کے لبوں سے ہولے سے سرگوشی نکلی۔ کچھ سوچ کر اس نے عکرمہ کا نمبر ملا لیا۔ وہ بے

چارہ رنگ رنگ کے امیدواروں کے انٹرویوز لے لے کر بیزار ہوا بیٹھا تھا۔
''کیسے ہو عکرمہ ڈارلنگ۔'' اس نے بڑی خوش دلی سے پوچھا۔
''صبح سے بھوکا پیاسا محنت مشقت کر رہا ہوں۔ تم خود اندازہ لگا لو کیسا ہوں گا۔'' عکرمہ نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے دل کے پھپھولے پھوڑے۔
''تم کب سے مشقت کرنے لگے۔'' وہ حیران ہوئی۔
''انٹرویوز لینا کسی مشقت سے کم ہے کیا؟'' وہ بیزار ہوا بیٹھا تھا۔
''اچھا تو پھر کیسے سلیکٹ کرو گے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
''جیسے تم کہو گی۔'' وہ کون سا اس سے کم تھا علیکہ کھل کے مسکرا دی۔
''عمایہ عادل Nust کی پروڈکٹ ہے۔ ہم دونوں سے بہت اوپر کی چیز۔'' علیکہ نے چند لفظوں میں اپنا مدعا بیان کیا۔ ''جناب کا حکم سر آنکھوں پر، سمجھو ہو گئی سلیکٹ۔'' عکرمہ بادشاہوں کی طرح بولا۔
''اب میری زبان سے شکریہ تو نہیں سننا ناں؟'' اس نے پوچھا۔
''نہیں شکریہ تو مجھے تمہارا ادا کرنا چاہیے۔ تم نے میرا کام آسان کر دیا۔'' عکرمہ زور سے ہنسا۔
''چلو پھر کرواؤ ختم محنت مشقت۔'' وہ ہنستے ہوئے کال ڈس کنکٹ کر گئی۔ عکرمہ موبائل میز پر پھینکتے ہوئے سیدھا ہو گیا۔ اس نے [illegible] امیدواروں کو اندر بلانا شروع کر دیا۔ صرف نام پوچھا اور او کے کہہ کر فائل واپس کر دیتا۔ لڑکوں سے تو [illegible] نہیں پوچھ رہا تھا۔ دس منٹ بعد عائزہ نے اندر جھانکا۔
''تم پاگل تو نہیں ہو گئے، کر کیا رہے ہو۔'' وہ ذرا تیز لہجے میں بولی۔
میں جو مرضی کروں تم اپنے کام سے کام رکھو۔ عکرمہ نے اسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔
''مار کھاؤ گے تم سر سے۔'' وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے باہر نکل گئی۔
''آپ کا نام؟''
''عمایہ عادل۔'' اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ بلیک عبایا پہنے، بلیک اسکارف سے مکمل حجاب کیے وہ اسے دنیا کا آٹھواں عجوبہ لگی۔
''بی بی اے کہاں سے کیا ہے؟'' اس نے مزید کنفرم کیا۔
''NUST سے۔'' عمایہ ہولے سے بولی۔ ''عکرمہ ہضم نہ کر سکا کہ وہ علیکہ کی دوست [illegible]۔ سرسری سے انداز سے اس کی سی وی دیکھ کر وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔
''مس عمامہ عادل اگر آپ کو یہ جاب مل جاتی ہے تو کیا آپ حجاب کے ساتھ مینیج کر لیں گی۔'' عمایہ اس کی بات پر ہولے سے مسکرائی۔
''سر مجھے چوبیس سال ہو گئے ہیں ہر کام اس حجاب کے ساتھ مینیج کر کے اب بھی کر لوں گی۔'' اس کے اعتماد نے عکرمہ کو یقین دلایا کہ وہ ہی عمایہ عادل تھی۔ علیکہ کی دوست۔
''ٹھیک ہے آپ کل سے آجائیں۔ باقی تفصیل آپ کو عائزہ بتا دے گی۔'' وہ اس کی سی وی پر سائن کرتے ہوئے بولا۔
''شکریہ سر۔'' دھیرے سے کہتے ہوئے وہ کھڑی ہو گئی۔
عکرمہ ایک بار پھر حیران رہ گیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ پچھتر ہزار سیلری کی یہ پوسٹ اگر کسی اور لڑکی کو یوں

چند منٹ میں دے دیتا تو وہ خوشی سے پاگل ہو جاتی لیکن وہ عمایہ عادل بے نیازی سے شکریہ کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔

''دوست بھی اپنے جیسی ہی بنائی ہوئی ہے۔'' عکرمہ نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ہوئے سوچا تھا۔

☆......☆

رات کے تقریباً دس بج رہے تھے جب اس نے آواری کے آگے گاڑی روکی۔ پارکنگ پر بے انتہا رش تھا۔ دس پندرہ منٹ بعد جب وہ اندر آئی تو عتبہ پہلو بدل بدل کر انتہائی بیزاری سے آڑا ترچھا کرسیوں پر پڑا تھا۔ اسے آتا دیکھ کے یکدم سیدھا ہو گیا۔

''تم وقت کی کافی پابند ہو گئی ہو۔'' اس کے لیے کرسی گھسیٹتے ہوئے وہ دھیرے سے بولا۔

''کیوں زیادہ دیر ہو گئی کیا۔'' وہ حیرانی سے بولی۔

''نہیں تو میں بس انجانے میں ہی دس گلاس پانی کے انڈیل کر آ گیا ہوں۔ صبح سے پیٹ پھٹنے والا ہو گیا ہے۔'' عتبہ کی [illegible] اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

''تو تم جلدی [illegible] ئے۔ آرام سے آجاتے۔'' اس نے سارا قصور عتبہ کا نکال دیا۔

''مجھ پر نہ سہی، میر[illegible] ہزار پر ہی ترس کھالو۔'' عتبہ کے کہتے ہی اس کی آنکھوں میں قہر بھر گیا۔

''ابھی پانچ منٹ میں تم[illegible] دس ہزار واپس کرتی ہوں تمہیں، کسی اور کو خرید لوان سے۔'' سرد لہجے میں کہتی ہوئی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ عتبہ نے [illegible] پکڑ کے اسے روکا۔

''خدا کی قسم اگر تم نے ایک قدم بھی [illegible] تو ساری رات اس ہوٹل کی سیڑھیوں پر بیٹھا رہوں گا۔ مر جاؤں گا لیکن ہٹوں گا نہیں کہ قسم کھا رہا ہوں۔ [illegible] کے اندر تک اتر گئیں۔

''دوبارہ مجھے دس ہزار کا طعنہ دیا تو شکل نہیں د[illegible] قسم کھا رہی ہوں۔'' اس کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑواتے ہوئے وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

''کیا کھاؤ گی۔'' عتبہ نے دھیرے سے پوچھا۔

''جو تم کھلاؤ گے کھالوں گی۔'' وہ بیگ سے چشمہ نکالتے ہوئے بولی۔

آرڈر لکھوا کر عتبہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''ایک گزارش کی تھی جناب سے۔ اگر یاد ہو تو۔''

''کیا کہا تھا مجھے سچ میں نہیں یاد۔'' علیکہ آگے کو ہو کر بولی۔

''میں نے کہا تھا وہ سرخ ساڑھی پہن کر آنا جو تم نے یونیورسٹی کے اینول ڈنر پر پہنی تھی۔ قسم سے سو بار مرا تھا میں تم پر۔'' علیکہ ہولے سے مسکرا دی۔

وہ ساڑھی میں نے ایک مانگنے والی کو دے دی ورنہ پہن آتی۔'' وہ اس کی بات پر کلس کر رہ گیا۔

''مانگنے والی نے ساڑھی کا اچار ڈالنا تھا۔'' اس نے پوچھا۔

''اس نے کسی شادی پر جانا تھا یار۔ ساڑھیوں کا اچار کون کھاتا ہے بھلا۔'' علیکہ نے جیسے اس کی بھول پر ماتم کیا۔

''اس مانگنے والی کا بھلا کرنے کے بجائے تم مجھ غریب کا بھلا نہیں کر سکتی تھیں۔'' وہ کھانا کھاتے ہوئے بولا۔

''پہلی بات یہ کہ تم غریب نہیں ہو، آواری میں بیٹھ کر ڈنر کر رہے ہو اور دوسری بات یہ کہ مجھے بھلے کرنے نہیں آتے، خاص طور پر تم جیسے غریبوں کے۔'' عتبہ نے انتہائی تاسف سے اسے دیکھا۔

''تم نے اپنی زندگی میں کبھی کسی سے پیار سے بات کی ہے۔'' اس نے پوچھا۔ کر تو رہی ہوں تم سے پیار سے بات۔'' وہ ادائے بے نیازی سے بولی۔

''اللہ اکبر یہ تمہارا پیار ہے تو قہر تو خدا کی پناہ ہو گا پھر۔'' علیکہ اس کی بات پر صرف کندھے اچکا گئی۔

''ڈنر کے بعد کہاں جاؤ گی۔'' عتبہ نے پوچھا۔

''تم نے کہاں لے کر جانا ہے۔'' اس نے جواباً پوچھا۔

''ڈانس بار چلو گی میں نے تین چار نئے اسٹیپس سیکھے ہیں۔'' عتبہ بڑے اشتیاق سے بولا۔

''تم نے کہاں سے سیکھے ڈانس اسٹیپس۔'' وہ حیرانی سے بولی۔

''پرسوں میں نے پانچ ہزار میں ایک حسینہ پٹائی تھی اس نے ڈنر بھی کیا اور مجھے ڈانس بھی سکھایا۔'' عتبہ اسے آنکھ ما[illegible] بولا۔

''اور کچھ نہیں [illegible] نے۔''

''وہ تو سکھانے [illegible] تھی۔ میں نے ہی شرم کھالی۔'' علیکہ اس کی بات پر ہنس پڑی۔

''تم بہت اچھی لگتی ہو [illegible] کی نظریں پوری طرح علیکہ کے چہرے کا طواف کر گئیں۔

''چلو اٹھو۔ مجھے بھی سمجھاؤ کون [illegible] سیکھے ہیں۔'' کھانے سے فارغ ہو کر وہ عتبہ کی گاڑی میں ہی ڈانس بار آ گئی۔ اپنے لیے اسکاچ کا گلاس بنوا[illegible] اس نے دھیرے سے علیکہ کی طرف دیکھا۔

''تم تو کافی شریف ہوناں۔''

''ہاں مجھے ایک گلاس دودھ پلادو۔'' عتبہ نے [illegible] لگاتے ہوئے گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔

''چلو سکھاؤ، کیسے کرنا ہے۔'' وہ آنکھیں بند کر کے جھومتے ہو[illegible]

''دونوں بازو پھیلا کے میرے پاس آؤ۔ پھر بازو میرے گلے میں [illegible] سینے پر رکھ دو اور......'' علیکہ نے یکدم اس کی بات کاٹی۔

''یہ تم مجھے ڈانس سکھا رہے ہو یا مزے لے رہے ہو۔'' وہ اس کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے بولی۔

''میں بھلا تمہارے مزے لے سکتا ہوں؟'' عتبہ نے اس کی خمار آلود نگاہوں میں جھانکا۔ علیکہ یکدم اس کی بانہوں میں جھول گئی۔

''شریف لڑکی چڑھ گئی ہے تمہیں۔'' وہ اسے تھامتے ہوئے بولا۔

''ہاں تم اٹھالو فائدہ۔'' وہ بڑے حق سے اس کے سینے پر منہ چھپائے ہوئے بولی۔ ''عتبہ نے دھیرے سے اس کے چہرے پر آئے بال اپنی انگلیوں سے ہٹائے تھے علیکہ کی بند ہوتی آنکھیں اسے بہکا گئیں۔ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر وہ اس پر جھکا۔

''سوچنا بھی مت، اتنی بھی نہیں چڑھی ہے۔'' اسے دونوں ہاتھوں سے پیچھے دھکیلتے ہوئے وہ لڑکھڑاتی ہوئی باہر نکل آئی۔

''پوری شرافت سے مجھے گھر چھوڑ کر آؤ۔'' وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بڑے حق سے بولی۔

''شوہر نہیں ہوں تمہارا جو یوں حق جتا رہی ہو۔'' وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

''تو پھر اتار دو نیچے اور چلے جاؤ۔ میں خود آجاؤں گی۔'' اس نے دھیرے سے کہتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''تمہارے پاس دل بے شک نہ ہو علیکہ زہرہ لیکن میرے پاس ہے پوری شرافت سے وہ اسے اس کے گھر چھوڑ گیا۔

تقریباً دو بج رہے تھے جب وہ جھومتا جھامتا اپنے فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھا، بمشکل آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے چابی ہول میں گھسائی۔ اندر گھپ اندھیرا۔ اِدھر اُدھر ٹھوکریں کھاتا وہ اندرونی کمرے کی طرف آیا۔ چابیاں اور موبائل ایک طرف پھینکتے ہوئے وہ ایکدم میٹرس پر گر گیا۔

''ہائے اللہ!'' عکرمہ کی دردناک چیخ سے اس کا سارا نشہ یکدم ہرن ہوگیا۔ ڈر کے مارے وہ مضبوطی سے اس سے چپک گیا۔ ''دفع ہو پرے۔ تجھے لڑکیاں پوری نہیں پڑ رہیں کیا۔'' عکرمہ نے ٹانگ مار کے اسے دور کیا۔

''بے غیرت کتنی دفعہ کہا ہے مردوں کی طرح ٹیرس کے درمیان میں نہ سویا کر۔ سارا خمار اڑنچھو ہوگیا میرا۔'' عتبہ کمر کے نیچے سے الارم کلاک نکالتے ہوئے بولا۔ وہ اسے اپنے درمیان میں رکھ کر سوتے تھے۔

''تیرے پیچھے مجھے انتہائی بکواس باتیں سننا پڑتی ہیں سب کہتے ہیں کہ ایک ایسا ہے تو دوسرا بھی یقیناً ویسا ہی ہوگا۔'' اس کی بات پر عتبہ نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

''تو میں، تیرے جیسا یا تو میرے جیسا نہیں ہے؟'' اس کے لہجے کی گہرائی سے عکرمہ ایک دم خاموش ہوگیا۔

''تیرے جیسا ہوں تبھی تو 26 سال ہوگئے تیری آوارگیاں برداشت کرتے ہوئے۔'' عکرمہ نے اس کی طرف کمبل پھینکا۔

''تو بس پھر اگلے 26 سال اور برداشت کرلے۔'' وہ کمبل اوڑھتے ہوئے بولا۔

''یہ پینا پلانا تو چھوڑ دے عتبہ۔'' عکرمہ ہولے سے بولا۔

''یہ پینا پلانا دوائی ہے میرے لیے یار! چھوڑ دیا تو رات آنکھوں میں کاٹا کروں گا۔'' عتبہ کروٹ بدلتے ہوئے بولا۔ عکرمہ چپ ہوگیا چند منٹ بعد اس نے دھیرے سے اسے پکارا۔

''عتبہ!''

''اب کیا ہے؟'' عتبہ نیند میں بولا۔

''علیکہ کو کہاں چھوڑ کر آیا ہے؟'' اس کے کہتے ہی عتبہ تیر کی طرح اس کی طرف مڑا۔

''اوعلیکہ کی ماں اسے گھر چھوڑ کے، بستر پر لٹا کر، کمبل اڑھا کر باہر سے دروازہ لگا کر اور گاڑی نیچے پارک کر کے آیا ہوں۔ اب چند گھڑی سو لینے دے مجھے۔'' وہ برس ہی پڑا عکرمہ چپ ہوگیا۔ چند سیکنڈ بعد وہ ہولے سے دوبارہ عکرمہ کی طرف مڑا۔

''اور ہاں اسے گڈ نائٹ kiss بھی دے کر آیا ہوں۔''

''مجھے پتہ تھا اب بدتمیزی کرے گا بے غیرت۔'' عکرمہ کی ٹانگ اس کی کمر سینک گئی تھی۔

☆......☆

وہ اور عینیہ ایک کانفرنس میں شرکت کرنے آئے تھے۔ بریفنگ عینیہ کے ذمے تھی سوائے فلیش ڈرائیو پکڑاتے ہوئے وہ خود اسٹیج سے نیچے اتر آیا۔ عینیہ نے لیپ ٹاپ اور بیگ بھی اسے ہی سونپ دیا۔ چوتھی قطار میں چند نشستیں خالی تھیں۔ وہ ان میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔

''عشوہ یار میرا دماغ پگھل جائے گا تھوڑی دیر میں۔'' چند لمحوں بعد ایک انتہائی بیزار آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''تو ایک کام کر، وہ سامنے میرے ڈیڈ بیٹھے ہیں جا شاباش ان سے پوچھ کر آ کہ آخر اس جہنم کو ابالنے کی کیا تک تھی۔'' عشوہ اس سے بڑھ کر بیزار تھی۔

''اچھی بھلی میں فیشن ڈیزائننگ کی طرف جا رہی تھی۔ تیرے پیچھے لگ کے اس منحوس بینکنگ کی طرف آگئی۔'' اس کی توپ کا رخ عشوہ کی طرف ہوگیا۔

''ہاں میں تو جیسے ہاتھ پاؤں باندھ کر لے گئی تھی۔ بینکنگ میں اپنی مرضی سے آئی تھی تو میرے ساتھ۔ تب تو بڑی زبان چل رہی تھی کہ بینکنگ سائیڈ پہ چھ فگرز والی سیلری ملتی ہے۔ یہ، وہ فلاں۔'' عشوہ اس پر برس ہی پڑی۔

''بھاڑ میں جائے یہ چھ فگرز کی سیلری جس میں سکون نام کی کوئی شے ہی نہیں ہے۔'' انتہائی سڑے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے اس نے یکم برابر نور دیکھا اور چیخ پڑی۔

''عکرمہ نور......تم یہاں۔'' وہ خوشی اور حیرانی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بولی۔

''ارے حوریہ تم...... بڑے عرصے بعد ملاقات ہوئی تم سے۔'' عکرمہ اسے پہچان گیا۔

''عکرمہ یار خدا کا واسطہ ہے تجھے کہہ دے کہ تو بینکنگ میں نہیں ہے یار، کہہ دے تو یہاں کسی دوست کے ساتھ آیا ہے۔'' حوریہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑے عکرمہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''اس بوریت کے الاؤ میں کوئی محض انجوائے کرنے کے لیے آتا ہے کیا؟'' عکرمہ ہنستے ہوئے بولا۔

''اوئے ہوئے مطلب یہاں سارے ہی مہربان ہوئے پڑے ہیں۔'' حوریہ اس سے باتیں کرتے ہوئے بالکل ہی اس کی طرف مڑ گئی۔

''عکرمہ یہ میری بیسٹ فرینڈ ہے عشوہ کیانی۔ اس کانفرنس کے چیئر پرسن عثمان کیانی کی اکلوتی بیٹی۔'' حوریہ نے دونوں کا تعارف کروایا عشوہ نے مسکراتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا تھا۔ عکرمہ یہاں بھی تسلیم کر گیا۔ وہ صرف خوب صورت نہیں تھی بے انتہا خوب صورت تھی۔

''اور سنا عکرمہ، عتبہ کہاں ہوتا ہے آج کل؟'' حوریہ کی بیزاریت ذرا کم ہوئی تھی۔

''یہیں ہوتا ہے ہم دونوں ایک ساتھ ہی رہتے ہیں۔ تمہیں اکثر یاد کرتے ہیں جب باہر کے کھانے کھا کھا کے تنگ آجاتا ہے تو۔'' عکرمہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''پتہ ہے عشوہ! میں عکرمہ اور عشوہ ہم تینوں کا گروپ ہوا کرتا تھا uet میں۔ انتہائی بدتمیز اور لفنگے مشہور تھے ہم تینوں خاص طور پر عتبہ۔ بڑا فلرٹی تھا وہ اب بھی ایسا ہی ہے یا سدھر گیا ہے۔'' حوریہ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''بھلا سدھرنے کی فطرت ہے اس کی۔ چار ہاتھ آگے کو گیا ہے پیچھے کو نہیں آیا۔'' عکرمہ نے بتایا۔ عینیہ بریفنگ دے کر فارغ ہوگیا تھا کانفرنس بھی تقریباً اختتامی مراحل میں تھی۔

''حوریہ اگر تمہاری خوب صورت سی دوست کو برا نہ لگے تو لنچ اکھٹے کرتے ہیں۔ میرا ایک دوست بھی آیا ہوا ہے۔'' عکرمہ نے عشوہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ارے اسے کیوں برا لگے گا۔ یہ اعتراض کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔ کھلے دل سے دعوت قبول کرنے والوں میں سے ہے۔'' حوریہ اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔

عکرمہ نے عشوہ کی طرف دیکھتے ہوئے اشارے سے تائید چاہی۔ اس نے ذرا سا گردن کو خم کر کے عکرمہ کی طرف ایک دلنشین مسکراہٹ اچھال دی۔ وہ بے چارہ اسی لمحے دل سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

''عکرمہ تم اپنے دوست کو ڈھونڈ لو۔ ہم لوگ عشوہ کے ڈیڈ سے مل کر باہر تمہارا انتظار کرتے ہیں۔'' حوریہ اسے گھسیٹتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ وہ عینیہ کی تلاش میں نظریں دوڑاتا ہوا اسٹیج کی طرف آ گیا۔

''کہاں مر گیا تھا کب سے ڈھونڈ رہا ہوں۔'' عینیہ پیچھے سے آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

''بس ہوگیا فارغ۔'' اس نے پوچھا۔

''ہاں چل آفس چل کے لنچ کرتے ہیں۔ بڑی بھوک لگی ہے۔'' عینیہ فلیش ڈرائیو اس کے کندھے سے لٹکے بیگ میں ڈالتے ہوئے بولا۔

''تو ہی جا کر کھا آفس کے سڑے ہوئے سینڈوچ اور بدمزہ کالی چائے۔ میں تو ساتھ والے ریسٹورنٹ میں لنچ کرنے جا رہا ہوں۔ کچھ پرانے دوستوں کے ساتھ۔'' عکرمہ بیگ اس کے کندھے پر منتقل کرتے ہوئے بولا۔

''تو مجھے کونسا تیرے نئے پرانے دوست کا کیا کرے گا چل مجھے بھی ساتھ لے کر جا۔'' عینیہ کون سا سو فیصد شریف تھا وہ دونوں جیسے ہی باہر نکلے حوریہ نے ہاتھ ہلایا عکرمہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

''اچھا.....لڑکی۔'' عینیہ معنی خیز انداز میں بولا۔

''غور سے دیکھ لڑکی نہیں ہے لڑکیاں ہیں۔'' عکرمہ مسکراتے ہوئے بولا۔ عینیہ ان کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے ہنس پڑا۔ وہ چاروں ایک ساتھ قریبی ریسٹورنٹ آ گئے۔

عشوہ چند منٹ میں ہی ان دونوں سے اچھا خاصا فرینک ہوگئی لنچ کے پیسے عکرمہ نے دیے تھے۔

''ہم اپنے پیسے خود دے دیتے ہیں۔ عکرمہ! ایسے اچھا نہیں لگتا۔'' عشوہ کو واقعی اچھا نہیں لگا۔

''کوئی بات نہیں عشوہ! اس نے کون سا اپنی جیب سے دیے ہیں۔ آفس کا ٹی اے ڈی اے ہی اڑایا ہے۔'' عینیہ مسکراتے ہوئے بولا۔ عشوہ بھی مسکرا دی۔

''کیسے جاؤ گے تم لوگ؟'' عکرمہ نے باہر آتے ہوئے حوریہ سے پوچھا۔

''عشوہ کے پاس گاڑی ہے۔ وہ مجھے چھوڑ دے گی۔'' حوریہ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولی۔

''اچھا لگا تم دونوں سے مل کر۔'' عشوہ نے باری باری ان دونوں سے ہاتھ ملایا تھا۔

''اور ہمیں یہ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم سے مل کر کسے اچھا نہیں لگے گا۔'' عکرمہ اس کے چہرے کو حفظ کرتے ہوئے بولا۔ وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

''لنچ کا مزہ آ گیا یار۔'' عینیہ ابھی تک ست تھا۔

"لنچ کے بچے، تو مجھے ذرا یہ بتا کہ تیرا باپ ہمیں کب سے ٹی اے ڈی اے دینے لگ گیا۔" عکرمہ کے لہجے کی ساری مٹھاس یکدم ہوا ہوگئی۔ عینیہ قہقہہ لگاتے ہوئے گاڑی کی طرف آ گیا۔

"ابھی آفس جا کر تیرے باپ کی کھری کھری سننی ہیں۔ غصے میں بیٹھا ہوگا۔" عکرمہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔ عینیہ نے دوسری طرف کا دروازہ بند کیا تھا۔

"چل کوئی نہیں، آج آدھی میں سن لوں گا۔" عینیہ نے اسے دلاسہ دیا۔

"اب تو تجھے یقین آ گیا نا کہ میں لڑکیوں کو نہیں گھماتا۔" عکرمہ ہنسا۔

"ہاں لڑکیاں تجھے گھماتی ہیں۔" عینیہ نے قہقہہ لگایا تھا۔

☆......☆

آج عادل صاحب کا ہفتہ وار چیک اپ کروانا تھا۔ تقریباً نو بجے وہ عبایا اور اسکارف لے کر نیچے آ گئی۔

"بابا تیار ہیں [illegible]س نے عمیرہ سے پوچھا۔

"پوچھ لو اندر جا [illegible] لاپرواہی سے بولیں۔

"آپ ساتھ نہیں چل[illegible]" وہ حیرانی سے بولی۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں [illegible]ے میں درد ہو رہا ہے صبح سے۔" وہ دھیرے سے بولیں۔

"تو آپ چلیں ساتھ۔ آپ کا بھی چیک [illegible] ہو جائے گا۔" وہ پریشان ہوگئی۔

"نہیں ابھی وقت نہیں ہے۔ عفان اور [illegible] کے یونیفارم دھونے ہیں۔" وہ ٹال گئیں۔ وہ چپ چاپ اندر آ گئی عادل صاحب تیار تھے۔ وہ انہیں لے [illegible] آئی پورے دو گھنٹے تک ان کا مکمل چیک اپ ہوا۔ صورت حال کچھ زیادہ بہتر نہیں تھی۔ ان میں بہتری کی [illegible] بھی نظر نہیں آئی تھی۔ انہیں روم میں شفٹ کرنے کے بعد وہ ان کی رپورٹس لے کر ڈاکٹر کے کمرے میں آ گئی۔

"آؤ عمایہ، بیٹھو۔" ڈاکٹر تفصیلاً ان کی رپورٹس پڑھتے ہوئے بولا۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔

"کیسے ہیں اب سپروائزر صاحب۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"ٹھیک نہیں ہیں وہ۔" عمایہ پریشان تھی۔

"ہو جائیں گے ہو جائیں گے۔" وہ اسے حوصلہ دیتے ہوئے بولا۔

"کب ہو جائیں گے؟" عمایہ بے بس ہوگئی۔

"ڈاکٹر صاحب مجھے سمجھ نہیں آئی کہ آخر یہ زخم کیوں پھیل رہا ہے۔ ان کے علاج میں کوئی کمی نہیں ہے پرہیزی کھانا کھاتے ہیں۔ کبھی دواؤں میں بھی ناغہ نہیں کیا، ہر طرح سے ان کے اٹھنے بیٹھنے کا خیال رکھتے ہیں پھر بھی۔ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"بیٹے تمہاری ساری باتیں ٹھیک ہیں لیکن دو اہم وجوہات ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ شوگر کے مریض ہیں اور شوگر ان کے زخم کو مندمل نہیں ہونے دیتی۔" ڈاکٹر نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"اور سب سے بڑی وجہ ایجنگ بڑھاپا بذات خود ایک بیماری ہے عمایہ بیٹے۔ جسم آہستہ آہستہ اپنی قوت مدافعت کھو دیتا ہے۔ پھر دوائیں کہاں تک اثر کریں۔" وہ کافی پریشان ہوگئی۔

"اس کا مطلب ہے بہتری کی کوئی امید نہیں ہے۔" اس نے پوچھا۔

"ہمارے اختیار میں آنے والے وقت سے متعلق قیاس آرائیاں کرنا نہیں ہے عمایہ، صرف آج کے لیے

کوشش کرنا ہے اور بہتری کی امید ہر لمحہ ہوتی ہے۔" وہ فائل بند کر کے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ عمایہ نے چپ چاپ فائل پکڑی۔

"اب دوبارہ انہیں کب لے کر آؤں۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"میں نے دوائیں تبدیل کر دی ہیں۔ دو ہفتے انہیں کھلاؤ پھر دیکھتے ہیں کیا اثر ہوتا ہے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے باہر آ گئی۔ نیچے آ کر پہلے فیس جمع کروائی اور پھر میڈیکل اسٹور سے دوائیں خریدیں۔ عادل صاحب نے چیک اپ کی وجہ سے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ ان کے لیے فریش جوس لے کر وہ دوبارہ اوپر آ گئی۔ ڈرپ خالی ہو گئی تھی۔ اس نے ہولے سے نیڈل نکال کے کینولا بند کر دیا۔

"بابا تھوڑا سا جوس پی لیں۔ پھر گھر چلتے ہیں۔" وہ انہیں سہارا دے کر سیدھا کرتے ہوئے بولی۔

"اب کب آنا ہے۔" انہوں نے پوچھا۔

"دو ہفتے بعد۔" وہ اسٹرا گلاس میں ڈال کر ان کے منہ سے لگاتے ہوئے بولی۔ آدھا گلاس پی کر انہوں نے گلاس منہ سے ہٹا دیا۔

"عمایہ میں نے ایک [illegible] تمہیں ایک بات سمجھائی تھی بیٹے لیکن تم بھول گئیں وہ دھیرے سے بولے۔

"کیا بابا۔" وہ حیرانی [illegible]

"میں مانتا ہوں عمیرہ تمہاری ماں [illegible] لیکن ماں کی جگہ پر تو ہے نا بیٹے تم کیوں اسے ہر دم یہ احساس دلاتی ہو کہ وہ اور اس کے بچے تمہارے پیسوں [illegible] رہے ہیں وہ ان کی بات پر دم بخود رہ گئی۔

"احسان نہیں کرتی ہو تم ہم لوگوں کا خرچہ اٹھا [illegible] ہے یہ تم پر۔" وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"بابا میں نے ان سے کچھ نہیں کہا۔" وہ پریشانی سے بو[illegible]

"یہی تو مسئلہ ہے کہ تم کچھ کہتی نہیں ہو، بس اپنے [illegible] ہر چیز باور کروا رہی ہو۔" عادل صاحب اس کی بات سمجھنے کو ذرا سا بھی تیار نہیں تھے۔

"وہ تم سے پیسے نہ مانگے تو کس سے مانگے۔" "میں خود کسی قابل ہوتا [illegible] آگے ہاتھ نہ پھیلاتا اور وہ اپنی ذات کے لیے تو کچھ نہیں مانگتی تم سے۔ تمہارے بہن بھائیوں کے [illegible] تم اس پر بھی اسے سو سو باتیں سناتی ہو۔" عمایہ کا حیرانی سے منہ کھل گیا۔

"سارا دن وہ میری خدمت کرتی ہے۔ گھر کے کام کاج الگ نمٹاتی ہے۔ پھر بھی تم اس کے ساتھ ایسا خشک رویہ رکھو گی تو سوچو کتنا دل دکھے گا اس کا۔ انہیں عمیرہ کی بے حد فکر ہو رہی تھی۔

"یہ بھی تو مجھے سمجھ نہیں آئی بابا کہ میری کس بات سے دل دکھتا ہے ان کا۔ میں ہر ممکن کوشش کرتی ہوں کہ ان کی باتوں کے جواب میں چپ ہوں۔ کیونکہ انہیں میرا جواب دینا بھی برا لگتا ہے۔ ان کی ہر بات پر ڈیمانڈ وقت سے پہلے پوری کرتی ہوں۔ پھر بھی وہ خوش نہیں ہوتیں۔ نہ جانے کہاں کچھ غلط ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"تم خود سوچو کہ غلط کون ہے۔" چوبیس گھنٹے تمہارا میرا اور تمہارے بہن بھائیوں کا خیال رکھنے والی تمہاری سوتیلی ماں یا پھر......؟" وہ دم بخود رہ گئی۔ اس کے کریڈٹ پر کچھ بھی نہیں تھا۔

"آئندہ خیال رکھوں گی۔" گوشوں میں آیا پانی صاف کرتے ہوئے اس نے دھیرے سے کہا۔

☆......☆

الارم پوری قوت سے چلایا تھا۔
''عتبہ اسے بند کر یار۔'' عکرمہ اوپر تک کمبل اوڑھتے ہوئے بولا۔
عتبہ نے فوراً اسے میٹرس کے نیچے گھسیڑ دیا۔
''ٹانگ مارا سے پھر چپ کرے گا۔'' عکرمہ بے چارے الارم کلاک کو چپ کروانے میں ماہر ہو چکا تھا۔
''مر جا کہیں۔'' عتبہ نے اسے گھما کر سامنے والی دیوار پر دے مارا۔ وہ چند لمحوں بعد چپ ہو گیا۔
''کیا ٹائم ہو گیا۔'' عکرمہ نے دھیرے سے پوچھا۔
''ابھی بہت وقت پڑا ہے۔ سو جا شاباش۔'' عتبہ کمبل اوپر تک کرتے ہوئے کروٹ بدل گیا۔
کچھ دیر بعد عکرمہ کا موبائل وائبریٹ ہوا۔
''اسے چپ کروا یار ورنہ یہ بھی سامنے والی دیوار پر جائے گا۔'' عتبہ نیند میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولا۔
عکرمہ نے اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر اپنا موبائل درآمد کیا۔ عائزہ کی کال تھی۔
''یہ عائزہ اس وقت کیوں کال کر رہی ہے۔'' وہ حیران ہوا۔ بڑبڑاتے ہوئے اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ کال پھر آنا شروع ہو گئی۔
''کیا تکلیف ہے تمہیں۔'' وہ چڑ کر بولا۔
''تکلیف کے بچے تم دس منٹ تک نہ آئے تو گئی تمہاری نوکری۔ سر نے مجھے تمہارا ٹرمینیشن لیٹر ٹائپ کرنے کے لیے کہہ دیا ہے۔'' عائزہ کی بات پر اس کی نیند اڑنچھو ہو گئی۔ آنکھیں پھاڑ کر اس نے گھڑی کی طرف دیکھا تو وہ نو بجا رہی تھی۔
''عتبہ یار اٹھ جا۔'' چلا کر کہتے ہوئے اس نے عتبہ کو جھنجھوڑا۔
''کیا ہو گیا؟'' وہ ہڑبڑا گیا۔
''ادھر دیکھ۔'' عکرمہ نے اس کا منہ گھڑی کی طرف کر دیا۔
''یہ رات کے نو بج رہے ہیں یا دن کے۔'' وہ ابھی تک مدہوش تھا۔ عکرمہ نے رکھ کے اسے تھپڑ مارا۔ عتبہ کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔
''ہائے میری نوکری۔'' کمبل دور پھینکتے ہوئے وہ یکدم واش روم کی طرف بڑھا لیکن عکرمہ اس سے پہلے اندر تھا۔
''پہلے میں نہاؤں گا۔'' عتبہ باقاعدہ واش روم کے دروازے میں گر گیا۔
''نہ عکرمہ میرے بھائی مجھے ساتھ لے کر اندر جا۔ میری بھی نوکری 75000 کی ہے یار۔ عتبہ اس کی ٹانگیں جکڑے دور بھاگا۔ افراتفری میں دونوں نے فقط ہاتھ منہ دھو کر کپڑے بدلے، لیپ ٹاپ بغل میں دبائے۔ زنبیل کندھوں پر ڈالی اور بھاگتے ہوئے باہر آ گئے۔
رہنے دے دروازہ بند کرنے کو کسی نے کیا لے جانا ہے اندر سے۔'' عکرمہ وقت ضائع کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔
''میری دس ہزار کی دوائیاں پڑی ہیں فریج میں۔'' عتبہ لاک لگاتے ہوئے بولا۔
''تیری یہ دوائیاں ہی نوکری سے ہاتھ دھلوائیں گی ایک دن۔'' ہوا کی رفتار کو مات دیتا وہ آفس پہنچا۔
عتبہ کے ساتھ کو جو ہونا تھا سو ہونا تھا۔ اسے صحیح معنوں میں نوکری ہاتھ سے نکلتی نظر آ رہی تھی۔ جب وہ عزین

انٹرپرائززمیں داخل ہوا تو ساڑھے نو ہو رہے تھے۔
''یہاں آنے سے بہتر تھا تم کہیں اور انٹرویو دینے چلے جاتے کیونکہ تمہارا ٹرمینیشن لیٹر اندر جا چکا ہے۔''
عائزہ نے اسے دروازے میں ہی روک لیا۔
''تم پانچ منٹ رک نہیں سکتی تھیں۔'' اس نے زنبیل کندھے سے اتاری۔
''میں آدھے گھنٹے سے تمہیں کالز کر رہی ہوں فضول آدمی۔ پتا نہیں کیا کھا کر سوئے ہو تم۔'' عائزہ اس پر برس پڑی۔ تبھی عینیہ اندر سے باہر نکلا۔
''آ گیا تو؟ جا تجھے ہی یاد کر رہے ہیں۔'' وہ اسے پیچھے سے دھکا لگاتے ہوئے بولا۔
''اندر اور کون ہے۔'' وہ کسی طور اندر جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔
''اور یار کوئی نہیں ہے اندر تیری درگت دیکھنے والا۔'' عینیہ اسے کہتے ہوئے بولا۔
''میں اکیلا نہیں جاؤں گا۔'' وہ وہیں جم گیا۔
''صبح اپنی پستول بھی صاف کروائی ہے انہوں نے۔'' عینیہ اسے خوب ڈرا رہا تھا۔
''کیا مطلب ہے تیرا مجھے مار دیں گے۔'' وہ یکدم بولا۔
''ہاں اور ساری عمر کے لیے جیل ہو جائیں گے۔'' عائزہ ہنسی۔
''چلیں میں چلتی ہوں آپ کے ساتھ۔ مجھے بھی سر نے یہ فائل دینے جانا ہے۔'' عمایہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔
''ہاں چلو۔'' وہ جھٹ اس کے پیچھے ہو لیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ دونوں اندر جاتے۔ عزین مرزا خود باہر آ گئے۔ وہ انہیں دیکھ کر نظریں جھکا گیا۔
''سر یہ فائل مکمل ہو گئی ہے۔'' عمایہ نے فائل ان کی طرف بڑھا دی۔
''تم اندر آؤ ذرا۔'' ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے وہ واپس مڑے۔
''ایم سوری۔'' وہ جھٹ سے بولا کہ کہیں اکیلا اندر نہ جانا پڑ جائے۔
''تم آخر چاہتے کیا ہو؟'' عزین مرزا گرج کر بولے۔ ''وہ نہ محسوس انداز سے عمایہ کے پیچھے ہو گیا۔
''کوئی ایک وجہ دو مجھے کہ میں تمہیں برخاست کیوں نہ کروں۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولے۔
''میں پوری کوشش کرتا ہوں جلدی اٹھنے کی لیکن بس دیر ہو جاتی ہے۔'' وہ دھیرے سے بولا۔
''یہ ہی تو سوال ہے کوشش کے باوجود یہ کیوں دیر ہو جاتی ہے۔'' انہوں نے پوچھا۔
''آنکھ نہیں کھلتی۔'' وہ بولا۔
''تو بس پھر ٹھیک ہے۔ آج کھل جائے گی تمہاری آنکھ ہمیشہ کے لیے۔'' وہ سرد لہجے میں بولے۔
''جاؤ اندر سے اس کا ٹرمینیشن لیٹر اٹھا کر لاؤ۔'' انہوں نے عینیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ چپ چاپ اندر چلا گیا۔
''سر کوئی بات نہیں۔ ہو جاتا ہے ایسا کبھی کبھار۔ ایک موقع دے کر تو دیکھیں۔'' عمایہ ہولے سے بولی۔
''کبھی کبھار ہو تو کوئی بات نہیں۔ اس کے ساتھ تو ہوتا ہی یہ ہے پورے مہینے میں کوئی گنتی کے پانچ یا چھ دن وقت پر آتا ہے یہ باقی پورا مہینہ لیٹ۔ تھک گیا ہوں میں اسے سمجھا سمجھا کر لگتا ہے میرے سمجھانے میں ہی اثر نہیں ہے۔'' وہ غصے سے بولے۔

”تو سمجھانے کا طریقہ بدل کر دیکھ لیں۔“ عمایہ کی بات پر وہ یکدم ٹھٹک گئے۔

”اچھا تو پھر پوچھو اس سے۔ کس طریقے سے سمجھاؤں تو اسے سمجھ آئے گی۔“ ان کی توپ کا رخ عمایہ کی طرف ہو گیا۔

”ان سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے سر۔ ویسے سمجھائیں ناں جیسے ایک باپ اپنے بیٹے کو سمجھاتا ہے۔ کندھے پر تھپکی دے کر۔ ویسے سمجھائیں جیسے ایک استاد اپنے ذہین شاگرد کو سمجھاتا ہے بیٹا ہو کر۔ ویسے سمجھائیں جیسے ایک بزرگ اپنے خاندان والوں کو سمجھاتا ہے۔ ناصح بن کر۔ ویسے سمجھائیں جیسے آپ کے باس نے آپ کو سمجھایا تھا۔“ عکرمہ دم بخود رہ گیا۔ وہ اس کے دل کی زبان بول رہی تھی۔

”کچھ لوگوں کو تا عمر محبتوں کی زبان سمجھ نہیں آتی عمایہ۔“ وہ دھیرے سے بولے۔

”آپ کو محبتوں کی زبان استعمال کیے بغیر یہ کہنے کا کوئی حق نہیں ہے سر۔“ عمایہ ان کے روبرو کھڑی تھی۔

”تو تم شرط لگاتی ہو مجھ سے کہ یہ محبت کی زبان سمجھ جائے گا۔“ وہ مسکرا کر بولے۔

”تم لگاؤ گی اپنی 75000 کی نوکری اس شخص کی خاطر داؤ پر۔“ وہ اس سے پوچھ رہے تھے۔

”جی لگا دوں گی ... ضائع کیے بغیر بولی۔ عکرمہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

”اور ہار گئی تو کیا ملے گا ... وہ خود حیران ہو گئے۔

”ہارنے کا سوال ہی نہیں ہے۔ محبتوں کی قسمت میں ہار کبھی نہیں ہے۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

سارا اسٹاف اسے عزین مرزا سے ... رہا تھا۔ چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد وہ دوبارہ عکرمہ کی طرف مڑے۔

”دو گھنٹے دیر سے جاؤ گے آج تم۔ سارا دن ... کو نہیں ملے گا اور جاتے ہوئے پانچ ہزار جرمانہ جمع کروا کے جانا۔“ وہ محبتوں کی زبان بولنے ... تھے۔ اس کا ٹرمینیشن لیٹر پکڑے ہوئے وہ قہر بار نظروں سے اسے گھورتے ہوئے اندر چلے گئے۔ عکرمہ دھیرے سے ... عمایہ کی طرف مڑا۔

”چار دن پہلے یہ نوکری ملی ہے تمہیں۔ کیوں اس سے ہاتھ دھونے پر تلی ہو“ وہ بولا۔

”کیونکہ میں اپنی فطرت سے ہٹ نہیں سکتا۔“ وہ مسکرائی۔

”میں بھی اپنی فطرت سے نہیں ہٹ سکتی عمایہ عادل۔ میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔ ... چھاؤں جیسا جو ہر ایک کے لیے مہربان ہوتی ہے۔ بلکہ میں اس چھاؤں تلے اگا وہ کانٹا ہوں جو ہر مسافر کے لیے تکلیف کا سبب بنتا ہے۔“ عکرمہ کے لہجے میں درد جھلکا تھا۔

”تکلیف دینا کانٹوں کی فطرت ہوتی ہے۔ ان کا قصور نہیں۔ یہ مسافروں کی چوائس ہوتی ہے کہ یا تو بچ کر گزریں یا پھر اس تکلیف کے ساتھ جینا سیکھ لیں۔“ وہ بھی درد سے مسکرائی۔

”تم کیا کرو گی اگر تمہاری راہ میں کوئی مجھ جیسا کانٹا آ گیا تو۔“ عکرمہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

”وہی جو سب کرتے ہیں۔ بچ نکلنے کی کوشش۔“ وہ بولی۔

”اور اگر پھنس گئی تو۔ کانٹا چبھ گیا تو۔“ اس نے پوچھا۔

”تو تکلیف کے ساتھ جیتے مجھے 24 سال ہو گئے ہیں عکرمہ نور۔“ اس کی آنکھوں میں کچھ تو چمکا تھا۔

(جاری ہے)

عائشہ مری

دل آباد رہے

کل رات سے ہونے والی بارش نے ہر طرف جل تھل مچا رکھا تھا۔ سرخ اینٹوں سے بنے روش پر کیچڑ نے ستیاناس مار دیا تھا۔ ابھی پرسوں ہی اس نے فنائل سے رگڑ رگڑ کر فرش دھویا تھا۔ بارش نے ساری محنت پر مٹی پھیر دی، درختوں کے تڑے مڑے بکھرے پتے، کچی مٹی اور شہتوت کے درختوں سے گرے ابھی ناپختہ شہتوت ہو کر اپنی بے وقعتی پر ماتم کناں تھے۔ وسیع و عریض صحن پر کسی طوفان کے آجانے کے آثار نمایاں تھے۔ بارش تھمتے ہی دوپٹہ کمر کے گرد کستے جھاڑو لیے وہ پھر سے میدان میں اتر آئی، پائنچے چڑھائے پائپ لگا کر اب وہ پانی کے بلبلوں کو جھاڑو سے ادھر ادھر کرتی اتنے میں بہنا وائپر لیے چلی آئی۔ لان کی جانب کے درختوں کے پتے دھل کر نکھر سے گئے تھے۔ مٹی کی نم خوشبو اور پھلوں کی تازہ رسیلی خوشبو کے سنگ ملتے اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ آلو بخارے، کچے سیبوں، جامن کی خوشبو وہ ٹوکرا لیے آلو بخارے چننے لگی۔ اسے سیزن کے پھلوں سے زیادہ کچے پھل مرغوب تھے۔ کچی کیریاں، کھٹی میٹھی املی یا پھر رسیلے کینو، انگور ابھی ناپختہ ہوتے محترمہ کا دل للچانے لگتا۔ باغ سے ہری مرچیں تک لا کر چبا لیتی، تائی ہنس کر کہتیں، خود ہری مرچ سی ہے نا، تیکھی سی۔ میں تھک کر چارپائی پر ستانے لیٹ گئی۔ اتنے میں تائی لیموں کی سکنجبین بنا لائیں۔

مکمل ناول



"اے لو، بھلا کیا ضرورت تھی خود کو تھکانے کی۔" تائی کی فکرمندیاں مسکرا کے اس نے جامن کا ٹوکرا رکھا اور شکنجبین کا گلاس اٹھا کر فٹافٹ پی گئی۔

تائی اب ناقدانہ جائزہ لینے لگیں، گھر دھل کر نکھر گیا تھا۔ پورچ کی روش سے لے کر گاڑی کا ٹائر تک دھل کر جگمگا اٹھے تھے۔

"اپنی عشو تو واقعی بہت سگھڑ ہے، جس گھر جائے گی مانو قسمت جاگ جائے۔" تقویت سے بھرپور تائی کا یہ فقرہ اس کے اندر نیا جوش و خروش بھر دیتا جس طرح ان تین سالوں میں تائی اس کی صلاحیتوں کی معترف ہوئیں۔ رفتہ رفتہ اس پتھر میں بھی شگاف پڑ جائے گا۔ اس کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی یہ سوچ ہی اس کے اندر نئی توانیاں بھر دیتا۔ وگرنہ اماں کی حیات میں تو چھوٹے موٹے کاموں کے لیے بھی اسے دس بار کہنا پڑتا۔ ایک کپ چائے کا بنا کر [illegible] کچن پھیلا کر رکھ دیتی۔ ایسے میں اماں بی بڑبڑاتی کچن سمیٹتی اس کی بدسلیقگی کو کوستی رہتیں۔

"لڑکیاں تو ماؤنٹ ایورسٹ [illegible] جا پہنچی ہیں۔ اسے تو ابھی تک ڈھنگ سے انڈا ابالنا بھی نہیں آتا۔"

ماؤنٹ ایورسٹ تو وہ بھی چڑھ لیتی، یہ کون سی بڑی بات تھی، بس بریانی اس سے نہ بنتی، گاؤں جا کر وہ درختوں پر بندروں کی طرح چڑھ جاتی، اماں کو [illegible] کی حرکتوں پر تب بھی اعتراض ہی ہوتا، یہاں بھی تائی ہی اس کی طرف داری کرتیں کہ بچی ہے ہی کھیلنے کودنے کے دن ہیں، ساری دوپہریں وہ اور عینا باغوں سے پھل توڑتے، چوری چھپے، بچپن، لڑکپن بیت گیا۔ بس فقط یادوں کے نشان ہی تھے جو رہ گئے اور ایک غم اماں بھی نہ رہیں۔ اس نے کالج میں ایڈمیشن لیا تھا۔ تایا اور تائی خاص [illegible] پر مبارک باد دینے آئے تھے۔ بھائی کی اکلوتی نشانی انہیں بے حد عزیز تھی۔ عصمت نہ رہے تو کیا ہوا، خون [illegible] بڑی وجہ، وہ کھنچے چلے آتے، عصمت گاؤں کی زمین بیچ کر کئی برس قبل ہی شہر آ بسے۔ رضوانہ بیگم کالج [illegible] خالص ان کی اپنی پسند تھی۔ شادی کے بعد ایشا کی آمد سے ان کی فیملی مکمل ہوگئی۔ کچھ کم عمری اور [illegible] ہونا، تمام رقم کاروبار میں لگا کر ڈبو بیٹھے۔ غم ایسا کہ برداشت نہ کر سکے۔ ڈھے سے گئے اس وقت [illegible] جذباتی و مالی سہارا ملک وجاہت نے ہی دیا اور بڑے بھائی ہونے کا حق ادا کیا۔ گھر کی گزر بسر رضوانہ بیگم کی تنخواہ سے بخوبی ہو رہی تھی، گھر اپنا ذاتی تھا، پر بجلی، گیس کے بلز یوٹیلٹی سے لے کر اضافی اخراجات اب ملک وجاہت کے سپرد تھے۔ اس کے علاوہ ہر ماہ وہ ایک معقول رقم عصمت کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرا دیتے۔ عصمت بھائی کے اس احسان تلے دبے ایک روز چپکے سے ہمیشہ کے لیے آنکھیں موندھ گئے۔ آشیانہ گویا تنکا تنکا بکھر گیا، رضوانہ بیگم تو اس غم سے نیم جان رہ گئیں۔ ابھی ایشا فورتھ اسٹینڈرڈ کی اسٹوڈنٹ تھی۔ اتنی بڑی ذمے داری ان کے ناتواں کندھوں پر آ گئی۔ سبین بیگم اور ملک وجاہت نے ان کی ہر ممکن تسلی و تعاون کی کوشش کی۔ وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔ ان کی تو پوری دنیا ہی لٹ گئی، بس جٹھانی کی تسلیوں، تشفیوں کا سہارا تھا۔ اس مشکل دور میں ملک وجاہت اور سبین بیگم نے ان کا جو ساتھ دیا، وہ ان کی دل سے مشکور و ممنون تھیں۔ حالات معمولات پر آنے گے۔ پر زندگی بے رونق بے معنی ہو کر رہ گئی تھی جسے ایشا کی اسٹڈیز اور اپنی جاب کے سبب رضوانہ بیگم نے شہر میں ہی رہنے کو ترجیح دی۔ حالانکہ وجاہت اور سبین بیگم انہیں تنہا شہر میں چھوڑنے پر بالکل آمادہ نہ تھے پر انہوں نے جیسے تیسے کر کے انہیں منا ہی لیا۔ نیہا اور عینا ہر ہفتے چکر لگانے لگیں تو ان کا دل بہل جاتا۔ عینا نے تو وہیں ایڈمیشن بھی لے لیا۔ ملک وجاہت کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

اب ایشا بھی کافی خوش رہنے لگی تھی۔ دن کٹنے لگے صبحیں دوپہروں میں اور دوپہریں شاموں میں ڈھلنے لگے۔ وقت رفتہ رفتہ سرکنے لگا۔ ان دنوں ایشا اور عینا کا نیا نیا کالج میں ایڈمیشن ہوا تھا۔ اکثر رضوانہ بیگم کی طبیعت اب گری گری سی رہنے لگی۔ تایا ابا نے اماں بی کی طبیعت کے مدنظر انہیں گاؤں چلنے کا مشورہ دیا۔ شاید اب وہ بھی زندگی کی کٹھنائیوں کو تنہا سہتے سہتے اب تھک چکیں۔ انہوں نے فوراً ہامی بھر لی۔ اماں بی کی طبیعت علاج و معالجوں اور ماحول بدلنے کے باوجود تیزی سے گرنے لگی۔ اپنی صحت کی جانب سے حد درجہ لاپروائی ان کے لیے جان لیوا بھی ثابت ہو سکتی تھی۔ یہ بھلا کون جانتا تھا۔ ایک شام چپکے سے اماں بی بھی اسے تنہا چھوڑ کر چلی گئیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ وہ اپنوں کے ہوتے ہوئے بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی تھی۔ تایا ابا کا مہربان وجود، تائی کی شفقت اور عینا اور نیہا کے بہلاوے بھی اس کا درد کم نہ کر سکے۔

آج اماں [illegible] گزرے چوتھا دن تھا۔ جب اتنے برسوں بعد اس نے علی رضا کو دیکھا، سفید رنگ کے کاٹن لباس ہلکی داڑھی [illegible] وہ بے حد گم صم اور سوبر سا لگا تھا۔ وہ پہلے بھی خاصا سنجیدہ اور اپنے کام سے کام رکھنے والا بندہ تھا پر اب تو [illegible] سنجیدگی [illegible] وقار اس کی شخصیت کا حصہ بن چکی تھی۔ کتنی دیر وہ بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھتی رہی۔ آگے بڑھ کر اس سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی کوئی جھجک تھی جو آڑے آ گئی۔ پہلے کیسے وہ جھٹ فرمائش جڑ دیتی، چھوٹے بڑے کاموں کے لیے علی پکارتی رہتی۔

"علی ذرا کینو توڑ دینا میرے ہاتھ [illegible]۔" اور وہ اسے بدلے میں گھوری دیتا۔

"علی ذرا باؤلنگ تو کرا دو۔"

بھیا بھائی جیسے لفظ اس کی ڈکشنری میں ناپید تھے۔ [illegible] سامنے دیکھ کر یکدم اس کے دل نے بہت مل کیا تھا۔ پہلی بار کسی کے متعلق یوں سوچنے لگی تھی پر کیوں [illegible] سے وہ خود بھی انجان تھی۔ کبھی کبھی تائی اور نیہا اسے علی کے حوالے سے چھیڑتیں تو دھیمی سی مسکان اس کے [illegible] احاطہ کر جاتی۔ محبت کی ننھی سی کونپل اب ایک تناور درخت کا روپ اختیار کر چکی تھی۔

یہ جذبات ان تین سالوں میں اتنے پختہ ہوگئے کہ اب کسی اور کو ان خیالات [illegible] نے کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔ وہ دل کے معاملے میں بہت آگے نکل کر چکی تھی۔ جب کہ دوسری جانب معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اسے عیشا کی ہر عادت سے تقریباً چڑ تھی اور اچھا خاصا غصہ تو اسی بات کا کہ وہ اسے علی کیوں کہتی ہے بھائی کیوں نہیں کہتی۔ اماں ہنس کر ٹال دیتیں کہ بچی ہے ابھی تو اور یہ بچی انیس سال کی ہو کر بھی بچی ہی رہی۔ وہ ایک بے حد نفاست پسند انسان تھا، اس کی بدسلیقگی اور بے ڈھنگے اطوار اسے کوفت میں مبتلا کرتے۔ اس کا یوں بندروں کی طرح درختوں پر چڑھنا، آدھی آدھی رات تک جاگ کر موویز دیکھنا، گلا پھاڑ کر ہنسنا اور بلاوجہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر آنسو بہانا اس میں لڑکیوں والی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ نہ جانے کیوں اماں اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتی۔ وہ چڑ کر سوچتا اور علی رضا کا یہی چڑنا زچ ہو کر کچھ کہنا، وہ یہی تو چاہتی تھی لاکھ خود کو بے نیاز ظاہر کرے، پر اسے عیشا کی حرکتوں سے فرق پڑتا۔ بے نیازی اور لاپروائی کا یہ خول وہ توڑنا چاہتی تھی، ایک ان دیکھی دیوار گویا حائل تھی، اپنے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کاموں کے لیے وہ عیشا یا نیہا کو ہی آوازیں دیتا پر اسے مخاطب کرنا گویا اپنی توہین سمجھتا، اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود وہ اس کے سارے کام خود انجام دیتی۔ وہ اس تکلف اور گریز کی اس دیوار کو ہٹا دینا چاہتی تھی اور اس پتھر میں قطرہ قطرہ شگاف پڑنے والا تھا۔ اس کی خوبیوں صلاحیتوں سے نہ سہی پر اس کی اوٹ پٹانگ

حرکتوں سے بچنے سے ہی سہی۔

☆......☆

''ارے عشو کی بچی، ستیاناس اتنی مرچیں، پتا بھی ہے علی رضا کو مرچیوں سے الرجی ہے۔'' عشاء کو مرچوں کے چمچ بھر بھر کے کوفتوں میں ڈالتا دیکھ کر نیہا تقریباً چیخ ہی پڑی اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ سفر سے تھکا ہارا علی رضا غصے سے پلیٹ پٹخ کر جا چکا تھا۔

''حد ہوتی ہے غیر ذمے داری کی، اتنی مرچیں۔'' غصے سے چلتی علی کی زبان سب کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔

''بھئی چھٹی کی وجہ سے آج لنچ کی ذمے داری اسی کی تھی۔ کوفتے، بریانی اور تو اور رائتے میں بھی مرچیں ڈالنا نہ بھولی۔ علی نے غصے سے کھانا چھوڑ دیا تھا پر بولا کچھ نہیں اور زیادہ غصہ تو اسی بات کا تھا کہ کسی کے اسے ایک لفظ تک نہ کہا۔ یہ بات اسے مزید سلگا گئی۔

''یعنی میری کہیں کوئی ویلیو نہیں۔'' وہ مزے سے پلیٹ میں چاول، رائتہ ڈال کر تناول کرنے لگی۔

''دیکھا میں نے منع کیا تھا۔'' نیہا نے دبی دبی آواز میں تنبیہہ یاد دلائی۔

''ارے اتنی مرچیں تو بچے بھی کھا لیتے ہیں، تو کیا علی بچوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔'' اس نے جان بوجھ کر فقط اسے سنانے کو ہی کہا تھا۔ علی کے جانے کے باوجود اس کی ہٹ دھرمی پر مزید سلگ گیا۔ اس لڑکی نے اس کا جینا صحیح معنوں میں حرام کر کے رکھ دیا تھا۔ علی کے اندر نفرت کا سا الاؤ دہکنے لگا۔ ہفتے کی شام بینا کے سسرال کو آنا تھا۔ علی رضا کی چھٹیاں دو دن کی تھیں۔ تیسرے روز اسے واپس اسلام آباد جانا تھا۔ ایم بی اے کرنے کے بعد اسے وہیں اسلام آباد میں ہی جاب مل گئی تو کبھی کبھار چھٹیوں میں گاؤں کا چکر لگا لیتا۔ اب بینا کی شادی کے سبب اس کا قیام اس مرتبہ طویل ہو گیا جس کے سبب اس کی جھنجھلاہٹ عروج پر تھی۔ نکاح سادگی سے ہی گاؤں میں ہو گیا۔ البتہ ولیمے کے لیے شہر میں ہال ارینج کیا گیا۔

بینا رخصت ہو کر چلی گئی۔ نکاح کے فوراً بعد وہ بھی واپس چلا گیا۔ تائی نے دبے لفظوں میں اس کی اور ایشا کے رشتے کے متعلق بات کرنا چاہی پر اس کی مسلسل گہری خاموشی ایشا کو احساس دلانے کو کافی تھی۔ یوں تقریب میں اس نے بھول کر بھی ایک بار اس کی جانب دیکھنا گوارا نہ کیا۔ اس کے جانے کے بعد آنکھوں کا سرمہ پانی بن کر بہنے لگا۔ عجیب سی کیفیت ہونے لگی۔ اداسیاں ڈیرہ کرنے لگیں، عینا نے ہی آ کر اسے چپ کرایا۔ وہ بینا سے کافی اٹیچ تھی۔ سب اسی سے ہی ماخوذ کرنے لگی۔ عینا کی ہم عمر ہونے کے باوجود دونوں کی خاص نہ بنتی اس کے برعکس بینا اس سے کافی بڑی ہونے کے باوجود دونوں میں کمال کی ذہنی ہم آہنگی تھی۔ اس لیے وہ اسے بینا باجی کے بجائے صرف بینا ہی کہتی۔

آج بینا کا ولیمہ تھا۔ ان کا قیام ہوٹل ہی میں تھا۔ عینا صبح ہی بینا کے ہمراہ پارلر چلی گئی۔ تائی اسے بروقت تیار ہو کر آنے کی تاکید کر کے پہلے ہی ہال کے لیے روانہ ہو گئیں۔ اس کی ذمے داری صغریٰ کو سونپ کر۔

نفیس دھاگوں کی ایمبر ائیڈری کے گرین کلر کے فراک میں بالوں کو نفاست سے جوڑے میں قید کیے ریڈ کلر کی ادھ کھلی کلی جوڑے میں پیوست اور سلیقے سے کیے گئے میک اپ میں اور ہائی ہیلز اوپر سے لفٹ کو بھی اسی وقت بند ہونا تھا۔ عجلت میں سیڑھیاں اترتے بھی اسے دیر ہو گئی۔ سانس جیسے پھولنے لگی۔ علی رضا جا چکا تھا۔ اس نے فون کر کے پہلے ہی بروقت انہیں تیار ہونے کی تاکید کی تھی۔ اب چند پل کی تاخیر پر وہ اسے یوں چھوڑ کر چلے گئے، آنکھیں اپنی بے وقعتی پر چھلکنے کو بے تاب یعنی وہ اتنی ہی فالتو اور غیر اہم تھی۔ دل چاہا وہیں بیٹھ کر دہاڑیں مار کر روئے۔ یعنی وہ اتنی ارزاں تھی، صرف چند منٹ کی تاخیر پر اسے کم از کم علی رضا سے اس بے مروتی کی توقع نہ تھی، ہونٹ کاٹتی وہ کتنی دیر اپنی جگہ کھڑی دھندلائی سڑک کو دیکھنے لگی۔ اس سے قبل وہ پلٹتی، ایک مرسڈیز اس کے سامنے آن رکی۔

''ایکسکیوز می! میں آپ کو ڈراپ کر دوں میں بھی وہیں جا رہا تھا۔'' وہ بھیگی آنکھیں پھیلا کر اس اجنبی کو دیکھنے لگی جس کی آفر نے اسے حیرت میں مبتلا کر دیا۔ وہ تذبذب کا شکار کھڑی رہی۔

''آپ مجھ پر ٹرسٹ کر سکتی ہیں، میں نبیل کا دوست ہوں، میں نے نکاح کی تقریب میں بھی آپ کو دیکھا تھا۔''

نبیل بھائی کا دوست، یقیناً بینا کے سسرالی رشتے داروں میں سے ہوگا۔ اس کے فون میں بھی کچھ خرابی ہو گئی تھی ورنہ فون کر کے ہی کسی کو بتا دیتی، اب اس اجنبی پر اعتماد کرنے کے سوا چارہ بھی نہ تھا۔ ایک پل لگا فیصلہ کرنے میں اگلے ہی پل فرنٹ ڈور کھول کر وہ اس میں بیٹھ گئی۔ بھیگی پلکیں اور ریڈ ہوتی ناک، چیخ چیخ کر اس کی حالت کا اظہار کر رہے تھے اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ گاڑی اسٹارٹ کر کے سڑک پر ڈال دی۔

''شاید علی نہیں جانتے تھے میں بھی یہاں پر تھی۔'' ٹشو باکس سے ٹشو اٹھا کر آنکھوں سے نادیدہ آنسو صاف کرتے وہ صفائی دینے کی کوشش کر رہی تھی کے اس انداز پر اس کے لبوں پر دھیمی مسکان آن رکی۔

''ویٹ ون سیکنڈ آپ شاید مجھے رشتے دار سمجھ رہی ہوں نہ جان نہ پہچان، ایسے کیسے میں آپ کی گاڑی میں آ بیٹھی۔ تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ میں کوئی ایسی ویسی لڑکی ہوں۔'' اس کی مسکراہٹ اس سے چھپی نہ تھی جبھی تیزی سے پوزیشن کلیئر کرنے لگی۔

''آپ شکل سے شریف لگے تو اس لیے ورنہ میں ایسے یوں غیروں سے بات تک نہیں کرتی۔''

''یعنی اس معاملے میں خود کو خوش نصیب سمجھوں۔'' مسکراہٹ دباتے اب کی بار سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

''کمال کرتے ہیں آپ، آپ کا بھلا کسی سے کیا موازنہ، آپ تو ہمارے اپنے ہیں، نہیں ویسے کیا آپ واقعی نبیل بھائی کے دوست ہیں نا۔'' وہ نہ جانے کیا کنفرم کرنا چاہ رہی تھی۔

''شاہ میر آفندی نام ہے میرا، چاہو تو نبیل سے تصدیق کرا سکتی ہو۔''

''ارے نہیں، میں تو ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔ خیر اچھا ہوا آپ آ گئے ورنہ میں تو اس رات کے وقت، انجان جگہیں اور مجھے تو ویسے بھی انجان جگہوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔''

''اس بات کا اندازہ اسے بخوبی ہو چکا تھا۔''

اس کی بھیگیں پلکیں دیکھ کر گاڑی چلاتے اس کا دل چاہا ایک بار پھر ان آنکھوں میں جھانک کر دیکھ لے، نہ جانے کیوں دل میں ایکدم سے خواہش بیدار ہوئی وہ ان سحر انگیز آنکھوں کے سحر میں جھیل سی آنکھوں کی گہرائی میں کہیں کھو جانا چاہتا تھا۔ اچانک مگر شدت سے بیدار ہونے والی خواہش، اب وہ بیک ویو مرر کا رخ اپنی جانب کیے بالوں کو سیٹ کرنے لگی۔ حنائی ہاتھوں سے اٹھتی مہک اور پرفیوم کی خوشبو، اس کے وجود کا احساس، اس نے نظریں سڑک پر مرکوز کرنا چاہئیں، وہ کسی کمزور لمحے کی گرفت میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ اچھا ہوا نبیل اسے دروازے پر ہی مل گیا۔ بنا کچھ کہے وہ تیزی سے اندر جا چکی تھی۔ تقریب میں بھی اس کی نظریں اس پری وش کو تلاشتی رہیں اور وہ خود اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھا۔

☆......☆

"حد ہوتی ہے لاپروائی کی علی! تم اسے چھوڑ کر کیسے آگئے۔ بے چاری وہاں اکیلی ڈر گئی ہوگی کچھ اندازہ ہے۔" اگلے دن مما کے ہاں اس کی پیشی لگی تھی۔

"صغریٰ تو ہے ہی لاپروا پر تمہیں تو خیال رکھنا چاہیے تھا۔"

"اف مام! بس بھی کردیں، اب اتنی بھی بے چاری یا پھر کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہے وہ، جو راستہ بھٹک جاتی۔" مما کی اس کی حمایت میں بولنے پر اس کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی۔

"ویسے اچھا ہی ہوتا کہ اگر وہ راستہ بھٹک جاتی۔" علی کے لہجے میں اس کے لیے ناپسندیدگی ہی ناپسندیدگی تھی۔

"اور اگر اس کی جگہ عینا ہوتی تو؟"

"فار گاڈ سیک مام، کیا اب ہم اس گھر میں دو گھڑی سکون کے لیے بھی ترستے رہیں گے ہر وقت کھٹر پٹر، جب سے یہ ہماری زندگی میں آئی ہے سارا سکون ہی درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔"

"علی!" مام نے پکارا پر وہ ان سنی کرتا چیزوں کو ٹھوکر مارتا جا چکا تھا جب کہ سبین بیگم اپنا سر پکڑ کر رہ گئیں۔ انہیں علی کی ضد اور ہٹ دھرمی سے اب خوف سا محسوس ہونے لگا۔ کہیں یہ سب باتیں ملک وجاہت سن لیتے تو۔

☆......☆

خواب آنکھوں سے روٹھ چکے۔ آنکھوں میں فقط ایک ہی عکس جھلملا رہا تھا۔ وہ نم پلکیں، اڑی اڑی رنگت کالی آنکھیں جو سمندر سے بھی زیادہ گہری، ان جھیل سی آنکھوں میں [illegible] کر نہ ملنے کی تمنا اس دل نے بارہا کی تھی۔ وہ آنکھیں اس کا چین واطمینان تھیں۔ پینسل تیزی سے کاغذ [illegible] بند آنکھوں سے وہ ان بھیگی پلکوں کی فریاد کو کاغذ پر اتارنے لگا۔ کتنا رنج تھا کتنی بے بسی تھی ان میں، پہلی بار [illegible] کے نکاح والے دن دیکھا تھا جہاں پر وہ اپنی شرارتوں سے سب کی توجہ اپنی جانب مبذول کروا چکی [illegible] اندازہ نہ تھا کہ یوں ایک ملاقات میں وہ یوں اس کے حواسوں پر قابض ہو جائے گی کہ کچھ اور سوچنے کی [illegible] رہے گی۔ وہ آنکھیں اب اس کے بالکل پاس تھیں۔ کاغذ پر ہو بہو ہی اسکیچ اتار کر بھی وہ قربت کے ان احساسات سے جیسے نابلد تھا۔ وہ احساس جس نے اسے اپنے سحر میں جکڑ لیا تھا۔ ان بھیگی پلکوں کو چھونے کی جسارت کتنی بار بند آنکھوں کے تصور میں کی تھی پچھلے اکتیس برس سے جس احساس سے وہ ناآشنا تھا۔ ایکدم اس کا ادراک ہو چلا تھا صنف نازک کی اہمیت اس کے نزدیک فقط وقت گزاری سے زائد نہ تھی۔ اب اچانک یہ افتاد محبت کا ادراک وہ کتنی ہی دیر ہاتھ میں پکڑے اسکیچ کو دیکھتا رہا۔ کتنی شدت سے ان آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنے کی چاہ کی تھی پہلی بار کسی کا ساتھ مانگنے کے لیے دعا کے لیے اس کے لب وا ہوئے تھے۔

☆......☆

اور دعائیں یوں بھی قبول ہوتی ہیں اس نے بھلا کہاں سوچا ہوگا۔ اگلے بہت سے دن مصروفیات کی نذر ہو گئے آج بڑے دنوں بعد فرصت ملی تھی۔ آغاز سرما کی ہلکی نرم نرم دھوپ میں وہ باہر لان میں کھڑا اپنے پسندیدہ شغف میں دلجمعی سے مگن اپنے زندگی کے رنگوں کو کینوس پر اتارنے لگا۔

"مانا کہ تم ایک کامیاب بزنس مین ہونے کے ساتھ ایک عمدہ پینٹر بھی ہو پر کیا میں جان سکتی ہوں یہ شاہکار

تصویر کس کی ہے۔" انگلی کی مدد سے کینوس پر رنگ بکھیرتے شاہ میر کو اندازہ نہ ہو سکا کہ خالہ کب سے اس کے عقب میں کھڑی یہ منظر ملاحظہ کر رہی تھیں۔

"بھئی آج تو مان گئے تم تصوراتی پینٹنگ میں بھی کمال مہارت رکھتے ہو۔"

"یہ صرف ایک تصور نہیں خالہ، بلکہ یہ ایک خواب ہے حسین جیتا جاگتا خواب، جسے کھلی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔" پینٹنگ کو دیکھتے اس نے شرارت سے کہا۔

"اوہ گاڈ، یعنی فائنلی تم نے فیصلہ کر ہی لیا۔" خالہ کی خوشی قابل دید تھی، یعنی شاہ میر سنجیدگی سے کسی لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اب مزید تاخیر نہیں کرنی چاہیے تھی کیا پتا پھر موصوف کا ارادہ بدل جائے۔ انہوں نے فوراً نبیل کا نمبر ملایا۔ اگلے آدھے گھنٹے میں وہ ان کے روبرو تھا۔

"اوہو تو یہ معاملہ ہے تم تو بڑے چھپے رستم نکلے، خیر میں تو معاملہ اس دن تمہارے روم میں اسکیچ دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا۔ یعنی اب فائنلی آ گیا اونٹ پہاڑ کے نیچے، ویسے ہماری سالی صاحبہ ہیں بڑی توپ چیز، دیکھا تھا ناں [illegible] کیسے کنگال کر کے رکھ دیا تھا اس دن، اور زبان اف توبہ قینچی ہے قینچی، وہ بھی شارپ۔"

"نبیل [illegible] میں نے تمہیں یہاں اس لیے بلوایا تھا کہ......" نبیل کے ہاتھ پر چپت مارتے ان کی نظر کچن سے ہوتی شاہ میر [illegible] پڑی، جو اپنے ہی خیالوں میں مسکرائے جا رہا تھا، اس بات سے بے خبر اس کی جانب اشارہ کرتے ان دونوں کے چہروں پر معنی خیز مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

"یہ تو گیا کام سے۔"

☆......☆

"پتا ہے اندر تمہارے اور علی کے رشتے [illegible] ڈسکشن چل رہا ہے۔" عینا کی بات پر پیاز کاٹتے چھری کی تیز دھار اس کی انگلی میں کھب گئی اور خون کا فوارہ [illegible]

"حرکت قلب تیز سی ہو گئی۔"

"خیال سے دھیان کہاں ہے تمہارا۔" جلدی سے پانی کی [illegible] اس کے ہاتھ پر گرانے لگی۔

اندر ڈسکشن کا کیا نتیجہ نکلا اس سے بے خبر، اس کی پلکیں نت نئے خواب [illegible]

"کس کے خیالوں میں گم ہو۔" بینا آئی تھی اسے خبر بھی نہ ہوئی، بارش [illegible] باہر جاری تھی۔ عینا پکوڑوں کے ساتھ املی کی چٹنی بنا کر لے آئی، بینا کے سسرال کے قصے، نوک جھونک ہنسی مذاق اندر جاری تھی وہ چپکے سے باہر نکل آئی۔ علی بارش میں کھڑا بائیک کو اسٹارٹ کر رہا تھا جو اسٹارٹ کیے نہ دے رہی تھی، اوپر سے بات ماتھے پر تیوریاں چڑھ گئیں۔

"باہر کیا کرنے آئی ہو۔" بائیک کو کک مارتے غصے سے کہا گیا۔ بارش برابر دونوں کو بھگو رہی تھی۔

"علی پتا ہے اندر کیا چل رہا ہے، بڑے ابا چاہتے ہیں کہ میں اور تم......" آگے بڑھتے اس کے برابر آتے اس نے کہا تھا تو اس نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم اور میں، کیا مطلب، کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔ میں تمہارے مزاج کا بندہ نہیں، اچھا ہوگا تم بابا کو منع کردو۔"

"اور اگر میں منع نہ کروں تو۔" اس کے الفاظ اسے تپانے کے لیے کافی تھے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے تمہارے اس طرح کہہ دینے سے یا پھر کسی دباؤ میں آ کر میں تم سے شادی کر لوں گا تو یہ

تمہاری غلط فہمی ہے۔تم جیسی لڑکی سے شادی کرنے سے بہتر ہے آدمی زہر کھا کر مر جائے اور اگر تم دنیا کی آخری لڑکی بھی ہوتی تب بھی میں تم سے شادی نہیں کرتا اور شادی تو دور تمہارے ساتھ ایک پل بھی بتانا پسند نہ کروں۔ اینڈ یو ڈونٹ وری، بابا کو تو میں خود منع کر دوں گا کیونکہ جو چیزیں مجھے اریٹیٹ کرتی ہیں، انہیں میں اپنی زندگی سے نکال پھینکنا اچھے سے جانتا ہوں۔'' کتنی سفا کی سے وہ اسے انکار کر گیا۔وہ جو کسی خوش آئند فقرے کی منتظر، کتنی آسانی سے اس کے الفاظ نے اسے عرش سے فرش پر پٹخ دیا تھا، اسے اس کی اوقات یاد دلائی بائیک اسٹارٹ کر کے وہ جا چکا تھا۔وہ بھیگی پلکوں سمیت کتنی دیر بارش میں کھڑی بھیگتی رہی، کچھ نہیں بچا تھا سب ختم ہو کر رہ گیا۔وہ جو اس کا نہ تھا اسے دھتکار کر چلا گیا۔اپنی محبت کو پانے سے قبل ہی اس نے کھو دیا تھا۔شام کو بخار سے پھنکتی رہی۔

''اچھی بھلی چنگی تھی صبح تک یہ اچانک بخار نے آلیا میری بچی کو۔'' تائی کی فکریں، وہ بے آواز روتی رہی انکار کی توقع تو تھی پر اس کے نکار پر وہ یوں دل برداشتہ ہوگی سوچا نہ تھا۔یہ بات تو وہ جانتی تھی کہ وہ اسے ناپسند کرتا ہے پر اتنی نفرت، آنکھیں احساس زیاں سے بھیگنے لگیں۔شام کو تایا ابا کی گرجدار آواز صاف اس کے کانوں میں پڑنے لگی۔

''اتنی گئی گزری نہیں [illegible] بچی جو یوں دھتکار دو۔تمہارا انتخاب تو اس لیے کیا تھا کہ میری بچی آنکھوں کے سامنے رہے ورنہ لڑکوں کی [illegible] اور واقعی ایسا ہی ہوا۔بینا کے سسرال کے توسط سے آئے ایک رشتے پر سب نے بخوشی رضامندی دے دی [illegible] لڑکا نبیل بھائی کا دوست تھا، تایا ابا کے کہنے پر اس نے بھی خاموشی سے رضامندی دے دی اور سر جھکا لیا۔علی رضا [illegible] کے بعد اسے گہری چپ نے آلیا۔کسی چیز میں حصہ نہ لیتی تائی اس کی خاموشی کو شرم سے تعبیر کرتیں۔بینا [illegible] کے چکر میں گھن چکر بن کر رہ گئی۔ایسے ہی گزرتے شب و روز کے ساتھ اس کی شادی کا دن آ پہنچا۔ریڈ اور [illegible] امتزاج کے بھاری لباس و جیولری میں اس کا حسن مزید دو آتشہ ہو گیا۔قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی [illegible] کیا وہ بھی اتنی خوب صورت لگ سکتی ہے اگر ہاں تو یہ خوب صورتی اسے کیوں نظر نہ آئی۔دل میں دبی [illegible] قیامت کا درجہ پا گئی۔دروازے کی دستک پر پیچھے مڑ کر اس نے دیکھا۔سیاہ رنگ کے شلوار قمیض میں علی رضا [illegible] کے سامنے تھا۔بنا پلکیں جھپکائے وہ اسے یوں تکنے لگی جیسے پہلی بار دیکھا ہو، اتنے دنوں بعد آج وہ [illegible] دل چاہا اس کا گریبان پکڑ کر سارے حساب کتاب بے باق کر دے کہ اس سفاک شخص کے نزدیک [illegible] کی بس یہی وقعت تھی اور اب سارے تعلق توڑ دینے کے بعد وہ یہاں کیا دیکھنے آیا تھا، اس کی بے بسی کا تماشا، پر نہیں، کم از کم آج تو اسے قطعی کمزور نہیں پڑنا تھا اس شخص کے سامنے نظروں کا زاویہ بدل کر اب وہ کانوں میں جھمکے پہننے لگی۔جب کہ دوسری جانب علی رضا کی نظریں اس پر ٹھہری سی گئیں۔یعنی ہمیشہ ساتھ رہنے والی عیشا کو پہلی بار اتنا تیار اور وہ بھی خطرناک حد تک خوب صورت لگتی، یا پھر شاید پہلی بار وہ اسے اس نظریئے سے دیکھنے لگا۔وہ آیا تھا شاید کسی کام سے وہ پر اسے دیکھ جیسے سب بھول بھال گیا۔اس کی نظروں کے زاویے بدل کر اسے نظر انداز کرنے پر وہ جیسے ہوش میں آیا تھا۔اس انداز بے نیازی پر اس کے لبوں پر جاندار سی مسکان بکھر گئی یعنی لاکھ خود کو بے نیاز ظاہر کرے، پر اب بھی وہ دل و جان سے اسی پر فریفتہ تھی، آگے چلتے وہ اس کے سامنے آیا تھا۔

''پتا ہے تمہارے ہونے والے شوہر بہت امیر ہیں، بھئی تمہارے تو پھر عیش ہو گئے، کہیں اگلی بار ہمیں پہچاننے سے انکار نہ کر دینا۔'' عیشا سر جھٹک کر دوپٹہ سیٹ کرنے لگی۔اس شخص کے طنز و طعنوں کا واقعی اس کے

پاس کوئی جواب نہ تھا۔رخ موڑے خود کو مصروف ظاہر کرتی رہی۔

☆......☆

تازہ پھولوں سے سجے کمرے میں آ کر جیسے اس کا دم گھٹنے لگا۔بے دردی سے سارے پھول ادھر ادھر بکھیر کر چینج کر کے وہ سیدھی بیڈ پر آ کر سو گئی۔صبح آنکھیں عجیب سے احساس پر کھلیں۔شاہ میر نے جھکے جھکے اس کے گال پر پھیلی لٹ کو نرمی سے انگلی سے ہٹایا۔وہ فوراً سیدھی ہو بیٹھی۔

''گڈ مارننگ، ویسے کل بہت خوب صورت لگ رہی تھیں آپ پر تعریف کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔'' اس کا اشارہ جلدی سونے کی جانب تھا۔پر انداز میں کسی خفگی کا شائبہ تک نہ تھا۔فریش ہو کر اس نے کریم کلر کا امدار نیٹ کا فراک پہنا، گیلے بال کمر پر پھیلے تھے۔وہ آئینے کے سامنے برش کرنے لگی۔شاہ میر کی موجودگی سے اسے کوفت سی ہونے لگی جو سامنے صوفے پر بیٹھا کسی سے بات کرنے میں مصروف تھا۔جب کہ نظریں اسے ہی حصار میں لیے ہوئے تھیں۔فون رکھ کر وارڈ روب سے کوئی چیز نکال کر اس کے برابر آیا۔

''یہ تمہاری رونمائی کا تحفہ۔'' باکس کھول کر اس کے سامنے ٹیبل پر رکھتے وہ مڑا۔

''اور ہاں [illegible] ناشتے پر نیچے تمہارا ویٹ کر رہا ہوں جلدی آنا۔'' کہہ کر وہ جا چکا تھا۔عیشا نے کب سے اٹکی سانس بحال کی [illegible] نے باکس کھول کر دیکھا۔خوب صورت زمرد جڑا سیٹ، بے دلی سے باکس بند کر کے وہ باہر چلی آئی۔عجیب [illegible] کیفیت ہو رہی تھی۔کسی بھی چیز میں دل نہ لگ رہا تھا۔علی کی ضد میں آ کر اتنا بڑا فیصلہ تو اس نے کر لیا۔پر چاہ کر [illegible] اس رشتے کو نبھانے کی ہمت خود میں پیدا نہ کر پائی۔اسے شاہ میر کی موجودگی اس کے وجود سے الجھن سی ہونے لگی تھی [illegible] پوری عمر ایک ایسے شخص کے ساتھ بتا دیتی جس کے ساتھ ایک پل بتانا بھی دشوار تھا اور علی رضا سالوں [illegible] سینچ سینچ کر رکھے جذبات کو کتنی آسانی سے دھتکار رہا تھا۔اس کی محبت کی تذلیل ہی تو تھی یہ۔پر یہ محبت اپنی [illegible] دستبردار ہونا اتنا آسان بھلا کہاں ہوتا ہے۔علی رضا کو لے کر کوئی خوش آئند بات یا حوالہ تو نہ تھا۔پر یہ [illegible] کسی اور کو سوچنے یا تصور بھی کرنے پر آمادہ نہ تھا۔آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر بہنے لگے۔وہ دونوں ہتھیلیوں میں چہرہ چھپا کر رو دی کب سے روکے آنسوؤں کو اس نے بہہ جانے دیا۔

شاہ میر جو اپنا فون لینے آیا۔اسے روتا دیکھ کر خاموشی سے پلٹ گیا [illegible] کی میز پر بھی وہ گم صم سی پلیٹ میں چمچ گھماتی رہی۔شاہ میر جو کب سے اس کی حرکت کو نوٹ کر رہا تھا کہے بنا نہ رہ سکا۔

''اگر ناشتا نہیں کرنا تھا تو نیچے آئی کیوں۔'' بظاہر اس نے نارمل بات کہی تھی۔پر شاید [illegible] سے ناگوار گزری تبھی چمچ پلیٹ میں پٹخ کر اوپر چلی آئی۔خالہ جو خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔شاہ میر کے متوجہ ہونے پر خود کو مصروف ظاہر کرتے تھرماس سے چائے نکالنے لگیں۔شاہ میر ان سے ایکسکیوز کرتا اس کے سر پر آ پہنچا۔

''کیا ہے یہ سب، ایسا کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو۔خالہ دو دن کی مہمان ہیں۔تمہارے اس رویے سے کیا اخذ کریں گی۔'' کندھوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب کرتا۔اس کی نظر اس کی بھیگی پلکوں پر پڑی تو وہ دھیما سا پڑ گیا۔

''تم رو رہی ہو، دیکھو میں سمجھ سکتا ہوں، اس طرح ایکدم ماحول بدلنے سے تم کیسا محسوس کر رہی ہو گی، پر تم سوچو۔''

''پلیز شاہ میر۔'' اس کی بات مکمل ہونے سے قبل وہ اس کا ہاتھ ہٹاتے مڑنے لگی۔جبھی شاہ میر نے ہاتھ

Ridadigest.com

بڑھا کر اس کی کلائی تھام لی۔ ایک اور جھٹکا خون برقی رفتار سے جسم میں گردش کرنے لگا۔ بدن پر چونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

''اپنے گھر والوں کو مس کر رہی ہو۔'' اس کا رخ اپنی جانب موڑتے اس کا لہجہ مدھم تھا۔

''یا پھر کہیں نئے گھر نئے ماحول سے تو نہیں ڈر رہی۔'' اپنی ہی بات سے حظ اٹھاتے نرمی سے اس کے بالوں کو پیچھے کرتے اس پر جھکا۔ شاہ میر کا لب ولہجہ اسے اس پل کسی اور کی یاد دلا گیا۔ سختی سے آنکھیں بند کر کے پوری قوت سے اسے پرے دھکیلا۔ اس اچانک افتاد پر وہ بوکھلا سا گیا۔ تبھی وہ غصے سے بولی۔

''اپنی حد میں رہیں مسٹر شاہ میر! خبردار جو مجھے ایک بے بس کمزور لڑکی سمجھنے کی غلطی بھی کی تو۔''

بے حد تنفر سے کہا گیا۔ اس کا انداز شاہ میر کو اس پل بہت کچھ باور کرا گیا۔

''حد تم ہی بتا دو کیا ہے حد میری۔'' شاہ میر کو بھی اس کی بات پر تاؤ ہی آ گیا۔ کب سے وہ جو اس کی گریز اور جھجک سمجھ رہا تھا وہ اس کی ناپسندیدگی یا پھر نفرت بھی ہو سکتی ہے۔ یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ جب کہ دوسری جانب اس کے سوال پر اسے سمجھ نہ آیا کہ کہے تو کیا۔ علی رضا نے آج اسے کس مقام پر لا کھڑا کیا تھا۔ اس کی محبت اس کے لیے بڑا امتحان ثابت ہو گی۔ اسے بالکل اندازہ نہ تھا نہ وہ آگے قدم بڑھا سکتی تھی نہ پیچھے پلٹنے کی اب کوئی راہ تھی۔ گال پر پھسلتے آنسو کو صاف کرتے وہ لب کچلتی رہ گئی۔ تبھی شاہ میر قدم آگے بڑھاتا بالکل اس کے سامنے آن رکا۔ اس کی سانس گویا حلق میں اٹک کر رہ گئی نم پلکیں ہنوز جھکی ہی رہیں ہاتھوں کی کپکپی اور اضطراب اس سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

''کیا یہ رشتہ تمہاری مرضی کے خلاف ہوا ہے کیا تم اس رشتے سے خوش نہیں۔'' گھنی پلکوں کی جھالر پر نظریں ٹکائے سنجیدگی سے پوچھا گیا۔ اسے واپس پلٹنے کی تمام راہیں مسدود نظر آ رہی تھیں۔

''علی رضا......'' لبوں نے ہولے سے جنبش کی تھی اور اپنے اندیشے کے درست ثابت ہونے پر وہ ایکدم سرد سانس کھینچ کر رہ گیا۔ دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھامے وہ بیڈ پر آ بیٹھا تھا۔ عیشا تب تک اپنی کیفیت پر قابو پا چکی تھی اس بات سے بے خبر اس کے ایک انکشاف نے کیا طوفان برپا کر دیا تھا۔ اس کے دماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے۔

''تمہیں اپنے گھر والوں کو منع کر دینا چاہیے تھا۔'' کافی دیر سوچ بچار کرنے کے بعد اس کے لبوں سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔ وہ جو سوچ رہی تھی کہ حقیقت جان کر نہ جانے وہ کیا ری ایکٹ کرے گا۔ اس کی بات پر چونک سی گئی۔

''تایا ابا کے مجھ پر بہت احسان تھے میں ان کی بات نہ ٹال سکی۔'' علی رضا والا معاملہ وہ گول کر گئی۔ تو وہ اس کے چہرے پر نہ جانے کیا کھوجنے لگا۔

''خیر جب تم فیصلہ کر ہی چکی ہو، تایا ابا کی بات ماننے کا تو اب آگے بڑھنے میں......''

''ایک منٹ۔'' اس کی بات تیزی سے کاٹ کر بولی۔

''بھلے میں نے تایا ابا کے احسانات کے زیر بار اتنا بڑا فیصلہ کر لیا، پر حقیقت یہ ہے کہ میں اب بھی علی رضا سے محبت کرتی ہوں اور اس کے سوا کسی اور کا تصور ہی نہیں کر سکتی۔''

شاہ میر کی برداشت جواب دینے لگی۔ مٹھیاں بھینچ کر سپاٹ چہرہ لیے وہ اپنی جگہ بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ غم و غصے کے سبب دماغ کی نسیں پھٹنے کے قریب ہو گئیں اتنا بڑا دھوکا، اتنی بے شرمی، یعنی وہ اپنے شوہر کے سامنے

اپنے پرانے معاشقے کے تذکرے یوں دیدہ دلیری سے کر رہی تھی بنا کچھ کہے وہ کمرے سے نکل آیا۔ رات کو ٹیرس پر سگریٹ پر سگریٹ پیتے اس کے اندر کی جلن کم ہونے کا نام نہ لے رہی تھی۔ عیشا کو چھوڑنے کی ہمت اس میں نہ تھی جو بھی ہو مگر وہ اس کی بیوی تھی۔ پہلی محبت پر وہ چاہ کر بھی اس کے دل و دماغ سے اس شخص کی یادوں کو کھرچ کر مٹا نہیں سکتا تھا، اس کا وجود سناٹوں کی زد میں گرنے لگا۔ اس نے انگلیوں میں دبی سگریٹ کو دیکھا اس سیاہ دھوئیں کی طرح وہ اپنی ذات کو بھی دھوئیں میں اڑا دینا چاہتا تھا۔

☆......☆

شاہ میر سے ساری روداد سن کر نبیل اپنا سر تھام کر رہ گیا۔ اسے شاہ میر آفندی سے ایسی کم ہمتی اور بزدلی کی قطعی توقع نہ تھی۔

''یعنی اب تم عیشا کو چھوڑ دو گے۔ جس سے محبت کے دعوے دار تھے اس کا ساتھ بیچ سفر میں اس طرح چھوڑ دو گے۔''

''تو اور کیا کروں اتنا بے غیرت نہیں ہوں جو سچ جاننے کے باوجود حقیقت سے آنکھیں پھیر لوں۔'' وہ تو جیسے پھٹ پڑا۔

''میں اسے آزاد کر دوں گا تا کہ وہ اپنی من پسند زندگی اور ہمسفر چن سکے۔'' اس نے اٹل لہجے میں کہا اس وقت وہ دونوں اس کے آفس میں موجود تھے۔ نبیل اس کے بچپن کا ساتھی، نبیل سے اس کی کوئی بات ڈھکی چھپی نہ تھی۔ اب تو چونکہ بات ہی ایسی تھی۔ وہ نبیل کے سامنے صورت حال لے کر بیٹھ گیا۔

''یہ فیصلہ گو کہ مشکل ضرور ہے پر اس کی خوشی کے لیے۔''

''ایک منٹ شاہ میر آفندی۔'' وہ میری بات سنو اس کی بات کاٹ کر بولا۔

''تم تو اس سے محبت کے دعوے دار تھے پر تم اس کی بات جان نہ سکے کہ وہ مجبور تھی۔ بے بس تھی جبھی اسے یہ Step لینا پڑا، اس کے پاس کوئی آپشن نہ تھا سوائے اس کے۔ اگر من پسند زندگی اور ہمراہی کا آپشن ہوتا تو وہ تمہارا انتخاب ہی کیوں کرتی، یا پھر کیوں اس رشتے کے لیے ہامی بھرتی۔'' نبیل کی بات کا واقعی اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

''جب اتنی بڑی ذمے داری لینے کی ہمت کی ہے تو اسے نبھاؤ بھی، ساتھ دینے کا وعدہ یوں بیچ میں کیسے توڑ سکتے ہو۔ وہ تو کم عقل ہے نادان ہے مگر تم تو نہ سمجھ نہیں۔ تمہارا ایک غلط فیصلہ اس کے لیے کتنے مسائل کھڑے کر سکتا ہے کچھ اندازہ ہے؟'' نبیل کی باتیں اس کے لیے سوچوں کے کئی در وا کر گئیں۔

''پر وہ میرے ساتھ کیونکر کرے گی جب کہ وہ تو کسی اور سے......''

''میں تمہاری کیفیت سمجھ سکتا ہوں شاہ میر! پر یہ جو لڑکیاں ہوتی ہیں نا، نازک جذبات، احساسات کی حامل انہیں جس سانچے میں ڈھالو، ڈھل جاتی ہیں اور پھر یہ کوئی اتنی بڑی بات تو ہے نہیں، کیونکہ انسان اپنے لیے بہت سے خواب دیکھتا، آئیڈیلز تراشتا ہے اور لڑکیاں وہ تو کم عمری سے ہی پلکوں پر خواب سجانے لگتی ہیں تو کیا ان خوابوں کی تم اسے اتنی بڑی سزا دو گے۔ اس کی ایک غلطی کے لیے تمام عمر کی خوشیوں سے دستبردار کرو گے، صرف اپنی انا کی خاطر سفاکی کی ہر حد سے گزر جاؤ گے۔'' اس کی باتوں پر شاہ میر کے تنے عضلات ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

''میں سمجھ سکتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو پر خود ہی سوچو تمہاری محبت تم سے صرف ایک قدم کے فاصلے پر ہے

اور کہیں تم اپنی کسی جلد بازی میں کیے گئے فیصلے سے اسے ہمیشہ کے لیے کھو نہ دو۔ وہ لڑکی آج نہیں تو کل تمہاری محبت کے رنگ میں رنگ جائے گی۔ اپنی محبت پر اعتبار کرنا سیکھو اور اپنی انا کے ساتھ جنگ ختم کر دو باطن کا راستہ اپنے آپ نظر آجائے گا۔“

باتیں تو نبیل کی ٹھیک تھیں۔ وہ اس کی ہمسفر تھی۔ پہلی محبت جسے اب اپنی محبت باور کرانی تھی۔ اپنا احساس دلانا تھا۔ نبیل کے آفس سے واپسی پر اس نے فلاور شاپ سے ٹیولپ بکے بھی لے لیا۔ اسے پہلی ملاقات شدت سے یاد آگئی۔ ان کی شادی کو پانچ دن ہوگئے تھے اس کے اجنبی لیے دیئے رویے سے اس کے دل میں موجود احساسات جیسے دم توڑنے لگے تھے۔ انہیں بھی تو زندہ کرنا تھا اس کے دل میں محبت کا بیج بو کر، خالہ بھی کل شام کی فلائٹ سے واپس چلی گئی تھیں۔ سرونٹ اس وقت اپنے کوارٹر میں تھے گھر پر ملگجے اندھیرے کا راج تھا۔ واش روم سے پانی گرنے کی آوازیں مسلسل آرہی تھیں۔ بکے ٹیبل پر رکھ کر اب وہ صوفے پر بیٹھا لسیز کھولنے لگا۔ جبھی دروازہ کھلا۔ یلو کلر کے پرنٹڈ کاٹن شرٹ اور وائٹ ٹائٹ میں لمبے بال گردن پر جوڑے کی شکل میں بندھے اسے یوں سامنے دیکھ کر وہ چونکی۔ جب سے دونوں کے مابین علی رضا والی بات ہوئی تھی ان کے مابین بول چال تقریباً [illegible] وہ یقیناً کسی حتمی فیصلے کی منتظر تھی جبھی اس کے سکون میں ذرا برابر فرق نہ آیا تھا۔ جب کہ دوسری جانب شاہ میر [illegible] پر تھا اس بات سے بھی بخوبی آگاہ تھی پر اب سائیڈ ٹیبل پر رکھا بکے، وہ جیسے الجھ سی گئی کہیں اس کا ارادہ بدل تو نہیں گیا۔ بیڈ کو درست کرتی عجب سی الجھن اسے گھیرنے لگی۔

”ایک گلاس پانی مل سکتا ہے۔“ لیپ ٹاپ اسٹارٹ کرتے مصروف انداز میں کہا گیا اس کا یوں بے فکر انداز، اس کے لیے زیادہ خوش آئند نہ تھا پھر نہ چاہتے گلاس بھر کے لے آئی اب واقعی اس سے غلطی ہوئی تھی یا جان بوجھ کر اس نے گلاس کی بجائے [illegible] تھام لی۔ وہ کرنٹ کھا کر پلٹی۔

”دو منٹ بیٹھ جاؤ امپورٹنٹ بات کرنی ہے۔“ [illegible] صوفے کے کونے پر ٹک گئی۔ لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھ کر وہ اٹھ کر الماری سے مخملی کیس اٹھا لایا۔

”یہ مام کے کنگن ہیں جو انہوں نے اپنی بہو کے لیے رکھے تھے [illegible] وہ یہ کنگن خود تمہیں پہنا تیں اپنی وے خالہ نے تمہیں دینے کو دیئے تھے۔“ کنگن اس کی جانب بڑھانے کی بجائے باکس کھول کر وہ اسے خود پہنانے لگا۔ کتنا نارمل انداز تھا اس کا، بے فکری لیے۔ اس کی بے فکری زیادہ [illegible] وہ جو علی رضا والا معاملہ جاننے کے بعد اس سے کھنچا کھنچا سا رہنے لگا تھا اب یہ اچانک رونما ہونے والی تبدیلی [illegible] سے یہ بات ہضم نہ ہوئی۔ وہ اپنے خاندانی کنگن اسے پہنا رہا تھا۔ کہیں اس شخص کی نیت تو نہیں بدل گئی خوف سے اس کا حلق تک سوکھنے لگا مگر یہ کیا وہ اس کی کلائی چھوڑ کے دوبارہ لیپ ٹاپ کی جانب متوجہ تھا۔

”اوکے اب آرام کرو، کیونکہ کل ہمیں گاؤں بھی جانا ہے۔“ اس کا کب سے اٹکا سانس بحال ہوا۔ اب اس شخص کے متعلق سوچنا غیر اہم تھا۔

☆......☆

اگلی صبح روشن چمکیلی تھی۔ ناشتے کے بعد وہ پیکنگ کرنے لگی۔ بیڈ پر رکھا بیگ دیکھ کر شاہ میر ٹھٹک گیا۔

”ہم شام کو واپس لوٹیں گے تو یہ پیکنگ کس لیے۔“ نہ چاہتے اسے ٹوکنا پڑا۔ پر جواب دیئے بنا وہ تیاریوں میں مگن رہی۔ ڈارک بلیو کامدار شرٹ ٹیولپ پینٹ اور گہرا میک اپ میں اس کا حسن مزید دو آتشہ ہوگیا۔ آئینے کے سامنے کھڑے وہ کانوں میں جھمکے پہننے لگی۔ آئینہ اس کے حسن کو سراہنے لگا۔ سفر خاموشی سے کٹ گیا۔

دونوں کے مابین کوئی غیر ضروری بات نہ ہوئی۔ تائی اور عینا تو اسے دیکھ کر کھل اٹھیں تائی کو دیکھ کر اس کی آنکھیں بھی بھیگنے لگیں۔ ان سب سے دور رہنے کے متعلق اس نے کب سوچا تھا بھلا۔ خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔

”تائی! یہ علی کہیں نظر نہیں آیا۔“ اسے کمی محسوس ہوئی۔ شاہ میر کا چہرہ سپاٹ ہوگیا۔ علی نے اسلام آباد والی کمپنی سے ریزائن دے دیا تھا۔ اب وہ وہیں تایا کے ساتھ زمینوں پر ہی ہوتا۔

”علی تو صبح سے کسی دوست کی طرف نکلا ہے۔ اس کے آنے جانے کا کوئی وقت مقرر تھوڑی ہے نا۔“ تائی نے ہنس کر کہا۔

”شام تک شاید واپس آجائے۔“ پر اس کی واپسی شام سے قبل ہوگئی۔ جب سب لوگ لاؤنج میں بیٹھے چائے پیتے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

”السلام علیکم ایوری ون۔“ وہ تھکا ہوا تھا، اس کا ارادہ سیدھا روم میں جانے کا تھا۔ پر عیشا اور شاہ میر کو دیکھ کرنا چار آنا پڑا۔

شاہ میر کے چہرے کے عضلات تن سے گئے۔ علی رضا وقتاً فوقتاً نظریں اس پر ڈال لیتا۔ عیشا کے انگ انگ سے [illegible] رہی تھی۔ ہنس ہنس کر عینا سے بات کرتی یہ عیشا قطعی وہ والی نہ تھی جو پانچ دنوں سے اس کے گھر میں اس کی [illegible] حیات کی حیثیت سے رہ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا، تایا ابا ہی نے انہیں رات کو ڈنر پر روک لیا۔ کھانے کے بعد وہ عینا اور صغریٰ کے ہمراہ کچن سمیٹنے میں لگ گئی۔ تائی کے منع کرنے کے باوجود برتن دھو کر ریک میں سجانے لگی۔ صغریٰ کشمیری چائے بنا کر لے آئی۔ وہ تھکن کا بہانہ بنا کر روم میں چلا آیا۔ عیشا کا کمرہ نفاست سے سجا بیڈ روم، اس کے [illegible] کی عکاسی کرتے شاعری اور رومانوی ناولز، دیوار پر چسپاں ہالی ووڈ ایکٹرز کے پوسٹر اور فلموں کے ڈی وی ڈیز [illegible] رہی اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکان آن رکی۔ ایک بار عینا نے ہی بتایا تھا کہ وہ کرکٹ اور فلموں کی دیوانی ہے۔ وہ باہر نکلا تو سب باہر کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے۔

”کرکٹ کھیلیں گے شاہ میر بھائی۔“ عینا نے [illegible] دے ڈالی۔ بنا عیشا کے تاثرات جانچے، اسے بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ وہ عینا کی ٹیم میں تھا جب کہ [illegible] عیشا کی ٹیم میں تھی۔ چھکوں پر چھکے، ان کی ٹیم جیت گئی۔ عیشا کا منہ اتر گیا وہ پہلی ہی بال پر آؤٹ جو ہوگئی تھی۔

”بیٹنگ کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔“ وہ اس کے پاس سے گزرتے [illegible] سرگوشی کر گیا۔ وہ مزید سلگ گئی۔

”تم چاہو تو ایک اور چانس مل سکتا ہے۔“ اس نے آفر کی۔

”شاہ میر بھائی! اسے کہاں سے آئے گی بیٹنگ اسے تو ڈھنگ سے بیٹ پکڑنا تک نہیں آتا۔“ وہ عینا کو گھورنے لگی۔

کیا ضرورت تھی اس کا بھانڈا پھوڑنے کی۔

”اوہ رئیلی۔“ استہزائیہ انداز۔ علی رضا چھت پر کھڑا یہ منظر دیکھنے لگا۔ اس کی نظر اس پر پہلے ہی پڑ چکی تھی۔ دماغ نے فوراً منصوبہ ترتیب دیا۔

”آؤ میں سکھا دوں۔“ کہتا وہ اس کی جانب بڑھا۔

”میں ابھی بال لائی۔“ عینا بچوں کی طرح خوش ہوتی بال لانے بھاگی۔ وہ جو بیٹ تھامے کھڑی تھی۔ وہ

اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا تو کچھ نہ کہہ سکی۔ اب وہ شاہ میر کے اتنے قریب تھی کہ شاہ میر کے سینے سے اس کی پشت لگی، اس کے دائیں ہاتھ پر اس کا دایاں ہاتھ جب کہ بائیں ہاتھ پر اس کا خون منجمد سا ہوگیا۔ ایک بت کی مانند اس کی تاکید پر عمل کرنے لگی۔ اوپر کھڑے علی کے خون میں جیسے ابال آنے لگا۔ ڈھیلی چٹیا ایک جانب رکھے، دلکش رنگت، گھنی پلکوں اور معصوم سی عیشا اب کسی اور کی ملکیت تھی۔ اس کی دیوانگی اور پاگل پن سے وہ واقف تھا اب اسے یکسر نظر انداز کیے وہ اپنی زندگی میں مگن تھی۔ یہی وہ بات تھی جو اسے کھٹک رہی تھی۔ جن آنکھوں میں اس کے لیے پسندیدگی ہوا کرتی وہاں اب کوئی اور آن بسا تھا، وہ اب کسی اور کی ہو چکی تھی یہی بات اسے قطعی منظور نہ تھی۔

☆......☆

واپسی کا سفر ایک بار پھر خاموشی کی نذر ہوگیا۔ تمام راستے ان کے مابین کوئی گفتگو نہ ہوئی پر گھر آکر جیسے اس کی برداشت جواب دے گئی۔

"سمجھتے کیا ہو تم خود کو، تمہیں کیا لگا سب کے سامنے جو تمہارا دل چاہے گا وہی کرو گے، مال غنیمت سمجھ رکھا ہے کیا؟" بنا سوچے سمجھے بولنا تو اس کی پرانی عادت تھی۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھتے اس کے بالکل سامنے آن رکا، پر وہ اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہلی۔ غصے سے ناک الگ لال ہونے لگی۔ وہ دلچسپی سے اس کے ہر نقش کو حفظ کرنے لگا۔

"مال غنیمت نہیں مال محبت۔" اس نے تصحیح کی۔

"ہونہہ۔" وہ رخ پھیر گئی۔

"جانتی ہو محبت کیا ہوتی ہے۔ یہ وہ احساس ہے جو کائنات کی ہر شے ہر جذبے پر حاوی ہو جاتی ہے۔ انسان اپنے اختیار میں نہیں رہتا، محبت تمام اختیارات اپنے نام کر لیتی ہے، صرف ایک آنسو نم پلکوں کی فریاد آپ کا تمام سکون و قرار لے لیتی ہے یہ محبت بھی نا......"

"اوہ پلیز، کم از کم تم جیسے شخص کے منہ سے ایسی باتیں بالکل اچھی نہیں لگتیں جو خود ہی نہ جانتا ہو کہ محبت کیا چیز ہے آپ جیسے انسان کے نزدیک یہ محبت وحبت کوئی معنی نہیں رکھتے۔" شاہ میر کے ماتھے پر بل پڑنے لگے۔ اسے پروا کب تھی وہ اپنی ہی رو میں بولتی گئی۔

"جو شخص صبح کسی سے محبت کے وعدے قسمیں کھا کر رات کسی اور کے پہلو میں بتائے اس کے نزدیک آخر محبت کیا ہوگی۔ میں تم جیسے لوگوں سے بخوبی واقف ہوں، جن کے نزدیک محبت صرف چند پلوں کی عیاشی کا نام ہے بس اور کچھ نہیں۔"

"خاموش......! ایک لفظ بھی اور نہیں۔" اس کے دھاڑ کر کہنے پر وہ سہم کر چپ ہوگئی۔ وہ آنکھوں میں انگارے لیے اسے دیکھنے لگا۔ اس نے شاہ میر آفندی کے کردار پر کیچڑ اچھالا تھا یہ تو ہونا ہی تھا۔

"تم سمجھتی کیا ہو خود کو دنیا کی آخری نیک پارسہ بس تم ہی ہو۔" اس کا بازو اپنی گرفت میں جکڑے وہ چبا چبا کر کہنے لگا۔ عیشا کی آنکھیں نمکین پانیوں سے لبریز ہوگئیں اس نے غلط موقع پر اس کی غیرت کو للکارا تھا۔

"یہ تو میری شرافت و محبت ہے جو ابھی تک تم میرے سامنے صحیح و سلامت کھڑی ہو ورنہ میرے کردار پر ایک حرف بھی کہنے والے کا میں وہ حشر کر دوں کہ......! تمہیں میری محبت ڈھونگ لگتی ہے، تمہیں لگتا ہے تمہیں حاصل کرنے کے لیے میں ڈراما کر رہا ہوں۔" اس کا ہاتھ پکڑے وہ سیڑھیاں اترنے لگا۔ وہ اس کے پیچھے جیسے گھسٹتے

گئی۔ اس کا بازو سختی سے جکڑے وہ بیک ڈور کھول کر اب انیکسی کی جانب چلا آیا۔ دروازے کو دھکا دے کر کھولتے وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کمرے کے بیچوں بیچ لا کر کھڑا کر دیا تو وہ پھٹی آنکھوں سے کمرے کو دیکھتی رہ گئی۔ کمرے کی دیواریں اس کی طرح طرح کی پینٹنگز سے آراستہ تھیں، چھوٹے بڑے مکمل و نامکمل اسکیچز بھیگی پلکیں تو کبھی مسکراتے لب اور لبوں کے پاس بھورا تل، مسکراتے لبوں کے ساتھ بلاشبہ وہی تھی بینا کے پاؤں مہندی کی تصویریں، گرین کلر کے لباس میں جوڑے پر روز لگائے، کس قدر خوب صورتی سے اس کے عکس کو کینوس پر اتارا گیا تھا اور وہی بے خبر تھی کیا تھا یہ شخص، اسے تو خود بھی یاد نہیں کہ بینا کی شادی پر اس نے کون سے کلر کا لباس زیب تن کیا تھا اور یہ کیا اس نے بالوں میں لگے گلاب کی ادھ کھلی کلی تک نوٹ کر لی۔ اس کی زبان تو جیسے گنگ ہو کر رہ گئی۔

"محبت اور عیاشی میں تمہارے نزدیک شاید کوئی فرق نہ ہو پر حقیقت یہی ہے کہ تم میری محبت ہو اور میری محبت اتنی گئی گزری نہیں کہ صرف ایک انسان کو پا کر خوش ہو جاؤں تم میری محبت ہو میری عزت، ورنہ تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم جیسی لڑکی کو حاصل کرنا شاہ میر آفندی کے لیے کچھ مشکل ہوگا۔ جب کہ ہم دونوں کے مابین ایک مضبوط حوالہ بھی موجود ہو۔ پر میرے لیے تمہاری رضا و خوشی اہم ہے اور میں جانتا ہوں تم صرف میری ہو۔" استحقاق سے کہے گئے اس جملے نے اس کے تن بدن میں گویا آگ سی لگا دی۔ یہ شخص تو واقعی اس کے لیے ٹیڑھی کھیر ثابت ہو رہا تھا۔

"میری رضا و خوشی۔" ایک پل میں ہی اس کے دماغ نے تانا بن لیا۔

"میری رضا و خوشی جاننا چاہتے ہو تو آگ لگا دو ان سب کو اتنی ہمت ہے تم میں۔" انداز اکسانے والا تھا، وہ جانتی تھی ایسی حماقت وہ ہرگز نہیں کرے گا۔ پر یہ سراسیمگی خام خیالی تھی۔ انیکسی سے اٹھتے شعلے اور چنگاریاں ٹیرس پر کھڑے اس کے وجود کو جھلسانے کو کافی تھے۔ اس کی ضد اور دیوانے پن کی انتہا پر اس کی روح تک کانپ گئی تھی۔

☆......☆

گھر میں اکیلے وہ اکتانے لگی تھی۔ نوکر اپنے معمول کے کام سرانجام دے کر چلے جاتے شاہ میر صبح جو اس کے جاگنے سے قبل نکلتا تو رات گئے اس کی واپسی ہوتی۔ گھر پر ہر وقت سناٹوں کا راج رہتا۔ وہ گھر میں تنہا بولائی بولائی پھرتی ایسے میں بینا کا آنا اس کے لیے کسی نعمت سے کم نہ تھا۔ اس نے پر اچھا خاصا اہتمام کر لیا۔ نبیل بھائی بھی ڈنر سے قبل ہی آ گئے۔ بینا اور نبیل حال ہی میں فرانس ہنی مون کے لیے گئے تھے۔ وہ اپنے ٹور کی یادداشتیں اور تصاویر دکھانے لگی۔

"ویسے تمہارا کب تک جانے کا ارادہ ہے۔" بینا کی بات پر اس کے چہرے کا رنگ فق ہونے لگا۔ اب وہ کیا جواب دیتی اس نے تو خود شاہ میر کو منع کیا تھا۔ جب اس کے نزدیک اس رشتے کی اس تعلق کی ہی کوئی اہمیت نہ تھی پر یہ بات وہ بینا کو کیسے سمجھاتی۔ نبیل جو اس کے چہرے سے بھانپ گیا فوراً بات سنبھالتے گویا ہوا۔

"آج کل میں پلان کر رہا ہے شاہ میر، تم تو جانتی ہو کتنا مصروف رہتا ہے وہ۔" اچھا ہوا اس نے بات سنبھال لی۔ اس نے شکر کا سانس لیا پر یہ اطمینان اتنے کم وقت پر محیط ہوگا۔ اندازہ بھلا کب تھا۔ اگلے دن وہ آفس سے شام کو جلد لوٹ آیا۔

Ridadigest.com

''پیکنگ کرلو، ہم نادرن ایریاز جارہے ہیں سنڈے کو ہنی مون کے لیے۔'' کف لنکس کھولتے حکم جاری کیا گیا۔

''سوری، پر میرا بالکل ارادہ نہیں تم چاہو تو اکیلے جاسکتے ہو۔'' کیوٹیکس لگاتے مڑ کر دیکھنے کی زحمت نہ کی گئی۔ یہ لڑکی تو اس کی سوچ سے بھی زیادہ ضدی اور ہٹ دھرم نکلی۔ فی الوقت اس نے چپ سادھ لی۔ یہ بھی بہت تھا ورنہ اس ضدی شخص کا کیا بھروسا۔ دن یونہی روکھے پھیکے گزرنے لگے۔ انہی روکھے پھیکے دنوں ایک شام علی رضا کی آمد ہوئی تھی۔ ملازمہ ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اطلاع دینے آئی۔

''علی آئے ہیں۔'' وہ چونکی آج کی تاریخ کا حیرت انگیز واقعہ علی اس سے ملنے آیا تھا۔ گھڑی شام کے سات بجارہی تھی۔ شاہ میر کے آنے میں نہ جانے کتنا وقت تھا۔ فریش ہوکر وہ تیار ہونے لگی۔ میک اپ کرکے اب وہ خود پر پرفیوم اسپرے کرنے لگی۔ کٹے بال کھولے آئینے میں وہ اپنا جائزہ لینے لگی۔ یہی وہ پل تھا جب شاہ میر دروازے کی ناب گھما کر اندر داخل ہوا، اس کی تیاری اسے چونکا دینے کے لیے کافی تھی۔

''خیریت کس خوشی میں اتنا سجا سنورا جارہا ہے۔'' اس کے سامنے آکر خوشگوار حیرت سے کہا گیا۔

''ہاں ایکچوئلی [illegible] ہیں، میں ذرا علی سے مل لوں۔'' خوشبوؤں میں بسی وہ اس کے پاس سے ہوکر نکل گئی۔ اس کا سارا چین [illegible] لے کر سر درد سے اس کی دماغ کی نسیں پھٹنے کے قریب ہوگئیں۔ اتنا بے غیرت و بے حیا تو نہ تھا کہ اس کی بیوی [illegible] سنور کر کسی اور کے سامنے جاتی۔ درد شدت اختیار کرنے لگے۔ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے وہ کتنی دیر ساکت وجامد اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ ڈنر پر جب ملازمہ اسے بلانے آئی تو اس نے منع کردیا۔ اس کم ظرف انسان کا سامنا کرنا [illegible] تھا۔ تقریباً دس بجے اس کی واپسی ہوئی، دل چاہا اس شخص کو شوٹ کردے یا خود کو آج اتفاقاً طبیعت کی خرابی [illegible] وہ پہلے گھر آیا نہ جانے اس کے پیچھے دماغ ماؤف سا ہونے لگا۔ طبیعت کی خرابی کے باوجود گاڑی کی [illegible] بے مقصد گاڑی سڑکوں پر دوڑاتا رہا۔ کتنی تلخ حقیقت تھی یہ۔ پر اس کی بیوی یوں غیروں کے لیے سجی [illegible] منظور نہ تھا۔ نبیل کی کالز پر کالز آرہی تھیں اس نے فون ہی آف کردیا۔ نبیل کی بات اسے شدت سے یاد آ[illegible] تھی نادان تھی پر وہ تو سمجھدار تھا تو عیشا کے معاملے میں اس کی سمجھداری کیا گھاس کھانے گئی تھی۔ وہ شخص [illegible] کے درمیان نہیں آسکتا تھا کیونکہ اب وہ اس کی بیوی تھی۔ قانونی اور شرعی طور پر دماغ پر چھایا غبار سگریٹ [illegible] رفتہ رفتہ حلول کرنے لگا۔ تقریباً ڈیڑھ بجے وہ گھر لوٹا۔ عیشا سو چکی تھی چینج کرکے وہ بھی لیٹ گیا۔ [illegible] دنوں سے جیسے روٹھ گئی علی رضا کے چکر بڑھنے لگے اور عیشا کی ضد اور ہٹ دھرمیاں بھی روابط بڑھنے لگے۔ دونوں کبھی شاپنگ کے لیے نکل جاتے تو کبھی لنچ، شاہ میر کا غصہ اس کے نظر انداز کرنے پر بڑھنے لگا۔ شاہ میر کو زچ کرکے اس کی برداشت کو آزما کے اسے نہ جانے کیا سکون ملتا۔ سکون اتنا عارضی ہوگا اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ سرما کا آغاز اس کی صبحیں دس بجے ہوجاتیں۔ ناشتہ کرنے کا اس کا موڈ نہ تھا۔ علی نے چند دنوں سے چکر نہ لگایا تھا۔ حالات گویا پھر معمولات پر آنے لگے۔ کافی کا مگ لیے وہ ٹیرس پر چلی آئی۔ موسم بھی ابر آلود ہونے لگا۔ یقیناً آج زوروں سے بارش برسے گی۔ اسے گاؤں کی شدت سے یاد آنے لگی۔ وہ آخری بارش جو اس کے دل پر انمٹ نشان چھوڑ گئی اور روح پر بھی۔ اسے علی رضا سے کی گئی گفتگو یاد آنے لگی۔ اب اس کے انداز و اطوار قطعی مختلف تھے۔ وہ جو اس سے کتراتا رہتا۔ اب نہ جانے کون سی کشش اسے یہاں کھینچ لاتی۔ وہ جو اس سے بات کرنا اپنی توہین سمجھتا اس کی دوستی اچانک اس کے لیے کیسے اتنی اہم ہوگئی۔ ''سارے رشتے خود غرض مطلبی

ہوتے ہیں۔'' وہ بددلی سے سوچنے لگی۔ اگر علی رضا اس کی محبت کی توہین نہ کرتا، اس کی ذات کے پرخچے نہ اڑاتا تو آج یقیناً وہ اس مقام پر نہ ہوتی شاہ میر کی محبت وتوجہ اس کے ارادوں کو کمزور نہ کردیں۔ وہ ہٹ دھرمی پر اتر آئی تھی۔ علی رضا سے اب اسے کوئی لگاؤ یا سروکار نہ تھا۔ اس کی محبت اتنی گئی گزری نہ تھی جو اسے بھیک میں دے دی جاتی وہ تو یہ سب صرف شاہ میر کی ضد میں کررہی تھی، وہ چاہ کر بھی شاہ میر اور اس کی محبت کو جھٹلا نہ پارہی تھی۔ یہی وہ وجہ تھی جو اس سے یہ سب کروانے پر مجبور تھی۔ وہ شاہ میر کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ پر یہ دل نہ جانے کس راستے پر چل نکلا نہ چاہتے بھی وہ اسی کے متعلق سوچنے لگی تھی۔ بھاپ اڑاتا کافی کا مگ تخ پڑنے لگا تبھی اس کی نظر پورچ میں داخل ہوتے شاہ میر کی بلیک مرسڈیز پر پڑی۔

''شاہ میر اور اس وقت......'' دماغ نے خطرے کا الارم بجایا۔

''فوراً تیار ہوجاؤ ہمیں گاؤں چلنا ہے ابھی، اٹس ارجنٹ۔''

''پر ہوا کیا۔'' خوف سے اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔

''ملک وجاہت کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔'' الفاظ تھے گویا بارود، بے جان قدموں سے وہ صوفے پر ڈھے سی گئی۔

''ریلیکس [illegible] حالت اب کافی بہتر ہے۔'' پانی کا گلاس اسے تھماتے اس نے تسلی دیتے کہا۔ اس نے کیسے پیکنگ کی [illegible] تیار ہوئی یہ بس وہی جانتی تھی شاہ میر ڈرائیور لینے کی بجائے خود ڈرائیو کرنے لگا۔ وہ بار بار نم آنکھوں کو ٹشو سے صاف کرنے لگی۔ نظریں گاہے بگاہے شیشے کے اس پار برستی بارش پر ڈال لیتی کچھ دیر بعد اسے اندازہ ہوا گاڑی انجان راستے [illegible] گامزن رواں تھی۔

''یہ گاؤں کا راستہ تو نہیں ہے۔'' [illegible] خیال اس کے دماغ میں آیا۔ وہ اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے بولی۔

''ہاں کیونکہ ہم گاؤں نہیں جارہے بلکہ مری [illegible]'' اس کی بات پر وہ پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی دماغ الگ بوجھل سا ہونے لگا۔

''واٹ نان سینس۔'' غصے سے کہتے اب وہ ہینڈ بیگ کھول [illegible] لگی۔

اس سے قبل وہ کوئی نمبر ڈائل کرتی اس نے فون جھپٹ لیا۔

''سوری ڈیئر! میں تمہیں اپنا ہنی مون ٹرپ خراب کرنے کی اجازت نہیں [illegible]'' کہنے کے ساتھ اس نے اسمارٹ فون کھڑکی کے کھلے شیشے سے باہر اچھال دیا۔ وہ بے بسی، دکھ و غصے کی شدت سے اسے دیکھنے لگی۔ اب مزاحمت کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ تھک ہار کر اس نے سیٹ بیک سے ٹیک لگا لیا اور آنکھیں موندھ لیں اور کچھ ہی پل میں نیند کی دیوی اس پر مہربان ہوچکی تھی۔ شاہ میر اب ریلیکس ہوکر ڈرائیونگ کرنے لگا خواب آور دواؤں کا اثر شروع ہوچکا تھا۔

☆......☆

وسیع وعریض خوب صورت کاٹیج کے باہر خزاں رسیدہ درختوں کے درمیان بنی روش، ملازم سامان لیے ان کے پیچھے تھا۔ اس کے سر میں اب بھی درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ شاہ میر گاگلز چڑھائے کسی سے فون پر مصروف تھا۔ اس کے قدم من من بھر کے ہورہے تھے۔ چکراتے سر کے ساتھ خود کو گرنے سے بچانے اور سہارے کے لیے اس کا بازو تھام لیا تو وہ چونک سا گیا۔

''ایم سوری۔'' وہ فوراً سنبھل بھی گئی۔ تو اس نے الوداعی کلمات کہتے کال ڈراپ کردی۔

''واؤ یعنی رومانٹک ماحول میں آنے سے تمہاری ٹون بھی ایکدم بدل گئی۔'' دل جلانے والی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا گیا۔ جواباً وہ اسے غصے سے گھور کر رہ گئی۔ اسے قطعی اس شخص پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ غصے سے سوچنے لگی۔

''اب اندر بھی چلوگی یا باہر رہنے کا ارادہ ہے۔'' کہنے کے ساتھ اس نے داخلی زینوں کی جانب قدم بڑھا دیئے تو وہ بھی اس کے نقش پر چلتی اندر چلی آئی۔ ان کا استقبال ایک عمر رسیدہ خاتون نے کیا تھا۔ یہ کاٹیج غالباً انہی خاتون کا تھا جو شاہ میر کے گلے ملتے آبدیدہ سی ہوگئیں۔

''بہت برے ہوگئے ہو نا اپنی دادو کو تو بالکل بھول ہی گئے۔''

''افوہ دادو آتے ہی آپ کا گلہ شکوہ شروع، ارے ابھی تو آیا ہوں، بعد میں تسلی سے سارے گلوے شکوے کرلیجیے گا۔'' اس بار وہ پورے چھ ماہ بعد آیا تھا۔ اس لیے دادو خاصی خفا تھیں۔

''ارے تم وہاں کیوں کھڑی ہو آؤ تمہارا اپنا گھر ہے۔'' اسے دیکھ کر وہ محبت سے گویا ہوئیں۔

''شاہ میر تمہاری پسند ویسے ہے لاجواب۔'' اس سے ملتے اب وہ شاہ میر کی پسند کو داد دینے لگیں۔

''نجی، ارے او نجی جلدی سے مہمانوں کی خاطر مدارت کے لیے کچھ انتظام کرو۔''

''نہیں دادو میں تھک گیا ہوں آرام کروں گا، آپ بس کمرہ دکھادیں، کیوں کیا خیال ہے؟'' اب وہ اس کی رائے لینے لگا۔ جواباً وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

وسیع شاندار بیڈ روم نفاست سے ڈیکوریٹ تھا۔ اخروٹ کی لکڑی سے بنا فرنیچر، کھلے ہوا دار قدم آدم کھڑکیاں اور ان پر دبیز پردے، وہ بلینکٹ اوڑھے سوئی رات کو گیارہ بجے شاہ میر کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی۔ موسم میں عجیب سی خنکی تھی۔ شاہ میر فون پر کسی سے محو گفتگو تھا۔ انداز بے تکلفی سے پہلے ہی اندازہ ہوگیا کہ نبیل ہی ہوگا۔ ہونہہ اس کا سکون درہم برہم کرکے خود کیسے بیٹھا ہے۔ وہ غصے سے سوچنے لگی۔ اتنے میں ملازمہ ٹرالی گھسیٹتی لے آئی۔ فضا میں اشتہا انگیز پکوانوں کی خوشبو پھیل گئی۔ اس کا دل للچانے لگا پر ایٹی ٹیوڈ بھی تو دکھانا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس تک نہ ہوئی۔ جب کہ شاہ میر صوفے پر بیٹھا مزے سے تناول کرنے لگا۔

''اب آ بھی چکو اتنا لذیذ کھانا بار بار تھوڑی نہ ملے گا۔'' وہ رخ موڑے بیٹھی رہی اس کی ناراضی اور بائیکاٹ کا باقاعدہ اعلان تھا۔ ایک پلیٹ میں تھوڑے سے چاول لے کر ان پر فرائیڈ فش رکھے وہ اٹھ کر بیڈ پر اس کے سامنے آبیٹھا۔

''ایم سوری، میں نے تم سے جھوٹ بولا۔ لیکن میں کیا کرتا تم کسی قیمت پر آنے کے لیے تیار جو نہ تھی۔ اچھا یہ کھالو پلیز میں نے ایکسکیوز تو کرلیا ناں اب۔''

''تمہیں تایا ابا کے لیے ایسے الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں تھے۔'' وہ گویا ہار مانتے بولی تو اس کا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا۔

''وجاہت انکل کو واقعی ہارٹ اٹیک ہوا تھا گو کہ ان کی حالت اب پہلے سے کافی بہتر ہے اور تمہیں بتانے سے انہوں نے خود منع کیا تھا۔'' اس کی آنکھیں غم و غصے سے مزید پھیل گئیں صدمے سے زبان گنگ ہونے لگی۔

''اور تم مجھے اب بتا رہے ہو۔''

''میں نے کہا ناوہ شاید تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہ رہے ہوں گے۔ کوئی سیریس بات نہیں اس لیے شاید۔''

''انف وہ میری فیملی ہے ان کا دکھ درد میں اچھے سے سمجھتی ہوں اور تم فیملی اور فیملی کی امپورٹنس کیا سمجھو گے کیونکہ تمہاری تو کوئی فیملی ہی نہیں ہے۔'' اس کے اس طرح سفاکی سے کہہ دینے پر وہ بالکل چپ سادھ گیا۔ اسے صحیح معنوں میں عیشا کے الفاظ سے ٹھیس پہنچی تھی۔ پر چہرے پر ایک بھی شکن لائے بنا کمال ضبط سے گویا ہوا۔

''بہر حال جو بھی تھا میرے لیے ان کا حکم زیادہ اہم تھا اور رہی بات اٹیک کی تو غالباً علی صاحب نے بھی تمہیں کچھ نہیں بتایا ہوگا۔ اینی وے کھانا کھا لینا، میں ذرا دادو کی طرف جارہا ہوں۔'' پلیٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کے وہ جا چکا تھا۔ پہلے تو وہ تاسف میں گھری کہ اس کی وجہ سے وہ ہرٹ ہوا پر علی کے طعنے کے بعد اس کا غصہ مزید ہائی ہوگیا۔

''ہونہہ یہ شخص یہی ڈیز رو کرتا ہے ایڈیٹ۔'' غصے سے وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام کر رہ گئی۔

☆......☆

اس بات کا اندازہ اسے بخوبی ہوگیا۔ یہاں کی صبحیں بہت خوب صورت ہوا کرتیں ہیں نرم نرم ہواؤں کے دوش پر ملتے درختوں کے پتے، آسمان پر تاحد نگاہ پھیلے بادلوں کے وسیع سلسلے، تو کبھی بادلوں کی اوٹ سے اپنی چھب دکھلاتی نرم سرما کی دھوپ، پرندوں کی دلفریب چہکار، دادو انہیں سویرے جگادیتی۔ شاہ میر ٹریک سوٹ پہنے یقیناً جاگنگ سے لوٹا تھا۔ فریش ہوکر ناشتہ کیا گیا۔ ایک بھرپور نیند لے کر اب وہ کافی ریلیکس تھی۔ نجی انہیں لے کر قریبی پارک اور باغ گھمانے تک لے گیا۔ شاہ میر کسی ارجنٹ کام کا کہہ کر لنچ کے فوراً بعد چلا گیا۔ ان کے ہمراہ نجی اور شیریں تھیں۔ شیریں دادو کی ملازمہ کم دوست زیادہ لگتی۔ دونوں کی ہنسی مذاق اور کھنچائی سے وہ دیر تک محظوظ ہوتی رہی شیریں سے چھوٹا نجی تھا۔ منٹوں میں ناشتے کے انواع و اقسام چیزوں سے میز چن دی، دو دن گھنے بادل چھائے رہے تیسرے دن مغرب کی اذان کے بعد برفباری کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ گھر سے نکلتے جلدی میں اوورکوٹ لینا بھول گئی اب پچھتاوا ہونے لگا۔ واپس لوٹتے انہیں نو بج گئے۔

''کہاں رہ گئے تم لوگ ایک طرف موسم خراب دوسری جانب فون بھی بند حد ہے لاپروائی کی۔'' ان کے لوٹتے شاہ میر برس پڑا۔

''میں نے کتنی بار فون ٹرائی کیا نو رسپانس، خود پارک تک دو مرتبہ ہو آیا ہوں۔'' نجی کے فون پر انیس مسڈ کالز تھے۔ وہ شرمندہ شرمندہ سا سر کھجا کر رہ گیا۔ جب کہ وہ بنا کوئی جواب دیے کمرے میں چلی آئی۔ گرم کوٹ، مفلر، جوگرز کے باوجود اس کے ہونٹ سفید پڑنے لگے۔ انگیٹھی میں لکڑیاں ڈال کر سب اب اس کے گرد آن موجود تھے۔ موسم کی شدت اختیار کرتے بجلی، گیس بھی غائب ہونے لگتے۔ کھانے کے بعد وہ اپنے روم میں بند ہی رہتی اور شاہ میر کے آتے وہ سوتی بن جاتی وہ حتی المقدور شاہ میر کے سائے سے بھی دور رہنا چاہتی تھی۔ پر اس کے باوجود وہ اس کی عادت بننے لگا تھا کبھی طوفانی بارش برف باری میں وہ گھر نہ پہنچتا تو اس کی رنگت اڑی سی جاتی۔ جلے پیر کی بلی کی مانند اِدھر اُدھر پھرتی جب تک شاہ میر واپس نہ آجاتا اسے چین نہ آتا، دادو اس کی حرکات پر غور کرنے کے بعد مزے سے ساری کہانی اس کے گوش گزار کردیتیں۔

''اب جہاں بھی جاؤ اپنی بیوی کو ساتھ لے جانا۔'' وہ مسکرا دیتا، اسے سب ناٹک لگتے۔ شام کو محفل پھر ہال میں لگ جاتی۔ انگیٹھی کے گرد رونق لگ جاتی۔ شمع بیگم، شیریں اور نجی کی والدہ، دادو، شاہ میر اور آج ان میں اضافہ وہ تھی۔ وہ چاروں کیرم کے گرد براجمان کھیلنے میں مصروف تھے۔ دادو کا جوش و خروش دیکھنے لائق تھا۔

کھیلتے وقت دو میچ ہوئے اور دونوں مرتبہ جیت انہی کی ہوئی اور شاہ میر بھی کھیلتے وقت بالکل بچہ بن جاتا۔ سلکی بال ماتھے پر بکھرے ہلکی ہلکی داڑھی، بلاشبہ وہ بھرپور مردانہ وجاہت کا مالک تھا۔ وہ اس کے پاس سنگل صوفے پر بیٹھی خود ہی اسے دیکھنے لگی۔ اردگرد سے بیگانہ، اس کی توجہ شاید اس نے بھی نوٹ کی۔

''ڈیئر! اتنے غور سے نہ دیکھیں کہیں مجھ سے محبت نہ ہو جائے۔'' اس کی سرگوشی خفیف سی مسکان کے ساتھ اس نے رخ پھیر لیا۔ اسے شاہ میر کی بات بالکل بری نہ لگی۔ کیا واقعی اسے شاہ میر سے محبت ہو رہی تھی۔ صبح شاور لے کر آئینے کے سامنے کھڑی وہ خود سے سوال کرنے لگی اور جو جواب آئینے نے دیا وہ اس کا سکون درہم برہم کرنے کو کافی تھا۔ تین دنوں سے ہوتی مسلسل برف باری کے سبب راستے جام ہو گئے۔ سیاحوں کی ایک کثیر تعداد ملکہ کوہسار مری میں داخل ہو چکی تھی۔ تمام ریسٹ ہاؤسز، ہوٹلز کھچا کھچ بھرنے لگے۔ ہر طرف زندگی سے بھرپور لوگوں کا ہجوم ٹولیوں کی صورت نظر آتا۔ سفید برف سے تاحد نگاہ ڈھکی کوہسار مری، وہ برف باری دیکھنے نجی لوگوں کے ساتھ چلی آئی شاہ میر نے ساتھ جانے سے منع کر دیا۔ کسی چیز میں وہ لطف نہ رہا وہ خود اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر [illegible] سیاحوں کے جوڑوں کو دیکھ کر وہ عجب احساس کمتری میں گھر جاتی۔ شام ہوتے برفباری کا نیا سلسلہ شروع ہو گیا برف شیشوں پر ٹکرا کر آواز پیدا کرنے لگی۔ طوفانی برف باری اوپر سے نجی اسے چھوڑ کر نہ جانے کہاں چلا گیا۔ کار کا دروازہ کھول کر وہ اسے ڈھونڈتی نہ جانے کس جانب نکل آئی۔ اب پچھتاوا ہونے لگا۔ اندھیرے میں اس کا پیر پھسلا اور وہ کئی فٹ نیچے جا گری۔ اجنبی شہر، اجنبی جگہ اور وہ تنہا، گھٹنے پر چوٹ لگنے کے سبب درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں [illegible] لال سی ہونے لگی۔ وہ کھو گئی تھی۔ کسی کو نہیں پتا تھا کہ وہ کہاں ہے اوپر سے تیز ہوتی برفباری۔ کہیں [illegible] دبی اس کی لاش ہی نہ مل جائے۔ یہ خیال آتے اس کے آنسو چھلک پڑے، اندھیرا، سنسان جگہ، اسے [illegible] آوازیں محسوس ہونے لگی۔ ٹارچ کی روشنی درختوں پر پڑتے اس میں برقی قوت آ گئی۔ چوٹ کی پروا کیے بنا وہ [illegible]

''ہیلپ ہیلپ۔'' پر شاید ان تک اس کی آواز نہ پہنچ پائی تھی۔ روشنی [illegible] اوجھل ہونے لگی۔ چوٹ کے باوجود وہ ہمت کر کے چڑھنے لگی۔ بالآخر اسے سامنے شناسا سا چہرہ نظر آیا [illegible] باہر نکل آنے کے بعد قدموں میں جیسے جان باقی نہ رہی، لب ہولے سے ہلے۔

''شاہ میر۔'' آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگا۔ منظر دھندلانے لگے۔ اس سے قبل وہ ایک برف ڈھلک جاتی۔ شاہ میر کے مضبوط بازوؤں نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ بے ہوش ہونے سے قبل اس کے لبوں پر اسی کا نام تھا۔

☆......☆

ہوش میں آتے اس کی شرمندگی سوا تھی۔ پر کسی نے اس واقعے کے متعلق اس سے نہ کوئی سوال کیا نہ ڈانٹا ڈپٹا۔ اتنا تو وہ جان ہی گئی شاہ میر اسی کی تلاش میں آیا تھا۔ پر اگر وہ اسے نہ ملتی تو۔ اس خیال سے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ رات کا واقعہ آب و تاب کے ساتھ اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ شاہ میر کی آواز لاؤنج سے اسے صاف سنائی دے رہی تھی۔

''آئندہ میری پرمیشن کے بغیر تم اسے کہیں نہیں لے کر جاؤ گے۔ وہ ویسی لڑکی نہیں ہے۔ بہت کمزور ڈرپوک ہے اور انجان جگہوں سے تو ویسے بھی گھبراتی ہے بہت، لہٰذا آئندہ خیال رکھا جائے۔'' اس کی کتنی فکر تھی اسے، اسے اپنے رویوں پر ندامت سی ہونے لگی۔

''میرا شاہ میر بچپن سے ہی بہت حساس ہے، بہت محبت کرنے والا۔'' دادو اس کی خیریت معلوم کرنے آئی تھیں ان کی زبان نہ تھک رہی تھی شاہ میر نامہ سناتے سناتے۔

''بھلے میں نے صرف اس کے باپ کو پالا ہے پر وہ میرے سگے پوتوں سے بڑھ کر ہے میرے لیے۔ میری اولاد نہیں تو کیا ہوا قدرت نے شاہ میر کی صورت میں میری کمی پوری کر دی۔ اپنی سگی ماں سے زیادہ مجھ سے مانوس تھا۔ کھانا پینا، سونا جاگنا، اب تو بڑا آدمی بن گیا ہے پر یہاں آ کر جب تک میرے ہاتھ سے نوالہ نہ کھا لے، اسے مزہ نہیں آتا بلاشبہ وہ ایک بہت باصلاحیت تخلیق کار ہے۔'' ان کی بات واقعی درست تھی۔ کاٹیج کے ڈائننگ ہال اور رومز میں لگے اس کے شاہکار اس کی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت تھے۔

''آج کل اس کے تمام شوق تم پر ہی آ کر ختم ہوتے ہیں زندگی کے اصل رنگوں سے آشنا تو اب ہوا ہے۔''

وہ ان کی بات پر مسکرا بھی نہ سکی۔ واپسی پر وہ اسے گاؤں چھوڑ گیا۔ اپنی وجہ سے وہ اس پر کوئی دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا تھا شاید۔

''تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتی ہو۔'' وہ چلا گیا، اسے تو جانا ہی تھا۔ پر اپنے ساتھ اس کا چین وقرار ساتھ لیے۔ شاہ میر کا تحفظ دیتا احساس، اس کی نظریں، اس کا وجود ہر خوف کو زائل کر دیتا اور اس کے بغیر ہر چیز بے معنی، بے رونق، [illegible] محبت کے معاملے میں دوسری مرتبہ دھوکا نہیں کھانا چاہتی تھی۔ دوسری مرتبہ ٹوٹ کر نہیں بکھرنا چاہتی تھی۔ پر ان معاملوں میں خود پر اختیار کہاں ہوتا ہے بھلا۔ موسم شدت اختیار کر گیا۔ گرم لحافوں رضائیوں میں دبکے بادام، مونگ پھلی اڑانے کا موسم، سردیوں کے موسم سے وہ سخت چڑتی اب انہی سردیوں میں خوب صورت یادیں۔

''تم شاہ میر بھائی کو کو مس کر رہی ہو۔'' بھاپ اڑاتی کافی کا مگ ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ جبھی عیشا جو کب سے نوٹ کر رہی تھی بولی۔

''لاؤ میں دوسری کافی بنا دوں۔'' پر اس نے سہولت سے منع کر دیا۔ دو دن ہوئے تھے اسے آئے۔ پر علی رضا کا کہیں پتا نہ تھا۔ اسے لاہور ہی میں جاب مل گئی تھی اور یقیناً [illegible] اداس سی رہنے لگی تھیں۔ نہ جانے آنے والی کیسی ہو، وہ انہیں دلاسے کے دو لفظ تک نہ کہہ سکی۔ [illegible] علی رضا آ گیا۔ آج کل تائی زور و شور سے عینا کے رشتے کے لیے کوشاں تھیں۔ پر عینا کے مزاج ہی مل کے نہ دے [illegible]

☆......☆

کئی دنوں سے موسم ابر آلود تھا۔ رات کو چھاجوں چھاج بارش برسی تھی۔ صبح بھی وقفے وقفے سے بارشوں کا سلسلہ جاری تھا۔ تائی اماں صغریٰ کو لیے قریبی گاؤں کسی فوتگی پر گئی تھیں۔ تایا ابا بھی سویرے زمینوں پر نکل جاتے تو شام کو ان کی واپسی ہوتی۔ وہ اب پہلے سے چنگے بھلے تھے پر اس کے باوجود علی رضا یا ٹیپو ہمہ وقت ان کے ہمراہ رہتے۔ ناشتے کے بعد فراغت سے اس نے کچن کا رخ کیا۔ کام کرنے کا احساس نہ ہوا کہ علی رضا کب سے دروازے پر کھڑا اسے دیکھ رہا ہے اس کی نظر پڑی تو فوراً سنبھل گیا۔

''ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

چائے ٹرے میں لیے وہ سیڑھیاں چڑھتی اس کے کمرے میں چلی آئی وہ فون پر کسی سے مصروف تھا۔ اسے دیکھ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ ٹرے ٹیبل پر رکھ کر وہ مڑی پر اس کے الفاظ پر اس کے قدم تھم سے گئے۔

”ویسے ماننا پڑے گا شادی کے بعد بہت خوب صورت ہوگئی ہو۔“ اسے ایکدم جھٹکا لگا۔ علی رضا کے منہ سے نکلے الفاظ اسے یقین کرنے میں چند پل لگے تھے۔

”خیر سنا تو تمہارے بارے میں بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ کہیں بہت بڑا ہاتھ مار آئے ہو میجر کی بیٹی ہے نا۔“ اس کی معلومات خاصی وسیع تھیں۔ علی چونکا۔

”تمہارے مقابلے میں انعم کچھ بھی نہیں ہے اس میں ایسی کوئی بات ہی نہیں۔ وہ تو میں ہی بے وقوف تھا ورنہ والدین تو ہمیشہ اولاد کا بھلا ہی سوچتے ہیں۔“ تاسف بھرا انداز، خود ترسی لیے بارش کا سلسلہ پھر سے شروع ہوگیا۔ کھڑکی کے اس پار برستی بارش جیسے سب کچھ بہا لے جانے آئی تھی۔

”اب افسوس کرنے کا فائدہ، اب تو سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ اب جس سے جھوٹی محبتوں کے وعدے کر آئے ہو، اس سے اپنی نام نہاد انا کا بھرم رکھنے کو رشتہ نبھا لینا ورنہ محبتوں کے ساتھ رشتوں کو بھی ترس جاؤ گے۔“ وہ پھر سے چونک گیا۔ یہ عیشا قطعی وہ بھولی بھالی عیشا نہ تھی۔ یہ تو قطعی اس سے مختلف سمجھدار اور حالات سے سمجھوتہ کرنے والی صرف چند ماہ اتنی بڑی تبدیلی جو بھی تھا پر وہ کیسے اتنی آسانی سے ہار مان لیتا۔ تبھی چہرے پر زخمی مسکراہٹ سجائے کہنے لگا۔

”جیسے تم یہ رشتہ نبھا رہی ہو زبردستی۔ مجبوراً جب کہ تم تو مجھ سے محبت کی دعوے دار تھی ناں۔“ اس نے جیسے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ تڑپ سی گئی۔

”محبت، ہونہہ اسے فقط میری حماقت کہہ سکتی ہوں تم جیسا انسان کسی کی محبت کے لائق نہیں ہو سکتا۔ جب تم دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرنے والی ماں کی قدر نہ کر سکے تم سے بھلا کوئی کیا توقع رکھ سکتا ہے۔“ وہ تنفر سے کہنے لگی۔

”میری محبت اور میرے تمام جذبات صرف ایک شخص سے وابستہ ہیں اور وہ ہیں میرے شوہر۔“ اس کی بات پر علی رضا کے تاثرات یکلخت بدلے تھے۔

”تب تو ایک ہی راستہ ہے۔“ مکروہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ آگے بڑھا۔

”اگر تمہارا شوہر ہی نہ رہے تو......“

یہ شخص اتنا گھٹیا ہو سکتا ہے۔ اس نے خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ وہی شخص جس پر وہ اپنے بے لوث جذبات نچھاور کرتی رہی۔ آج اس شخص سے اسے گھن آنے لگی تھی۔ وہ چلتا بالکل اس کے سامنے آگیا۔ اتنے قریب کہ اس کی سانس رک رک کر آنے لگی۔

”پھر ہمارے درمیان تو کوئی دیوار نہیں ہوگی نا۔“ شہادت کی انگلی اس کے گال پر پھیرتے کہا۔ اس کے وجود پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اس سے قبل وہ اس کا ہاتھ جھٹکتی، دروازہ کھلا۔ سامنے کھڑی بینا کو دیکھ کر علی رضا اپنی جگہ چور سا بن گیا۔ اس کا چہرہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ سب سن چکی ہے جب کہ عیشا اپنی جگہ زمین میں گڑھ کر رہ گئی۔

☆......☆

بات شاید اتنی بڑی نہ تھی۔ پر اب بات کرنے کو کچھ بچا ہی نہ تھا۔ وہ سر جھکائے بے آواز آنسو بہاتی رہی اور بینا کی نظریں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں۔

”تم اگر مجھے کچھ نہ بتاتی تب بھی مجھے پتا چل جاتا۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ عشو تم نے یوں مجھے غیر کر دیا

وہ تو میں نے نبیل اور شاہ میر کی گفتگو سن لی تھی۔ تم اتنی اسٹوپڈ کیسے ہو سکتی ہو تمہارے علی کے لیے جذبات سے میں واقف تھی۔ پر جب تم نے شاہ میر کے پرپوزل کے لیے حامی بھری تو مجھے لگا کہ تم نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا اور اچھا ہی کیا۔ وجہ چاہے جو بھی ہو، بھلے علی میرا بھائی ہے پر یقین جانو عشو وہ کبھی تمہیں خوش نہیں رکھ پاتا اور مجھے یقین تھا کہ شاہ میر کی محبت تمہیں ضرور بدل دے گی تم اس کی محبت کے رنگ میں رنگ جاؤ گی اور سب کچھ بھلا دو گی۔ یہ اس شخص کی محبت ہی تو ہے جو سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس نے تمہیں اپنائے رکھا۔ کسی سے ایک لفظ تک نہ کہا کیونکہ تم اس کی عزت تھیں اس کی محبت ہو سوچو اگر تمہاری اس بے وقوفی کے بعد وہ تمہیں چھوڑ دیتا تو کیا عزت رہ جاتی یہاں تمہاری اور سب کچھ ختم ہو جاتا۔“ وہ رونا بھول کر اسے دیکھنے لگی۔ کیسی حقیقت بیان کر رہی تھی۔ ایسا تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

”قدر کرو اس شخص کی بے لوث محبت کی اب اس کربناک ماضی کو دہرا کر صرف دکھ اور پچھتاوے ہی ملیں گے جب آگے قدم بڑھا ہی چکی تو پیچھے مڑنے کی غلطی نہ کرنا کہ کہیں پتھر کی نہ ہو جاؤ۔“

وہ بستر پر لیٹی کروٹیں بدلتی بینا کی باتوں کے متعلق سوچنے لگی۔ رات نہ جانے کس پہر اس کی آنکھ لگی۔ صبح کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب خواب سے جاگتے وہ پسینے سے شرابور تھی۔ کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا، کھڑکیوں سے ہلکی نیلگوں روشنی صبح کا پتا دے رہی تھی۔ چادر پرے کرتی وہ ننگے پیر تایا ابا کے کمرے کی سمت دوڑی اور ان کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔

”تایا ابا مجھے گھر جانا ہے پلیز لے چلیں ابھی شاہ میر......“ کچھ کہتے کہتے رکی تائی، بینا بھی جاگ گئیں۔

”کیا ہوا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا۔“ تایا ابا شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرتے پوچھنے لگے۔ جو ابھی ابھی نماز پڑھ کر لوٹے تھے۔ تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ بینا نے سکھ کا سانس لیا۔ آٹھ بجے ٹیپو آیا اپنی پیکنگ وہ پہلے ہی کر چکی تھی۔ بینا بھی ساتھ ہولی۔ سارے راستے وہ بے آواز روتی رہی۔ بینا البتہ چپ تھی واپسی کا سفر طویل اور کٹھن ضرور ہے پر منزل بالآخر مل ہی گئی ہے۔ وہ دل سے عیشا کی خوشیوں کے لیے دعا گو تھیں۔ سارا گھر سناٹے میں گھرا تھا۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے تک پہنچی اور سامنے کا منظر، پٹیوں میں جکڑا شاہ میر ناک ماتھے پر بینڈیج۔ خواب آنکھوں کے سامنے واضح ہونے لگا بدحالت پست شاہ میر، وہ بے قابو ہو کر اس کے سینے سے لگی رونے لگی۔ وہ جو ابھی واش روم سے نکلا اس اچانک افتاد پر بوکھلا سا گیا۔ پر اس کی حرکت پر مبہم سا مسکرایا۔ کتنی دیر وہ اس کے سینے سے لگی روتی رہی۔ اتنے میں نرس ڈرپ لیے چلی آئی تو وہ شرمندہ شرمندہ سی دور ہٹی۔ شرٹ کا اگلا حصہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔ اب ایکدم اسے بے پناہ شرم آنے لگی۔ نرس ڈرپ لگا کر چلی گئی۔ چند پل یونہی خاموشی کی نذر ہوگئے۔ اس سے قبل وہ کچھ پوچھتی نبیل اور بینا کیک اور فروٹس لیے چلے آئے۔

”کیسے ہو؟“ نبیل فکرمندی سے پوچھنے لگا۔ بینا اس کے قریب آ کر اس کا ہاتھ تھپتھپانے لگی۔ تسلی آمیز انداز تھا۔

”پہلے سے کافی بہتر فیل کر رہا ہوں۔“ اس کی بھیگی پلکوں کو نظروں کے حصار میں لیے بشاش لہجے میں کہا گیا۔

”یہ سب کب ہوا کیسے اور مجھے کسی نے بتایا کیوں نہیں۔“

”ایکچوئلی بھابی! شاہ میر کا معمولی سا ایکسیڈنٹ ہوا تھا، میں نے سوچا آپ کو انفارم کردوں پر اس نے ہی

منع کیا تھا۔"

وہ فقط نبیل کو گھور کر رہ گیا۔ لنچ کے فوراً بعد وہ چلے گئے۔ ایک بار پھر کمرے میں وہ دونوں تھے اور خاموشی تھی۔

"تم کچھ کہو گی نہیں۔ چلو برا بھلا ہی کہہ لو کیونکہ غلطی میری تھی۔ ویسے اچھا ہی ہوتا اگر اس ایکسیڈنٹ میں، میں......" دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ تو محض اسے تنگ کرنے کی خاطر کہہ رہا تھا پر اس کی بات پر اس کی آنکھیں چھلک گئیں۔ وہ ایکدم شرمندہ سا ہو گیا۔ ڈرپ سے ہاتھ کو آزاد کرتے وہ دھیرے سے چلتا اس کے سامنے آ بیٹھا۔

"عیشا ایم سوری! میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا میں تو صرف مذاق کر رہا تھا۔" اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامتے اسے سمجھ نہ آیا اسے کیسے چپ کرائے۔

"مذاق......" اسے تو جیسے پتنگے لگ گئے۔

"اس حالت میں بھی تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔ پتا ہے کیا حالت ہوئی میری، وہ خواب بار بار میری آنکھوں کے سامنے آ رہا [illegible]" سسکیوں کے درمیان وہ بمشکل بول پائی۔

"کہیں وہ خواب [illegible] ہو...... نہیں...... مم...... میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی شاہ میر، ہاں اتنے عرصے میں خود کو بے وقوف بناتی رہی [illegible] میں تمہارے بغیر مر جاؤں گی۔" وہ ایک بار پھر اس کے سینے سے آ لگی۔ مٹھیوں میں شرٹ کا گریبان [illegible] وہ بول رہی تھی کیا بول رہی تھی وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ پر شاہ میر اس کی ہر ساعت کان بنے اسے سن رہی تھی [illegible] دھڑکتا دل، جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ اس نے تو کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ وہ خود آ کر اس سے یہ سب [illegible] آسانی سے اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر جائے گی اسے تو لگا تھا اسے اپنی محبت کا یقین دلاتے دلاتے [illegible] لگ جائیں گے۔ اب اس معمولی سے واقعے کے بعد اتنی آسانی سے۔ وہ بیک وقت بے یقینی، خوشی اور حیر[illegible]

"پلیز شاہ میر! مجھے معاف کر دیں میری ہر غلطی کے [illegible] نے آپ کا دل دکھایا۔ آپ کی تکلیف کا سبب بنی اور مجھ سے وعدہ کریں آپ مجھے چھوڑ کر کبھی نہیں جائیں [illegible] اپنوں کو کھونے کے بعد دوسری بار کھونے کی سکت نہیں مجھ میں۔ مجھ سے وعدہ کریں ہر قدم پر میرا ساتھ [illegible]" [illegible] سے الگ ہوتے وہ جھکے سر کے ساتھ بولی۔ پلکیں بوجھ کے سبب اٹھ نہ پا رہی تھیں اب وہ کسی قیمت پر [illegible] اور [illegible] کی محبت کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

"اپنا آشیانہ اپنے ہاتھوں سے نہیں بکھیرنا، صلح اور معافی کے لیے جھک جانا کسی گھر کے ٹوٹنے سے بہتر ہے۔" اسے بینا کی باتیں یاد آنے لگیں۔ جب کہ شاہ میر کی نظریں اس کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔ جس کے چہرے پر صداقت ہی صداقت تھی۔ یعنی وہ بدل رہی تھی۔ بدل گئی تھی جو بھی تھا اب وہ آگے بڑھ چکی تھی۔ اپنا تلخ ماضی بھلائے آگے قدم بڑھا چکی تھی۔ اسے یقین تھا ایک نہ ایک دن ایسا ہونا ہی تھا۔ اسے اپنے خدا اور محبت پر بھروسا تھا۔

"تو میرا بھی وعدہ رہا، میں کبھی تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں گا کبھی ان آنسوؤں کا سبب نہیں بنوں گا۔" یہ کہتے اس نے اپنے لب نم پلکوں پر رکھ کر اپنے وعدوں کے سچے ہونے کی تصدیق کی اور شاہ میر آفندی کم از کم عہد شکن نہ تھا۔

......☆......

فاطمہ خان

ناولٹ

محبت جاوداں ہے

رات اپنی مخصوص مہک کے ساتھ اس پہاڑی علاقے پر قطرہ قطرہ اترتی جا رہی تھی۔ پہاڑوں کی خوشبوؤں کے ساتھ بندھی اس وادی کے مکینوں کی اکثریت اس وقت نیند کی وادی میں اتر چکی تھی۔



ایسے عالم میں وہ اکیلا لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنے مخصوص پہاڑی راستوں سے گزر رہا تھا۔ ان چند ماہ میں یہ تمام راستے اسے ازبر ہو چکے تھے۔ وہ اندھیرے میں بھی ان پرپیچ راستوں سے بغیر کسی دشواری کے گزر سکتا تھا۔ پہاڑی علاقوں کی راتوں کا مزاج میدانی علاقوں سے بہت مختلف ہوتا ہے، یہاں کی گھور اندھیری راتوں میں چھپے اسرار سے وہی لوگ واقف ہوتے ہیں جو ان پراسرار اندھیروں کے ساتھ کچھ وقت گزار چکے ہوں پھر یہاں کے لوگ بھی جلد سو جانے کے عادی ہوتے ہیں، اس لیے ویرانی اور تنہائی بھی یہاں ایک نئے انداز کے ساتھ اپنا رنگ جماتی نظر آتی ہے۔ اس کی منزل اب زیادہ دور نہیں رہی تھی۔ خاموشی کے اس عالم میں دریا کا وہ گیت اب اسے بہت واضح انداز میں سنائی دینے لگا تھا۔ دو دریاؤں کے خوب صورت ملاپ سے جو دلکش آواز ابھرتی تھی، وہ اسے کسی مغنیہ کے ایسے گیت کی طرح لگتی تھی جسے سن کر انسان کسی اور ہی جہان میں چلا جائے اور یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ جب وہ پہلی بار اس شہر میں آیا تھا۔ تب اسی آواز نے اس پر ایک سحر طاری کر دیا



تھا۔ اس کے پاؤں کئی ان دیکھی زنجیروں میں بندھ گئے تھے اور ان زنجیروں کو پہنے وہ خوشبوؤں کے ایسے جہان میں چلا گیا تھا۔ جہاں سے واپسی کا سفر اسے اتنا ہی مشکل لگ رہا تھا مگر اب اس کے پاس واپسی کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ رات کے خطرناک قسم کے جنگلی جانور بھی انسانوں کو لقمہ اجل بنانے کے لیے پہاڑوں سے نیچے اتر آتے تھے مگر وہ تو جیسے ہر قسم کے خوف سے آزاد ہو چکا تھا۔ وہ بہت بے خوفی سے پہاڑوں سے نیچے اتر رہا تھا، ویسے بھی وہ تو ایک انسان کا ڈسا ہوا تھا اور انسان کے ڈسے کو تو خطرناک سے خطرناک جنگلی جانور بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے پورے وجود سے ایک عجیب قسم کی مایوسی چھلک رہی تھی۔ بالآخر اس کے قدموں کا سفر مکمل ہوا اور دریا کے سامنے آکر اس کے قدم خاموش ہو گئے۔ دریا کے پانی کے وہ رنگ جو اسے دھنک رنگ جیسے لگتے تھے، اس لمحے وہ تمام دھنک رنگ سیاہ رنگ میں تبدیل ہو چکے تھے، یہ شاید اس کے نصیب کی وہ سیاہی تھی جس نے دریا کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ دریا کے پاس اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کی تمام محرومیاں اس کے سامنے کھڑی ہو کر زور زور سے اس کی بے بسی پر قہقہے لگانے لگیں۔ دریا کی وہ دلکش آواز اب ایک المیہ گیت میں ڈھل چکی تھی۔ اس نے سامنے نظر دوڑائی تو دور تک پھیلے بلند و بالا پہاڑ بھی اسے اپنے ساتھ روتے ہوئے نظر آئے۔ وہ پورا علاقہ ہی شاید اس کی ناکام محبت کا ماتم منا رہا تھا۔ ناکامی کا لفظ اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ زندگی میں بہت دفعہ اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ہر ناکامی کے بعد اس کے اپنے اس کے اندر سے مایوسی کے سارے اجزاء نکال دیتے تھے اور وہ پھر سے ایک نئے راستے پر چل پڑتا تھا مگر اس بار کی چوٹ بہت گہری تھی۔ زخم دینے والے کوئی اور نہیں اس کے اپنے تھے۔ جذباتی تو وہ شروع سے ہی تھا اس لیے ہر بار کی طرح اس بار بھی بدگمانی کی عینک پہن کر ہی سب کو دیکھ رہا تھا۔ منفی سوچیں پوری طرح اس کے دل و دماغ میں پھیل چکی تھیں، وہ کچھ دیر آنسو بہاتا رہا اور پھر ایک بے خودی کے عالم میں اس نے اپنا آپ دریا کی لہروں کے سپرد کر دیا، صبح سورج کی آمد کے ساتھ ہی اس شہر میں اس کی خبر پوری طرح پھیل چکی تھی۔ اس کی لاش بھی جلد ہی مل گئی، اس کی موت پر سب سے زیادہ آنسو بھی اسی انسان نے بہائے تھے جس سے وہ سب سے زیادہ نفرت کرتا تھا۔

وہ شہزادی پچھلے کئی ماہ سے ایک ظالم دیو کی قید میں تھی۔ اپنے شہزادے کا انتظار کرتے کرتے اسے بہت دن بیت چکے تھے۔ اس زندان میں اپنی خوداری اور عزت نفس کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے اسے نہ جانے کتنا وقت ہو چکا تھا۔ اپنی شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ وہ شخص روزانہ ہی اس کی عزت نفس کو پامال کرتا اور زبردستی اس سے ایک ایسی بات منوانا چاہتا تھا جو اس کے بس میں نہیں تھی۔ اتنے دنوں میں اسے بہت اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ شخص کون ہے اور اس کا اس کے ساتھ کیا رشتہ ہے۔ شاید اسی رشتے کا پاس تھا جو ابھی تک اس کی عزت محفوظ تھی۔ وہ خود سے لڑتے لڑتے تھک چکی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ ایک روز اسی زندان میں وہ اپنی زندگی کی بازی ہار جائے گی، اسے اب انسانوں سے خوف آنے لگا تھا۔ اپنی ذہنی حالت بھی اسے اب ٹھیک نہیں لگتی تھی۔ ان تمام دنوں میں وہ بہت کمزور ہو چکی تھی ویسے بھی اسے کھانے پینے اور سونے جاگنے سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی، دیکھنے میں وہ ایک زندہ لاش ہی نظر آتی تھی۔ اپنے مسیحا کی آمد کا وہ روز انتظار کرتی تھی مگر وہ بھی لگتا تھا کسی پہاڑی راستے پر اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے خود کہیں کھو گیا ہے۔

اپنے رب کے آگے اس نے کتنے ہی سجدے کر ڈالے تھے مگر رب کائنات کو بھی ابھی اس کا اور امتحان مقصود تھا۔ وہ اس شخص کی منتیں کرتی، اسے نہ جانے کون کون سے واسطے دیتی تھی مگر وہ شخص اس کی ہر ایک بات کو ہنسی میں اڑا دیتا تھا۔ وہ بہت تھک سی گئی تھی اور شاید وہ اس شخص کی بات مان کر اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیتی مگر کاتب تقدیر کو اس پر رحم آ ہی گیا اور ایک روز اس زندان کا دروازہ کھل گیا۔ شہزادی کے آنسوؤں کو سمیٹنے اس کا شہزادہ آن پہنچا تھا، اس کا مسیحا اسے لینے آ گیا تھا۔

☆......☆

بارش کو پیر چناسی کے ان پہاڑوں پر برسنا ہمیشہ سے بہت پسند تھا، یہی وجہ تھی کہ آئے روز بادلوں کے چند ننھے ننھے مسافر پانی سے بھرے ہوئے سامان کے ساتھ پہاڑوں کے پاس آکر کھڑے ہو جاتے تھے اور پھر کبھی کم اور کبھی زیادہ پانی کی بوندوں سے اس پورے علاقے کو سیراب کر دیتے۔ سورج وہاں اپنا رنگ کم ہی جماتا تھا اور سورج اور بادلوں کی آنکھ مچولی سے اکثر وہاں کے مکین محظوظ ہوتے رہتے تھے۔ اس روز بھی بارش کی چند بوندوں نے ہلکی ہوا کے ساتھ مل کر موسم کو ایک حسین رنگ دے رکھا تھا۔ تمام سیاح بس سے اتر کر اب اپنے اپنے انداز میں اس جگہ کی خوب صورتی کا لطف اٹھا رہے تھے۔ عمارہ اور حرا بھی ان دلکش نظاروں کو دیکھنے میں محو تھیں۔

"عمارہ! میری ایک تصویر تو بنا دو۔" حرا نے وہاں موجود ایک پتھر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بس ایک اور پلیز......" اب وہ ایک درخت کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

عمارہ کو کچھ دیر تو حرا کے ساتھ تصویروں کا یہ کھیل اچھا لگتا رہی مگر چند تصویریں اتارنے کے بعد وہ حد سے زیادہ بیزار دکھائی دینے لگی تھی۔

"حرا ڈیئر! کچھ دیر کے لیے یہ کیمرہ ایک طرف رکھ دو، وہ دیکھو سامنے پہاڑ یوں لگ رہا ہے جیسے دھنک کے سارے رنگ گرنے لگے ہوں۔ اس خوشبو کو محسوس کرو جو ہمارے دائیں، بائیں، اوپر، نیچے آگے پیچھے محو رقص ہے۔" عمارہ ایک جذب کے عالم میں بول رہی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ یہ ساری خوشبو اپنے اندر اتار رہی ہو۔

"او کے یار! بس یہ لاسٹ پکچر بنا دو، پھر گوتم بدھ کی طرح کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر نروان حاصل کر لینا، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔"

آخری جملہ ادا کرتے ہوئے حرا کے چہرے پر شرارت کے سات رنگ جمع ہو گئے تھے۔ اس کی طنزیہ مسکراہٹ کو عمارہ نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ حرا اب پہاڑ پر بنے ہوئے ایک مزار کے پاس کھڑی تھی اور عمارہ نے اسے نیچے کھڑے ہو کر فوکس کرنا تھا۔

"تھوڑا اور پیچھے جاؤ یار! یہ پیچھے والی پوری پہاڑی نظر آنی چاہیے۔"

حرا کی اس بات پر عمارہ تھوڑی اور پیچھے ہوئی، وہ تصویر اتارنے میں اس قدر محو تھی کہ اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ وہ بالکل کنارے پر کھڑی ہے اور نیچے بہت گہری کھائی ہے، وہ تصویر کا زاویہ درست کر رہی تھی کہ اچانک سے اس کا پاؤں پھسلا کیمرہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی نیچے کی طرف گرنے لگی۔ اس سے پہلے کہ زندگی بھی اس کے ہاتھ سے پھسل جاتی اچانک سے دو بھاری مضبوط ہاتھوں نے اسے اوپر کی طرف کھینچ لیا۔ یہ سب اس قدر اچانک ہوا تھا کہ کچھ دیر کے لیے عمارہ کو سمجھ ہی نہیں آیا کہ اس کے ساتھ یہ ہوا کیا ہے۔ وہ جب حواسوں کی دنیا میں واپس آئی تو دیکھا کہ تمام لوگ اوپر کھڑے اس کی زندگی کی دعائیں مانگ رہے تھے اور حرا کی تو رو رو کر آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں مگر اب وہ سب کے درمیان تھی اور خوش تھی کہ

زندگی اسے دوبارہ مل گئی ہے۔ وہ کئی بار شکر گزار نظروں سے اپنے اس محسن کو دیکھ چکی تھی جس کی جرأت اور ہمت کی بدولت وہ سب کے درمیان تھی، ورنہ تو وہ شاید کب کی ان پہاڑوں کے درمیان فنا ہو چکی ہوتی مگر معجزہ رونما ہو چکا تھا اور اسے خراش تک نہیں آئی تھی۔ اس کے محسن کا نام کیپٹن ریان تھا جو اپنی فیملی کے ساتھ وہاں گھومنے کے لیے آیا تھا۔ اس بھوری آنکھوں والے فوجی نے عمارہ کو پہلی ہی نظر میں بہت متاثر کیا تھا اور آنے والے دنوں میں اسے بہت اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنا دل ریان کے آگے ہار چکی ہے مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اسی جگہ پر وہ کسی اور کی نظروں کے حصار میں آ چکی ہے اور ان نظروں نے ہمیشہ کے لیے اسے اپنانے کا فیصلہ بھی کر لیا ہے۔

☆......☆

کرنل خاور کے گلشن کے دو ہی پھول تھے جو ان کی کل کائنات تھے، ان کی پھیکی اور بے رنگ زندگی میں بہار ان کے دونوں بیٹوں ایان اور ریان کے دم سے ہی تھی۔ ان کے دونوں بچے ابھی بہت چھوٹے تھے کہ ایک روز ایک کار حادثے کے نتیجے میں ان کی بیگم انہیں ہمیشہ کے لیے اکیلا چھوڑ کر اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئیں۔ اس خوفناک حادثے نے انہیں اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ ان کی بیگم اگر ان کی صرف شریک حیات ہوتیں تو وہ اسے ایک اتفاقی حادثہ سمجھ کر کچھ عرصے کے بعد دوبارہ سے اپنی زندگی میں مگن ہو جاتے مگر وہ تو ان کی محبت تھیں اور اپنی محبت کو منوں مٹی تلے دفنانا کوئی آسان کام تھوڑی ہوتا ہے۔ وہ کوئی عام آدمی ہوتے تو اپنی محبت کے زیر اثر شاید اپنے بچوں پر توجہ نہ دے پاتے یا پھر کسی وقتی سہارے کو تلاش کرتے مگر وہ تو ایک فوجی تھے اور فوجی تو بڑے سے بڑے امتحان سے بھی ہنس کر گزر جاتا ہے۔ سو انہوں نے بڑی جرأت اور ہمت کے ساتھ اپنے بچوں کی پرورش کا بیڑہ اٹھایا۔ وہ بیک وقت اپنے بچوں کے باپ بھی تھے اور ماں بھی اور یہ دونوں کردار وہ بخوبی نبھا رہے تھے۔ ریان ان کا بڑا بیٹا تھا اور اپنی ماں کی طرح سمجھدار اور انتہائی ذمہ دارانہ شخصیت کا مالک تھا۔ جب کہ اس کے مقابلے میں ایان انتہائی لاپرواہ اور شرارتی ذہن کا مالک تھا۔ ریان کا تعلیمی ریکارڈ انتہائی شاندار تھا۔ اس کی طرف سے انہیں کبھی کوئی شکایت نہیں ملی تھی بلکہ اس کے اسکول اور پھر کالج میں انہیں ہمیشہ ایک خاص اہمیت ملتی تھی۔ اپنے بیٹے کی تعریفیں سن کر ان کا سر فخر سے بلند ہو جاتا تھا مگر انہی اداروں میں اساتذہ کی زبانی جب وہ ایان کی شکایات سنتے تھے تو انہیں شدید قسم کی شرمندگی محسوس ہوتی تھی اگر وہ شکایات صرف ہوتیں پڑھائی کے حوالے سے ہوتیں تو انہیں اتنی شرمندگی نہ ہوتی مگر اکثر شکایات اس کے کردار اور بدتمیزیوں کے حوالے سے ہوتی تھیں جن کا نشانہ اس کے ساتھی طلباء اور اساتذہ بنتے رہتے تھے۔ کرنل خاور اب اس پر بہت سختی کرنے لگے تھے مگر وہ کسی کی سنتا کب تھا۔ ریان ایسے موقعوں پر اکثر اپنے بھائی کی ڈھال بن جایا کرتا تھا۔ ایان کی بدتمیزیاں صرف اس کے تعلیمی اداروں تک محدود نہیں تھیں۔ بلکہ وہ ریان کے ساتھ بھی بہت بدتمیزی سے بات کیا کرتا تھا۔ ان دونوں کی عمروں میں دو ہی سال کا فرق تھا اور ایان کی نظر میں یہ فرق کوئی فرق نہیں تھا۔ ریان اپنے بھائی کی ہر بدتمیزی کو ہنس کر سہہ جاتا تھا اور کرنل خاور کو بھی صبر کی تلقین کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ ایان کا رویہ خود ہی بہتر ہو جائے گا مگر افسوس ایسا نہیں ہو سکا، وقت اپنی مخصوص رفتار سے گزرتا رہا اور کرنل خاور کے گلشن کے یہ دونوں پھول اسکول کی دنیا سے نکل کر اب کالج کی آزاد فضاؤں میں سانس لینے لگے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کے بچے ان ہی کی طرح فوج میں شامل ہوں۔ ریان نے اپنی

گریجویشن مکمل کرنے کے بعد فوج میں کمیشن مکمل کر لیا تھا اور اب وہ ایک کمیشنڈ آفیسر تھا، جب کہ ایان فوج میں بھرتی کے لیے ابتدائی ٹیسٹ ہی پاس نہیں کر سکا تھا۔ اس نے دو سے تین بار کوشش کی مگر ہر بار ناکام رہا پے در پے ناکامیوں نے اس کے مزاج پر بہت برا اثر ڈالا تھا، وہ اپنی ہر ناکامی کا ذمہ دار اپنے بھائی کو سمجھتا تھا۔ بھائی سے نفرت کا معمولی بیج اب ایک تناور درخت بن چکا تھا۔ کرنل خاور نے اس کا داخلہ ایک پرائیویٹ یونیورسٹی میں کروا دیا تھا مگر اب اسے پڑھائی سے بھی نفرت ہو گئی تھی۔ ریان جو اب کشمیر میں پوسٹڈ تھا۔ اس نے کچھ عرصے کے لیے ایان کو اپنے پاس بلا لیا تا کہ اس کے مزاج کی تلخی کچھ کم ہو سکے وہ تو اپنے والد کو بھی پاس بلانا چاہتا تھا مگر وہ ریٹائرمنٹ کے بعد اپنا شہر چھوڑنے پر تیار نہیں تھے۔ ویسے بھی انہوں نے اپنے آبائی شہر کوہاٹ میں ایک اسکول کھولا تھا وہ تمام تر توجہ اب اپنے اسکول کو دینا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ اب ریان کے سر پر سہرا دیکھیں۔ اس مقصد کے لیے وہ اپنے دوست کی بیٹی پسند کر چکے تھے۔ بس انہیں ریان کی رضامندی کا انتظار تھا انہیں امید تھی کہ ان کا فرمانبردار بیٹا اس معاملے میں بھی ان کی پسند پر اپنا سر جھکا دے گا۔ مظفر آباد آ کر ایان کے مزاج پر بہت اچھا اثر پڑا تھا۔ اسی لیے ریان اسے اپنے ساتھ لے کر پیر چناسی کے پہاڑوں پر چلا گیا تھا، جہاں پر حادثے کے نتیجے میں عمارہ ان کی زندگی میں شامل ہو گئی تھی اور عمارہ کے آنے کے بعد ان سب کی زندگی پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔

☆......☆

عمارہ کو پہاڑوں سے عشق تھا۔ اسی لیے وہ سال میں [illegible] مرتبہ اپنی تمام مصروفیات چھوڑ کر پہاڑوں سے ملنے ضرور آتی تھی۔ ان پہاڑوں سے اس کی دوستی بہت پرانی تھی۔ وہ بہت چھوٹی سی تھی جب اس کے بابا اسے اور اس کی ممی کو لے کر پہاڑوں پر کچھ وقت گزارنے آئے تھے تب پہلی بار اس نے پہاڑوں کی سرگوشیوں کو محسوس کیا تھا۔ بادلوں کی گڑگڑاہٹ کو بہت قریب سے سنا تھا۔ بارش کے قطروں کو اپنی ہتھیلیوں پر رکھ کر پہاڑوں سے باتیں کی تھیں، پہاڑوں کے ساتھ ہنستے مسکراتے اس نے اپنا ہاتھ دوستی کے لیے پہاڑوں کی طرف بڑھا دیا تھا اور اسے یوں لگا کہ پہاڑوں نے بھی مسکرا کر اس کی دوستی کی پیشکش کو قبول کر لیا تھا۔ اپنے شہر واپس آ کر وہ کتنے ہی دن اپنے بابا سے ان بلندیوں پر دوبارہ جانے کی ضد کرتی رہی تھی اور ان دنوں تو اس نے ان کوہساروں کے قریب ہی ایک خوب صورت سا گھر بنانے کی اپنے بابا سے فرمائش بھی کر دی تھی۔ اس کے بابا اسے ہر سال کوہساروں کے پاس لے تو جاتے تھے مگر اس کی گھر والی خواہش کو انہوں نے کبھی پورا نہیں کیا۔ اس کے بابا ڈاکٹر شہر کے ایک معروف ڈاکٹر تھے۔ جب کہ اس کی والدہ ڈاکٹر حلیمہ کا شمار بھی انتہائی قابل ڈاکٹرز میں کیا جاتا تھا۔ اپنے والدین کی ہی خواہش پر اس نے میڈیکل پروفیشن کا انتخاب کیا تھا، اب وہ میڈیکل کے چوتھے سال میں تھی، میڈیکل کی سخت پڑھائی نے بھی اس کے سیر و سیاحت کے شوق کو کم نہیں کیا تھا، اس لیے وہ اکثر چھٹیوں میں اپنی کسی نہ کسی دوست کو لے کر پہاڑوں سے ملنے پہنچ جاتی تھی۔ اس روز بھی وہ اپنی ایک دوست کو لے کر کشمیر کے خوب صورت پہاڑی مقام پیر چناسی کو دیکھنے پہنچ گئی تھی۔ یہاں وہ پہلے بھی آ چکی تھی مگر ہر بار یہ پہاڑی راستے اسے نئے نئے سے لگتے تھے۔ اس کے ساتھ پہلے کبھی کوئی حادثہ پیش نہیں آیا تھا مگر ان پہاڑوں پر نہ جانے کیسے اس کا پاؤں پھسل گیا۔ کیپٹن ریان کی بروقت مدد سے اس کی زندگی اسے واپس مل گئی تھی۔

اس حادثے سے وہ کچھ خوفزدہ تو ضرور ہوئی تھی مگر کسی کی جرأت و ہمت نے اسے بہت متاثر بھی کیا تھا۔ کچھ دن بعد وہ اور حرا واپس جا رہی تھیں مگر اس بار واپسی کا سفر بہت خوب صورت تھا۔ تمام رستے ایک خوب صورت انسان کا خیال اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور ان پہاڑوں کو الوداع کہتے ہوئے اس نے ہنستے مسکراتے محبت کی حسین وادی میں قدم رکھ دیا۔

☆......☆

اپنے خوابوں کو کبھی کہہ نہ سکا تھا تم سے
ان کو چپ چاپ نگاہوں میں چھپا لیتا تھا
عمر بھر جو کبھی آباد بھی نہ ہو شاید
اب وہ لڑکا تو تمہیں یاد بھی نہ ہو شاید

ایان نے غزل مکمل کر کے اپنی ڈائری بند کر کے رکھ دی اور گلاس ونڈو سے باہر ہونے والی بارش کا نظارہ کرنے لگا۔ اب اسے اس من موہنی صورت والی اپسرا کا سراغ لگانا تھا جس نے پہلی ہی نظر میں اسے اپنا اسیر بنا لیا تھا۔

ڈاکٹر یوسف کا شمار شہر کے انتہائی قابل ماہر امراض دل میں ہوتا تھا۔ وہ روزانہ کتنے ہی آپریشنز کرتے تھے۔ ان کی اپنی صحت قابل رشک تھی اور کوئی خاص بیماری بھی نہیں تھی مگر ایک روز جب وہ آپریشن تھیٹر سے باہر آئے تو اچانک سے انہیں اپنے سینے میں شدید قسم کے درد کا احساس ہوا۔ وہ اس مرض کے ماہر تھے اس لیے فوراً سے پہلے اپنی بیماری سمجھ گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی دوا لیتے انہیں دو تین شدید قسم کے درد کے جھٹکے محسوس ہوئے اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ انہیں ایمر جنسی میں شفٹ کر دیا گیا۔ عمارہ جسے کشمیر سے واپس آئے ابھی چند گھنٹے ہی ہوئے تھے یہ خبر سنتے ہی وہ شدید پریشانی کے عالم میں اسپتال کی طرف بھاگی تھی۔ یہی حال ڈاکٹر حلیمہ کا بھی تھا۔ ڈاکٹر یوسف کی حالت ٹھیک نہیں تھی، ڈاکٹرز ان کی زندگی بچانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اسپتال میں زندگی اور موت کے درمیان جنگ لڑتے ہوئے ڈاکٹر یوسف کو دو دن ہو چکے تھے۔ انہیں ہوش تو آ گیا تھا مگر ابھی بھی ڈاکٹرز ان کے حوالے سے زیادہ پرامید نہیں تھے۔ عمارہ کمزور دل کی مالک نہیں تھی مگر اپنے بابا کی بیماری نے اسے دو دنوں میں نڈھال کر دیا تھا۔ اس روز بھی عمارہ ایمر جنسی روم کے باہر بچھے بینچ پر بیٹھی اپنے بابا کی زندگی کی دعائیں مانگ رہی تھی کہ اچانک اس نے کیپٹن ریان کو شعبۂ ایمر جنسی میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا وہ اکیلا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ اس کے بابا کے ایک دوست بھی تھے جو ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی ان کے گھر مہمان کی حیثیت سے ٹھہرے تھے۔ اسپتال کے شعبہ ایمر جنسی میں روزانہ کتنے ہی لوگ آتے ہیں۔ اس لیے اس کا یوں اچانک شعبۂ ایمر جنسی میں آنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ حیرت کا جھٹکا عمارہ کو تب لگا جب ریان اور اس کے ساتھ آنے والے اپنے بابا کے دوست کو اس نے اپنی والدہ کے ساتھ اپنے والد کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی کہ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر حلیمہ باہر آ کر اسے اپنے ساتھ لیے اندر کمرے میں آ گئیں۔ اس کمرے میں اپنے والد کو اس طرح مشینوں کے زیر اثر لیٹے ہوئے دیکھ کر درد کی ایک شدید لہر اس کے اندر اٹھی تھی۔ وہ رونا چاہتی تھی مگر ڈاکٹر حلیمہ نے اسے ایسا کرنے سے سختی سے منع کر رکھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے والد ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے پاس بلا رہے ہیں، وہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے اپنے آنسو پونچھتی ہوئی زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اپنے والد کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ اس سے کچھ کہہ رہے تھے۔ وہ ان کے قریب ہو کر ان کی بات غور سے سننے کی کوشش کرنے لگی۔

''عمارہ بیٹا! میری حالت اچھی نہیں ہے، کوئی پتا

اس سرجری کے بعد میں زندہ بھی رہ پاؤں یا ... یہ میرے بچپن کے دوست کرنل خاور ہیں، تم ... جانتی ہو، یہ کچھ ماہ پہلے بہت سالوں بعد مجھے ... ی طور پر ملے تھے، انہوں نے اپنے بیٹے ایان ... لیے تمہارا رشتہ مانگا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ ابھی ... ے سامنے تم دونوں کا نکاح ہو جائے، اپنے ... تے ہوئے باپ کی اس خواہش کو تم پورا کرو گی؟'' ... ابھی ڈاکٹر یوسف کچھ اور بھی کہنے والے تھے مگر ... ارہ نے ان کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھتے ہوئے ... اثبات میں ہلا دیا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے ... ٹر یوسف کی ہتھیلیوں پر گرتے جا رہے تھے۔ ... حلیمہ نے آگے بڑھ کر اسے خود سے قریب ... لیا، کرنل خاور اور ریان کی آنکھوں میں بھی یہ منظر ... نمی چھلکنے لگی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں نکاح ... اور کچھ گواہان کا انتظام کیا گیا اور اسپتال کے ... رے میں ڈاکٹر یوسف کے سامنے عمارہ کو کیپٹن ... احمد کے نکاح میں دے دیا گیا۔ ڈاکٹر یوسف ... شاید جان گئے تھے کہ ان کے پاس زیادہ وقت ... ہے۔ اسی لیے انہوں نے اپنے فرض سے ... روش ہونا ضروری سمجھا، ان کے دل کا آپریشن کیا ... مگر آپریشن کے دوران ہی وہ زندگی کی بازی ہار ... ، ان کی موت عمارہ اور ڈاکٹر حلیمہ کے لیے بہت ... صدمہ تھا۔ ایسے میں کرنل خاور اور ریان نے ... بہت سہارا دیا۔ تب عمارہ کو احساس ہوا کہ ... ٹر یوسف نے اس کے حق میں کتنا صحیح اور بروقت ... لہ کیا تھا اور اس فیصلے کے مثبت اثرات تھوڑے ... رصے بعد اس پر ظاہر ہونے لگے تھے۔

☆......☆

مظفر آباد کے خوب صورت موسم اور دلکش ... روں نے ایان احمد کے اندر کی اداسیوں کو بہت ... کم کر دیا تھا اور اب تو کسی کی محبت کی ہلکی پھوار ... اس کی روح تک کو سرشار کر دیا تھا۔ ابھی تین روز پہلے تو ریان اپنے والد کرنل خاور کے حکم پر کراچی چلا گیا تھا۔ وہ تو ایان کو بھی اپنے ساتھ لے کر جانا چاہ رہا تھا مگر ایان ابھی فی الحال اس خوب صورت شہر کو چھوڑنے پر تیار نہیں تھا، اس لیے اس نے جانے سے معذرت کر لی تھی۔ بلکہ اسے اکیلے رہنے میں زیادہ خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دو دن اس نے بہت سکون سے گزارے تھے مگر تیسرے دن فون پر ریان کے ایمر جنسی میں نکاح کی خبر سن کر اسے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا تھا۔ اپنے والد کی زبانی نکاح کی تمام تفصیلات سن کر اسے کچھ خاص خوشی نہیں ہوئی تھی، ویسے بھی اسے ریان اور اس کی منکوحہ کے ذکر سے کچھ خاص دلچسپی نہیں تھی، اس لیے اس نے رسمی طور پر مبارک باد دے کر فون بند کر دیا، وہ اب جلد از جلد اس لڑکی تک پہنچنا چاہتا تھا جس نے اس کی راتوں کی نیندیں اڑا دی تھیں۔ وہ اس لڑکی کو ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے موبائل پر اس کی کچھ تصویریں بھی اتار لی تھیں۔ جنہیں وہ دن رات دیکھتا رہتا تھا۔ ایان نے اپنے اور اس لڑکی کے حوالے سے ڈھیروں خوشنما سے خواب دیکھ لیے تھے۔ ریان کے آنے سے پہلے اس نے اس لڑکی کے متعلق تمام معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اب اسے کسی طریقے سے اس لڑکی سے رابطہ کرنا تھا مگر ریان کے واپس آتے ہی ایک دل ہلا دینے والا انکشاف اس کا منتظر تھا۔

☆......☆

کراچی ریان احمد کے لیے بالکل ایک اجنبی شہر تھا مگر اجنبی شہروں سے انسان کو مانوس ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگتا، ہاں اگر ہمسفر اجنبی ہو تو پھر دل کو بہلنے میں بہت وقت لگتا ہے۔ اسے وہ لڑکی اچھی طرح یاد تھی، جسے بچانے کے لیے اس نے اپنی جان خطرے میں ڈال دی تھی، اس وقت بھی اس کے دل میں اس لڑکی کی مدد کے علاوہ کوئی اور جذبہ کارفرما

نہیں تھا اور اب بھی صرف یہی ایک احساس دامن گیر تھا کہ اسے اپنے بابا کی خواہش پوری کرنی ہے۔ اس کے بابا جان نے محض ایک فون کال پر اس کی مدد مانگی اور اس نے فوراً سے پہلے ان کی آواز پر لبیک کہا۔ ہمسفر کے روپ میں اسی ڈری سہمی لڑکی کو دیکھ کر ایک خوشگوار قسم کی حیرت ہوئی تھی۔ عمارہ اس کے بابا کی پسند تھی اور اپنے بابا کی پسند اسے دل و جان سے قبول تھی۔ ریان کے نکاح کے محض ایک دن بعد ڈاکٹر یوسف کا انتقال ہو گیا۔ ڈاکٹر یوسف پہلے صرف اس کے بابا کے دوست تھے مگر اب یہ دوستی رشتہ داری میں بدل گئی تھی اس لیے ان کی موت کے بعد تدفین تک کے تمام تر انتظامات انہوں نے ہی سنبھالے تھے۔ ریان نے صحیح معنوں میں ان کے بیٹے ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ صدموں سے چُور عمارہ اور ڈاکٹر حلیمہ کو بھی وہی دونوں زندگی کی طرف واپس لا رہے تھے۔ ریان حیران تھا کہ نکاح کے محض چند بولوں میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی کہ اب اس لڑکی کے آنسو اسے اپنے دل پر گرتے محسوس ہونے لگے تھے۔ کسی کا دکھ اس کے اندر کی دنیا کو بھی اداس کر رہا تھا۔ اس کی چھٹی ختم ہو گئی تھی۔ اب اسے کشمیر واپس جانا تھا۔ کرنل خاور تو عمارہ کو بھی اس کے ساتھ بھیجنا چاہتے تھے مگر ڈاکٹر حلیمہ ابھی عدت میں تھیں۔ اس لیے رخصتی کے لیے عدت کے بعد کا وقت رکھا گیا تھا۔ ریان کو پہلی بار کشمیر اکیلے جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ دو بھیگی بھیگی آنکھیں اسے اپنے ساتھ جاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ جاتے سمے کسی کی ہلکی سی مسکراہٹ نے جیسے اسے اقرار کی ڈور تھما دی تھی۔ وہ بہت خوش تھا اور مستقبل کے حوالے سے ڈھیروں خواب اس کی آنکھوں میں اتر آئے تھے۔ اس کے پاس ایان کو سنانے کے لیے ڈھیر ساری باتیں تھیں۔ اس نے عمارہ کی ایک تصویر بھی اپنے موبائل میں محفوظ کر لی تھی، اب اسی تصویر کو دیکھ کر اس نے یہ چند ماہ گزارنے تھے، یہی تصویر اس نے ایان کو بھی دکھانی تھی اسے امید تھی کہ ریان کو بھی معصوم سی شکل و صورت والی اپنی بھابی بہت پسند آئے گی۔ انہی سوچوں میں گم مستقبل کے تانے بانے بنتا وہ مظفر آباد پہنچ گیا۔ جہاں ایان نے انتہائی سرد مہری سے اس کا استقبال کیا وہ ایان کے ایسے رویے کا عادی تھا، اس لیے اس نے کچھ خاص محسوس نہیں کیا اور پہنچتے ہی اسے اس ایمرجنسی شادی اور یوسف انکل کی اچانک وفات کا بتانے لگا مگر ایان کی بیزاری اس کے پورے وجود سے عیاں تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ان ساری باتوں سے اسے بہت کوفت ہو رہی ہو، باتوں ہی باتوں میں ریان نے اپنا موبائل نکالا اور عمارہ کی تصویر نکال کر ایان کی نظروں کے سامنے کر دی تصویر دیکھ کر ایان کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ ساکت آنکھوں سے ریان کی عمارہ کے متعلق تمام گفتگو سن رہا تھا۔ ایان تھوڑی دیر بعد اس کے کمرے سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ایان کتنی ہی دیر سر کو پکڑے بیٹھا رہا۔ اپنے بھائی کے لیے اس کے دل میں جو تھوڑی بہت محبت تھی۔ اس انکشاف کے بعد تو جیسے وہ بھی ختم ہو گئی تھی۔ زندگی نے اس کے ساتھ ایک عجیب کھیل کھیلا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے باپ اور بھائی نے جان بوجھ کر اس کی محبت کو اس سے چھین لیا ہے۔ اسے ہر حال میں اپنی اس محبت کو پانا اور اپنے بھائی کو اس حرکت کا مزہ چکھانا تھا۔ اس رات وہ کئی انتقامی کارروائیوں پر غور کرتا رہا، اگلی صبح اس نے ریان سے اجازت لی کہ اب وہ واپس جانا چاہتا ہے۔ ریان اسے اپنے پاس مزید کچھ دن رکھنا چاہتا تھا مگر اس کی ضد کے آگے اس نے ہتھیار ڈال دیے اور اسے واپس جانے کی اجازت دے دی۔ وہ اپنے والد کے پاس نہیں جا رہا تھا۔ اس کی منزل اب کچھ اور تھی۔ اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ کر وہ اپنے ایک دوست کے پاس ٹھہر گیا تھا اور اب

اپنے دوست کے ساتھ مل کر اپنے منصوبے کو شکل دینی تھی۔

ریان عمارہ کی زندگی میں حادثاتی طور پر ضرور ل ہوا تھا مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ اس کی محبت نے رہ کے دل میں پہلے سے ہی اپنی جگہ بنالی تھی۔ وہ اپنی محبت کو پانے کے خواب دیکھنے میں مصروف ی۔ یوں اچانک سے محبت اس کی جھولی میں آن رے گی۔ ایسا تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ اس غم سے باہر نکلی تو اسے احساس ہوا کہ رت نے اس پر کس قدر مہربانی کی ہے۔ وہ ان قسمت ترین لوگوں میں شامل ہو گئی ہے جن کا ب ان کی محبت کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے وہ سے اب اس دن کی منتظر تھی جس دن ریان اسے ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ پہاڑوں پر لے ئے گا۔ ریان احمد کے حوالے سے نجانے کیسے خواب اس کی پلکوں پر آ کر ٹھہر گئے تھے۔ اب کہ ڈاکٹر حلیمہ کی عدت ختم ہونے والی تھی اس انہوں نے کرنل خاور سے باقاعدہ طور پر رخصتی ات کی تھی۔ طے یہی ہوا تھا کہ ان کی عدت ختم نے کے ایک ہفتے بعد ریان چھٹی پر آئے گا اور ایک سادہ سی تقریب میں چند افراد کی موجودگی عمارہ کو ریان کے سنگ رخصت کر دیا جائے گا۔ عمارہ کو رخصت کرنے کے بعد ڈاکٹر حلیمہ کا ارادہ ون ملک جا کر اپنے شعبے سے متعلق چند کورسز نے کا تھا، ویسے بھی کینیڈا میں ان کی بہن رہتی اور ان حالات میں وہ کسی اپنے کے ساتھ کچھ گزارنا چاہتی تھیں۔ عمارہ کی تو خواہش تھی کہ وہ اس کے اور ایان کے ساتھ رہیں مگر ڈاکٹر حلیمہ یٹی پر کسی قسم کا بوجھ نہیں بننا چاہتیں تھیں۔ وہ ی طور پر ایک نہایت سوشل قسم کی خاتون تھیں مگر شوہر کی وفات کے بعد وہ خود کو بہت اکیلا کرنے لگی تھیں۔ وہ اس غم سے اب باہر نکلنا چاہتی تھیں۔ اس کا واحد طریقہ یہی تھا کہ وہ خود کو بہت زیادہ مصروف کر لیں۔ ڈاکٹر حلیمہ کے ہی کہنے پر عمارہ نے اپنی چند دوستوں کے ساتھ مل کر اپنی شادی کے لیے کچھ خریداری کی تھی، اپنی آنے والی زندگی کے حوالے سے اسے کوئی ڈر یا خوف نہیں تھا بلکہ وہ خوش تھی کہ وہ ایک بہت خوب صورت دل رکھنے والے انسان کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے جا رہی ہے۔ ایان اب اس کے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔ وہ دونوں دنیا کے سب سے خوب صورت رشتے میں بندھ چکے تھے۔ ریان باقاعدگی سے اسے فون کرتا تھا۔ اس سے بات کر کے عمارہ کو اندازہ ہوا تھا کہ وہ صرف ظاہری طور پر نہیں بلکہ باطنی طور پر بھی ایک بہت اچھا انسان تھا۔ اس روز بھی ریان کی پسند کی کچھ چیزیں خرید کر وہ واپس گھر کی طرف جا رہی تھی ابھی اس نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی تھی کہ اچانک سے کسی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا، کچھ ہی دیر میں وہ بے ہوش ہو گئی، اس کے بعد اسے نہیں پتا چلا کہ اس نے کتنا طویل سفر طے کیا تھا، جب اس کو ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک کمرے میں بند پایا، تب اسے معلوم ہوا کہ وہ اغوا کی جا چکی ہے۔ ہر تکلیف اور پریشانی ہمارے وجود کو اندر سے کسی نہ کسی حد تک توڑتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی پریشانیوں اور تکلیفوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اس کا اختتام بالآخر ہمارے پورے وجود کی تباہی پر ہوتا ہے، ڈاکٹر حلیمہ کی اچانک موت سے ریان کو صحیح معنوں میں اندازہ ہوا کہ کیسے غموں کے یہ پہاڑ لمحوں میں مضبوط سے مضبوط انسان کو مٹی کی ڈھیری میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر حلیمہ ابھی اپنے شوہر کی موت کے صدمے سے باہر نکلنے کی کوششوں میں مصروف تھیں کہ اچانک سے عمارہ کے اغوا کی خبر نے ان کے اعصاب پر بہت برا اثر ڈالا تھا۔ ریان، کرنل خاور کے کہنے پر انہیں اپنے

پاس لے آیا تھا مگر ان کی حالت میں کوئی بہتری نہیں آ رہی تھی۔ عمارہ کو تلاش کرنے کے لیے کرنل خاور اور ریان نے اپنے تمام ذرائع استعمال کیے تھے مگر اس کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ ایان نے بھی اس موقع پر ان دونوں کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ وہ بھی ان کے ساتھ مل کر عمارہ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ ایان نے جس طرح عمارہ کی تلاش میں ان دونوں کی مدد کی تھی۔ اس سے کرنل خاور کے دل میں اپنے بیٹے سے متعلق جو شکوے شکایات تھے وہ ختم ہو گئے تھے۔ انہیں خوشی تھی کہ ان کے بیٹے نے ان کے دکھ کو محسوس کیا ہے۔ عمارہ کے اغوا کے ٹھیک ایک ماہ بعد ایک روز اچانک ہی سوتے میں ڈاکٹر حلیمہ کا دل بند ہو گیا اور وہ اپنی بیٹی کا غم لے کر اس دنیا سے چلی گئیں۔ ان کی موت نے ان کے سبھی ملنے جلنے والوں اور دوستوں کو افسردہ کر دیا تھا۔ ریان کو اب ہر حالت میں عمارہ کو تلاش کرنا تھا۔ اب یہی اس کی زندگی کا مقصد تھا۔

☆......☆

مظفر آباد سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر لیپا کی خوب صورت وادی ہے۔ جس کے دلکش نظاروں کو دیکھ کر جنت کا گمان ہوتا ہے۔ ایان نے عمارہ کے لیے اس جنت کی ایک پہاڑی پر چھوٹی سی دوزخ بنا رکھی تھی۔ جہاں وہ جب بھی آتا تھا اسے ذہنی اور جسمانی طور پر بہت بری طرح تشدد کا نشانہ بناتا تھا۔ عمارہ اسے بہت اچھی لگتی تھی اور وہ تو بچپن سے ہی ایسا تھا جو چیز پسند آ جاتی تھی اسے ہر قیمت پر حاصل کر کے ہی رہتا تھا۔ اسے دنیا میں سب سے زیادہ نفرت اپنے بھائی سے تھی۔ اسے لگتا تھا ریان ہر جگہ ہر کسی سے اس کے حصے کی محبت چھین لیتا تھا۔ وہ اپنے بابا اور اساتذہ کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ہر بار کچھ نہ کچھ الٹا سیدھا کرتا رہتا تھا۔ جس سے اسے توجہ تو مل جاتی تھی مگر اس کی شخصیت کا محض منفی تاثر ہی قائم رہ پاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں ریان محض اپنی ذہانت اور اچھے رویے کے باعث سب کی توجہ کا مرکز بن جاتا تھا۔ ایان اسے دیکھ کر سوائے جلنے اور کڑھنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا اور پھر فوج میں کمیشن حاصل کرنے کے بعد تو وہ ہر کسی کا منظورِ نظر بن گیا۔ ایسے میں ایان کے دل میں نفرت کا پنپتا جذبہ تھوڑا اور جوان ہو گیا تھا۔ عمارہ، ریان کی بیوی ہے یہ انکشاف ایان کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ اپنی محبت کو پانے کے لیے اس نے بہتر یہی سمجھا کہ وہ عمارہ سے زبردستی اپنی بات منوا لے۔ اس مقصد کے لیے وہ کراچی گیا اور اپنے ایک دوست کی مدد سے عمارہ کے متعلق تمام معلومات حاصل کر لیں اور مناسب وقت کا انتظار کرنے لگا اور پھر وہ وقت آ ہی گیا، جب وہ عمارہ کو اغوا کر کے کشمیر لے آیا اسے لگتا تھا کہ وہ زور زبردستی سے عمارہ سے طلاق کے کاغذات پر دستخط کروا کر اس سے نکاح کر لے گا مگر عمارہ نہ جانے کس مٹی کی بنی ہوئی تھی۔ اس پر ایان کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ جسمانی اور ذہنی طور پر بہت کمزور ہو گئی تھی مگر ایان کے لیے سوائے نفرت اور غصے کے اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ انہی دنوں اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ایان نے جب یہ خبر عمارہ کو سنائی تو عمارہ کو لگا جیسے کسی نے کھولتا ہوا گرم پانی اس کے اوپر انڈیل دیا ہو۔ کمزور تو وہ پہلے ہی بہت ہو چکی تھی۔ اس خبر کے بعد اسے لگا کہ جو تھوڑی بہت سانسیں اس کے وجود کے اندر باقی رہ گئیں ہیں وہ بھی اب باہر نکل جائیں گی۔ اس کے اندر موجود مزاحمت بھی اب دم توڑ چکی تھی۔ وہ بہت خاموش رہنے لگی تھی اور ایک روز جب ایان نے اپنا پرانا مطالبہ دہرایا تو اس نے سر جھکا دیا۔ ایان بہت خوش تھا اسے لگ رہا تھا اب وادی میں موجود خزاں رسیدہ لمحوں میں بہار نے دستک دینی شروع کر دی ہے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

☆......☆

حمزہ بلال، کرنل خاور کے اسکول کا ایک انتہائی ذہین طالب علم تھا۔ اس کی اسکول کی تعلیم اب مکمل ہونے ہی والی تھی۔ انہیں امید تھی کہ وہ کالج جا کر ان کے ادارے کا نام روشن کرے گا۔ اب کی بار چھٹیوں کے بعد واپس آیا تو انہیں کچھ پریشان لگا۔ وہ حمزہ کو اپنے اسکول کا بہت بڑا اثاثہ سمجھتے تھے۔ اس لیے انتہائی پریشانی کے باوجود وہ حمزہ سے اس کی پریشانی کی وجہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکے۔ جواب میں حمزہ نے انہیں ایک بہت عجیب بات بتائی جسے سن کر وہ بھی پریشان ہو گئے تھے۔ حمزہ نے انہیں بتایا تھا کہ اب کی بار جب وہ گھر گیا تو ان کے گھر سے چند کوس کے فاصلے پر واقع ایک خالی مکان میں کوئی رہنے کے لیے آ گیا تھا مگر عجیب بات یہ تھی۔ وہ جب بھی اس گھر کے پاس سے گزرتا وہاں رونے کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں آتی تھی۔ بہت سی درد بھری سسکیاں تھیں جو اسے بہت بے کل رکھنے لگی تھیں۔ گھر کے باہر سخت قسم کا پہرہ تھا، جس کے ہوتے ہوئے حمزہ کا اندر جانا بہت مشکل تھا لیکن اتنا اسے احساس ہو گیا تھا کہ اندر موجود لڑکی کسی مشکل میں ہے۔ وہ اس کی مدد کرنا چاہتا تھا مگر یہ مدد کیسے ہو گی؟ یہ وہ نہیں جانتا تھا، اسی دوران اس کی چھٹیاں ختم ہو گئیں۔ وہ اپنے ادارے میں واپس تو آ گیا تھا مگر وہ آوازیں اسے سونے نہیں دیتی تھیں۔ کرنل خاور کو یہ سب سن کر دکھ تو بہت ہوا تھا مگر ساتھ ہی حمزہ پر فخر بھی محسوس ہو رہا تھا جو کسی کے دکھ کو دور کرنا چاہتا تھا۔ وہ حمزہ کی ہر طرح کی مدد کے لیے تیار تھے کہ شاید اس طرح اس کی پریشانی کم ہو جائے مگر اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے ساتھ پولیس یا فورسز کے کچھ لوگوں کو لے کر جائیں، پہلے اپنے ایک دوست کے ذریعے انہوں نے حمزہ کی بات کی تصدیق کروائی تو پتا چلا کہ حمزہ کی کہی ہوئی بات میں کچھ صداقت ضرور تھی۔ اس جگہ پر واقعی میں کوئی لڑکی مشکل میں ہے۔ اب انہیں جلد از جلد اس لڑکی کو وہاں سے نکالنا تھا جہاں وہ اپنی زندگی کے اذیت بھرے دن گزار رہی تھی۔ وہ اپنے ساتھ ریان کو بھی لے کر جانا چاہتے تھے۔ ویسے بھی ریان کشمیر کے راستوں سے بہت اچھی طرح واقف تھا اور انہیں امید تھی کہ اس کے ہوتے ہوئے انہیں راستوں کا کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ وہ فورسز کے چند جوانوں حمزہ اور ریان کے ساتھ کشمیر کی طرف چل پڑے اور ایک طویل مسافت طے کرنے کے بعد وہ حمزہ کی بتائی گئی مطلوبہ جگہ پر پہنچ گئے۔ وہ ایک پہاڑی پر بنا ہوا چھوٹا سا مکان تھا، جس کے باہر ایک پہرے دار بندوق تانے کھڑا تھا۔ ریان اور اس کے ساتھیوں نے پہرے دار کو قابو میں کیا اور مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ ایک مختصر سا صحن عبور کرنے کے بعد انہیں ایک کمرہ نظر آیا۔ کمرے کا دروازے بند تھا۔ ریان نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا تو سامنے والا منظر اس کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔ وہ بھائی جس کو وہ دنیا میں سب سے زیادہ چاہتا تھا۔ اس کی منکوحہ کا ہاتھ پکڑتے نہ جانے کیا کچھ بول رہا تھا اور وہ بکھرے بالوں اور میلے کچیلے حلیے والی لڑکی اس کی عمارہ تو ہرگز نہیں تھی۔ خود سے بے نیاز، خلاؤں میں گھورتی لڑکی ذہنی طور پر کسی طرح بھی نارمل نہیں لگ رہی تھی۔ ریان ابھی حیرانگی کے عالم میں کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا اس اذیت ناک منظر نے اس کے اندر کی ساری توانائی چھین لی ہے۔ کرنل خاور نے آگے بڑھ کر ایان کو گریبان سے پکڑ لیا اور اسے مارنا شروع کر دیا۔ وہ پاگلوں کی طرح ایان کو مار رہے تھے۔ ریان نے بڑی مشکلوں سے انہیں قابو کیا۔ اب انہیں کسی نہ کسی طرح اس مسئلے کا حل نکالنا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ سب لوگ ایان اور عمارہ کے ساتھ واپس مظفر آباد جا رہے تھے۔ ریان اور کرنل خاور کو لگتا تھا کہ اس انکشاف

کے بعد وہ اندر سے ٹوٹ گئے ہیں۔ یہ اندرونی زخم بہت گہرے ہوتے ہیں۔ ان کو ٹھیک ہونے میں مدت لگ جاتی ہے مگر ٹھیک ہو کر بھی یہ اپنا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ ایان کا دیا ہوا زخم بھی ایسا ہی تھا۔ ریان کو عمارہ کی بھی بہت فکر تھی۔ کچھ دن مظفر آباد رہنے کے بعد وہ عمارہ کو لے کر کراچی آ گیا اور وہاں کے ایک مشہور ماہر نفسیات سے اس کا علاج کروانے لگا۔ ریان کی محبت اور توجہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ عمارہ تھوڑے ہی عرصے میں زندگی کی طرف واپس لوٹنے لگی، اپنا ماضی وہ ایک ڈراؤنا خواب سمجھ کر بھول جانا چاہتی تھی۔ اب اسے ریان کے ساتھ ایک محبت بھری نئی زندگی کی شروعات کرنی تھی۔

کرنل خاور ایان سے نفرت کرنے لگے تھے بلکہ کرنل خاور ہی کیا ریان بھی جب عمارہ کو روتے ہوئے دیکھتا، اسے ایان سے اتنی ہی نفرت محسوس ہوتی۔ اس کے کراچی جانے کے بعد مظفر آباد میں اب ایان اور کرنل خاور ہی رہ گئے تھے۔ کرنل خاور کا ارادہ بھی کچھ دنوں بعد اپنے آبائی شہر جانے کا تھا۔ وہ ایان سے بات نہیں کرتے تھے مگر وہ باپ تھے آخر کب تک اپنے بیٹے سے نفرت کرتے۔ اس کے چہرے پر ندامت اور پشیمانی دیکھ کر ان کا دل پسیج گیا۔ وہ خود کو ایان کی اس منفی شخصیت کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ ایان انہیں ٹھیک نہیں لگتا تھا۔ وہ بہت چپ چپ رہنے لگا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اس کی خاموشی کے پیچھے کیا راز ہے۔ اگر جانتے ہوتے تو اسے کبھی بھی اس رات اکیلے دریا پر نہ جانے دیتے۔ انہیں خبر بھی نہیں ہوئی اور ایان انہیں بتائے بغیر آدھی رات کو دریا کی طرف چل پڑا۔ صبح صادق کو انہیں اس کی موت کی خبر مل گئی۔ جوان بیٹے کی موت نے انہیں آدھا کر دیا تھا۔ ریان بھی اپنے بھائی کی موت پر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔ ایان نے کبھی اس کی محبت کو نہیں سمجھا تھا اور اس بار بھی کچھ کہے سنے بغیر وہ اسے دائمی جدائی کا غم دے کر چلا گیا۔ ابھی وہ ایان کی موت کے غم سے باہر نہیں نکلا تھا کہ ایک روز اس کے بابا کرنل خاور بھی ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ ان حالات میں عمارہ اگر اسے نہ سنبھالتی تو وہ کب کا خود کو ختم کر لیتا۔ یہ عمارہ کی محبت ہی تھی جو اسے زندگی کی طرف واپس لے آئی تھی۔

☆......☆

یہ کوہاٹ شہر کے ایک شہر خاموشاں کا منظر ہے جہاں پہاڑوں کے درمیان دو قبریں بنی ہوئی ہیں۔ یہاں پر روزانہ ایک شخص آتا ہے کبھی وہ اکیلا آتا ہے اور کبھی اس کی بیوی اور بیٹا بھی اس کے ساتھ آتے ہیں۔ یہ قبریں ایان اور کرنل خاور کی ہیں۔ اس شخص کا نام کرنل ریان ہے اور یہ قبریں اس کے باپ اور بھائی کی ہیں۔ اسے ہمیشہ یہ لگتا تھا کہ اس کا باپ اس کے بھائی کو زیادہ چاہتا ہے اور اس کے بھائی کے جانے کے بعد اس کا باپ بھی اپنے بیٹے کے پاس ہمیشہ کے لیے چلا گیا۔ اس نے ہمیشہ کے لیے اپنے قیمتی رشتوں کو کھو دیا۔ ان مشکل حالات میں اس نے اور عمارہ نے کیسے ایک دوسرے کو سنبھالا یہ وہی جانتے تھے مگر ان دونوں کے درمیان محبت نے غم کے اس احساس کو بہت حد تک کم کر دیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کا نام ایان رکھا تھا مگر اس نے اسے ویسا ایان نہیں بنانا تھا بلکہ اسے زندگی سے محبت کرنے والا ایان بنانا تھا اور اسے امید تھی کہ یہ ایان کسی سے نفرت اور حسد نہیں کرے گا۔ اب وہ واپس اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں عمارہ اور ایان اس کے منتظر تھے۔ اسے امید تھی کہ آنے والے وقت میں اب کوئی ایان کسی عمارہ کو اپنی ضد کی بھینٹ نہیں چڑھائے گا اسے محبتوں کا ایک جہان بسانا تھا اور وہ پرامید تھا کہ وہ ایسا کر گزرے گا۔

......☆......

جویریہ بانو

میں پاکستانی ہوں

لاہور ایئر پورٹ ساڑھے دس' پندرہ منٹ بعد میری نیویارک کی فلائٹ تھی کافی کا مگ ہاتھ میں لئے میں وقت گزاری کے لئے وزیٹنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا۔

''پاکستانی؟'' میرے ساتھ بیٹھے شخص نے دھیرے سے پوچھا۔

''نو''۔ میں نے ہنس کر کہا۔



''کیوں؟ جب پیدا یہاں ہوئے ہو تو پاکستانی کیوں نہیں ہو؟'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

''میں پیدا یہاں ہو گیا یہی بہت ہے' اس سے زیادہ نہیں جھیل سکتا اس ملک کو' دنیا اس ملک سے بہت آگے ہے میرے دوست''۔ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''یعنی تمہارے خیال سے اس ملک کے بیس کروڑ سے زائد لوگ پاگل ہیں جو یہاں رہ رہے ہیں؟''

''ہاں بالکل''۔ میں نے فوراً جواب دیا۔

''تم ایک دن اس ملک کو چھوڑ کر کہیں اور [illegible] دیکھنا' دوبارہ یہاں نہیں آؤ گے''۔ میں نے اسے چیلنج کیا تھا۔

''اچھا' ایسا کیا ہے تمہاری کوسوں آگے کی دنیا میں؟'' اس نے طنزیہ سے انداز میں پوچھا۔ میں اس کے سوال کی بے وقوفی اور حماقت پر زور سے ہنسا تھا' اسے شاید معلوم نہیں تھا کہ وہ یہ سوال نیویارک کے ایک عام سے رہائشی سے نہیں بلکہ دنیا کا کونا کونا چھان مارنے والے ایک سیاح سے کر رہا ہے۔

''پوچھو کیا نہیں ہے اس دنیا میں' تمہارے اس بیس کروڑ کی آبادی سے زیادہ خوبصورت' زیادہ گنجان



آباد اور زیادہ ترقی یافتہ ملک ہیں دنیا میں' واشنگٹن ڈی سی' ورجینیا' پیرس' ہوائی' وی آنا' ماریشس جیسے شہروں میں جاؤ تو تمہیں پتہ چلے کہ خوبصورتی کیا ہوتی ہے' بولیویا کی وہ نمکین کانیں جن پر کھڑے ہو کر تمہیں آئینے کی ضرورت نہیں پڑتی اتنا واضح عکس نظر آتا ہے ویتنام کے وہ سرسبز چاولوں کے کھیت جہاں سے واپس آنے کو دل نہیں چاہتا' آئس لینڈ کا وہ سب سے بڑا گلیشیئر جس کے اندر سفید برف کی پوری دنیا آباد ہے پرتگال کی وہ غاریں جہاں کبھی اندھیرا نہیں ہوتا' ہمیشہ روشن رہتی ہیں' جامنی پھولوں سے مزین جاپان کا پرپل پارک جو [illegible] کو جامنی روشنیوں سے نہا جاتا ہے' میرے دوست تم تنزانیہ جاؤ تو تمہیں پتہ چلے کہ دنیا کی خوبصورتی ایک جگہ سمٹ جاتی ہے' نیوزی لینڈ کی وہ غار جو روشنی خارج کرنے والے کیڑوں کی وجہ سے رات کو بھی روشن رہتی ہے کیلیفورنیا کے سرخ تنوں والے درخت جیسے اژدہے نما درخت' بیلز کا نیلا سوراخ اور مصر کے اہرام تم نے کبھی دیکھے ہی نہیں چائنہ کی عظیم دیوار' نمیبیا کے خشک صحرا' نیویارک کا مجسمہ آزادی' فرانس کا ایفل ٹاور' آگرہ کا تاج محل' دبئی کا برج عرب اور اٹلی کا پیسا کا جھکا ہوا مینار' تم کہاں واقف ہو ان سب سے کاشف تم کبھی دیکھ سکو بحر اوقیانوس کے خوبصورت جزائر' سان فرانسسکو کا گولڈن گیٹ پل' سڈنی کا اوپیرا ہاؤس جو ڈھلتے سورج کی کرنوں سے دمک جاتا ہے' روم کا کولوسیم جس کی ہیبت دل پر بیٹھ جاتی ہے' لندن کا ٹاور پل جو روشنیوں سے چمک جاتا ہے' جبرالٹر کی سخت چٹانیں جو ماضی میں بہت دور لے جاتی ہیں' کیلیفورنیا کا وہ ساحل جو شیشوں سے سجا ہوا ہے' کاش تم کبھی دیکھو صحرائے اعظم کو اسکاٹ کی تاریک نظاروں کو ریت سے پھوٹتے اس آتش فشاں کو جو ٹھنڈ کے باعث سفید ہو کر بادلوں سے جا ملتا ہے' نیلی تتلیوں سے سجا درخت جو ان کا لباس معلوم ہوتا ہے. بحر اوقیانوس کے درمیان میں بنا وہ راستہ جس کے دائیں بائیں حد نگاہ صرف نیلا آسمان اور سمندر دکھائی دیتا ہے خوبصورتی شنگھائی کے جادوئی جنگلوں میں ہے میرے دوست اور کہیں نہیں' اپنے اس ملک میں دکھا پاؤ گے تم مجھے وکٹوریا جیسی آبشار جو زمبابوے سے زمبیے کی طرف چلی جاتی ہے' نیاگرا جیسی آبشار' وینزویلا کی اینجل آبشار وانتہائی بلند اور خوبصورت ہے' تمانا راست کی روبی آبشار جو پتھروں کے رنگ سے گلابی ہو جاتی ہے' شیفن آبشار اور بہت سی اور جو شاید ابھی میں نے بھی نہیں دیکھیں دکھا پاؤ گے مجھے؟ بیکال جیسی چٹانی جھیل' سپیریئر جیسی اندھیری جھیل' وکٹوریا جیسی پرسکون جھیل' میکسیکن جیسی چمکیلی جھیل' آسٹریلیا کی گلابی جھیل' نہیں دکھا پاؤ گے تم مجھے ایورسٹ جیسی اونچائیاں' الاسکا کی دنیائی جیسی خوبصورتیاں ماؤنٹ فوجی جیسی بلندیاں' ماؤنٹ ریپئر جیسی بارشیں' تم نے صرف ایک مذہبی جگہ دیکھی ہے ابھی تک فیصل مسجد' ترکی کی آیا صوفیہ دیکھنا کبھی' نیلی مسجد دیکھنا کبھی' [illegible] نہیں جھپک سکو گے روس کا سب سے بڑا چرچ [illegible] مندر' یونان کا نیلے گنبد والا مندر' تمہیں کچھ نہیں پتہ ابھی' دنیا کے ساتھ مل کر کرسمس منانا' ایسٹر منانا' ہولی [illegible] بانٹنا تمہیں کبھی نہیں آئے گا' آمیفا ورلڈ کپ [illegible] بال میچز' ورلڈ کپ کرکٹ کے سنسنی خیز کرکٹ میچز' اولمپکس کی مشہوریاں' آئی پی ایل کی گرم جوشیاں' سچن کے چھکے' کرس گیل کی سنچریاں' ملبورن کے کرکٹ گراؤنڈز' ویلنگٹن کے تماشائی' تمہیں کیا پتہ میرے دوست فرینک فارٹ فیسٹیول کا جہاں کتابوں کا خزانہ موجود ہوتا ہے' ٹورنٹو فیسٹیول جہاں ہر دم زندگی جاگ جاتی ہے نیو ایئر فیشن ویک' چائنیز نیو ایئر ایو' ریو کارنیول فیسٹیول تم کیا جانو ان سب کے بارے میں' تم نے کبھی تھائی لینڈ کے کھانے نہیں کھائے' اٹلی کے پیزے نہیں کھائے' جاپان کی سوشی جرمنی کا ہم برگر'

انڈونیشیا کی رین ڈینگ لوسٹرز' وینزویلا کے پران' آئرلینڈ کے شرمپس' ہندوستان کے پکوان' تم نے کبھی یو ایس اے کی چاکلیٹ نہیں کھائی' آسٹریلیا کا ریڈ بل نہیں پیا' فرانس کا پاستا' اسپین کا مشروب' تائیوان کی چائے' مصر کا لیمونیڈ' اسکاٹ لینڈ کی اسکاچ' تم جان ہی نہیں سکتے' تم کبھی دیکھو تو پتہ چلے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی کیا جگہ ہے' ہاورڈ یونیورسٹی' کیمبرج یونیورسٹی' کولمبیا یونیورسٹی' شکاگو یونیورسٹی' تم کبھی گئے ہو تو پتہ چلے کہ دنیا کہاں پہنچ چکی ہے' تم جاؤ تو تمہیں پتہ چلے کہ کیا ہوتا ہے' سویڈن کا پاپ میوزک' نیدرلینڈ کی کافی بارز' سوئٹزرلینڈ کی خوبصورتی' یونان کا چیز' قزاقستان کا یورینیم' کرگیا کے اخروٹ والے جنگل' چائنا کے کمپیوٹر ہیکرز' ہندوستان کے لمبے امریکن کیلے' تھائی لینڈ کے چاول' ویتنام کی مرچیں' کینیا کی چائے' نیوزی لینڈ کی سالمن' بوسٹنا کے جواہرات' امریکا کا پنیر' [illegible] کا گھوڑا گوشت' میکسیکو کے لیموں' کینیڈا کے [illegible] دنیا گھوم کر دیکھو میرے دوست پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ اس چھوٹے سے ملک میں عداوت' دشمنی' قتل و غارت' بدعنوانی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کچھ نہیں۔

☆☆☆☆

"اب بتاؤ ایسا کیا ہے اس ملک میں جو بیس کروڑ لوگ پاگلوں کی طرح یہاں رہ رہے ہیں"۔ ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے میری طرف دیکھا چند لمحوں میں پوری دنیا کھول دی تھی اس نے میرے آگے' اور اب پوچھ رہا تھا کہ میرا وطن کس طرح پوری دنیا سے بہتر ہے؟ میرے ارض پاک میں رہنے کا جواز مانگ رہا تھا' اسے شاید اندازہ نہیں تھا کہ وہ یہ سوال ایک سیاح سے نہیں ایک پاکستانی سے کر رہا ہے میرے پاس بھی چند لمحے ہی تھے بس۔

"تم نے کبھی کراچی دیکھا ہے' روشنیوں سے نہایا ہوا' لاہور دیکھا ہے' علم سے سجا ہوا' گلگت دیکھا ہے' پھولوں سے لدا ہوا' ہمالیہ دیکھا ہے پربتوں سے ڈھکا ہوا' نہیں دیکھا' کبھی دیکھنا ذرا دنیا بھول جاؤ گے کبھی فرصت ہے تو ضرور آنا یہاں پھر دیکھنا بحرہ عرب کے ساحلوں پر اگے ہوئے دلدلی مینگروز اس ملان کی گھاٹیاں اور چڑھائیاں' لاہور کی کول تار سے سجی وسیع و عریض سڑکیں' شالامار باغ اور میوزیم فیصل آباد کا سفید چناب چوک' گھنٹہ گھر اور نصرت فتح علی خان آڈیٹوریم' کبھی عبداللہ پور پل پر کھڑے ہو کر آس پاس نظر دوڑانا' تم گولڈن گیٹ پل بھول جاؤ گے' اقبال آڈیٹوریم' چناب لوجیز' تم نے دیکھے ہی نہیں' راولپنڈی کا راول ڈیم' میسل ہال' گوجرانوالہ کا شیرانوالہ باغ' پشاور کا خیبر پاس' فلائی اوورز' کوئٹہ کی کول پور روڈ' عسکری پارک' بہاولپور کا قلعہ دراوڑ' دربار محل' نور محل' جھنگ کی خوبصورتی کو چار چاند لگاتا ہیڈ تریموں جہاں راوی چناب اور جہلم بڑی دریا دلی سے ملتے ہیں کاش تم بھی دیکھ سکو شیخوپورہ کا ہرن مینار' گجرات کا الیگزینڈر پل' ساہیوال کی یادگاریں' [illegible] کے بازار' کبھی دیکھنا میرے دوست' جہلم کی [illegible] منگلا ڈیم' ٹیولپ ہوٹل مظفر گڑھ کا غازی گھاٹ [illegible] کے کھیت' کھجوروں کے درخت خیر پور کا [illegible] جانے کیا کچھ' صرف ایک مذہبی جگہ نہیں دیکھی [illegible] دوست' صرف فیصل مسجد نہیں میں نے بادشاہی مسجد بھی دیکھی ہے ملتان جانا کبھی تم دنیا کے چرچ اور مندر بھول جاؤ گے شاہ رکن عالم کا مزار' بہاؤالدین ذکریا کا مزار' شمس تبریزی کی یادگار' پشاور کی سنہری مسجد' بہاولپور کی عباسی مسجد' جھنگ کے سلطان باہو کا مزار' قصور کے بلھے شاہ کا مزار' شاہ عبداللطیف بھٹائی کی درگاہ' چنیوٹ کی شاہجہانی مسجد' چشتیاں کی درگاہیں' وزیر آباد کے مولانا ظفر علی خان کی یادگاریں' تم نے دیکھے ہی نہیں ارض پاکستان کے پانچ بڑے دریا سندھ کی روانی' راوی کی وسعتیں' جہلم کی ندیاں' پہاڑوں کی بات کرتے ہو نہ تم' دیکھنا کبھی کے ٹو کی بلندیاں' نانگا

پربت کی رنگینیاں' براڈ پیک کے نظارے' گلیشیئر بروم کی برف مشیر بروم کی اونچائیاں' ترچ مسر کی چوٹیاں' راکاپوشی کی دھندیں' ملکہ پربت کی رعنائیاں' مکران پیک کی چٹانیں' تخت سلیمان' سیاچنیک' ہارموش' دیران نوشاک' تمہیں پتہ ہی نہیں شملہ کی پہاڑیوں کا مارگلہ کی پہاڑیوں کا' جھیلوں کا ذکر کرتے ہو نہ تم' دیکھی ہے کبھی سیف الملوک جہاں پریاں اترتی ہیں' منچھر جھیل راول جھیل' ترل جھیل' سرپارہ جھیل دیکھنا کبھی' دریائے نیلم کے پار دیکھنا کابل کو دیکھنا سوائی کو دیکھنا' تم امیزون بھول جاؤ گے ہنگوئی' ژوب' ہنا جھیل کو دیکھنا' تم وکٹوریا کو بھول جاؤ گے' خوبصورتیوں کی بات کررہے ہو نہ تم کیا پتہ میری ارض پاک کے دامن میں کیا کچھ ہے' شوں کے پہاڑ ہیں' کالاش کی وادیاں ہیں' نتھیا گلی ہے کو اور پائنس میں کالام کی سرد برفیلی ہوائیں ہیں' پناو سے بھرے پھل اور میوہ جات ہیں' چترال کی خوبصورت وادیاں ہیں' اسکردو کے کوہ قراقرم ہیں' مظفر آباد کی نیلم وادیاں ہیں کاغان کی جھیلیں ہیں' ہمالیہ کی چوٹیاں میں گلگت کی آبشاریں ہیں' ہنزہ کی چٹانیں ہیں' خنجراب کے درے ہیں' تنزانیہ کے پارک بھول جاؤ گے بھی لال سہازا پارک دیکھنا زیارت کے جنگلات دیکھنا' چھانگا مانگا کے نظارے کرنا' میرے دوست اسلام آباد آنا کبھی واپس نہیں جاپاؤ گے ایوان قائد آئی ایس ای ٹاور' چاغی مونومنٹ' فیصل مسجد' دامن کوہ' ایئرپورٹ' ملکہ کوہسار' لاہور آنا کبھی تمہیں واہگہ بارڈر دکھاؤں گا' ہڑپہ اور موہنجوڈرو کے کھنڈرات دیکھنا کبھی ماضی سے واپس نہیں آپاؤ گے دنیا کے تہواروں کے قصے سنارہے ہو نہ تم' تم نے کبھی عیدالفطر نہیں منائی تم کبھی عیدالاضحیٰ منانا ارض پاکستان کے عرس دیکھنا کبھی' چترال فیسٹیول کا حصہ بننا' شندور کپ کی رنگینیاں دیکھنا' تم Fifa بھول جاؤ گے' اقبال اسٹیڈیم' قذافی اسٹیڈیم میں کھیلے گئے پی ایس ایل کے میچز دیکھنا' تم آئی پی ایل بھول جاؤ گے' چولستان اور تھر کے صحراؤں میں گھومنا مینار پاکستان کی بلندیاں دیکھنا سکھر کے مزار دیکھنا' تم دنیا بھول جاؤ گے' یہاں کی سروائی پینا کبھی لیموں کا شربت لسی گنے کی راب ناریل پانی' تم سکاچ بھول جاؤ گے سندھ کی بریانیاں' پنجاب کی نہاریاں' مرچوں سے لبریز شوارمے دال چاول' مکئی کی روٹیاں' ساگ' کڑھی' پکوان کھانا کبھی' تم ہر ذائقہ بھول جاؤ گے ٹھنڈے ٹھار آم کھانا کبھی برف میں لگے تربوز کھانا کبھی شہد جیسے شہتوت چکھنا کبھی' تم چاکلیٹ بھول جاؤ گے میرے دوست تمہیں پتہ ہی نہیں' چلتن کے جنگلوں کا ملتان کی درگاہوں کا' گوادر کے ساحلوں کا بھوربن کے گولف کلبوں کا شاہراہ ریشم کا دیسائی کی چٹانوں کا' ہندوکش اور پاہ میر کے پہاڑی سلسلوں کا گرمیوں میں برستے مون سون کے موسموں اور بارشوں کا' رمضان کے روزوں کا' عید کی نمازوں کا تم نے کبھی میٹرولائن میں نہیں کیا تمہیں کیا پتہ نیشنل ہائی ویز کا' سندھ کے ندی کے پل کا' داتا علی ہجویری کے مزار کا تربیلا ڈیم کا' علم کی بات کرتے ہو ناں تم کبھی ہے نے پنجاب یونیورسٹی' قائد اعظم یونیورسٹی' بحریہ یونیورسٹی پتہ ہی نہیں ہے UET کا' NUST' LUMS' COMSATS' NUML' IUB' KEMU' NMC' UAF' NTU' PMC' PIEAS اور UVAS کا' تمہیں پتہ ہی نہیں یہاں کے لوگوں کا تم کیا جانو میرے دوست دنیا میں اگر کہیں جنت ہے تو وہ یہاں کشمیر میں ہے۔

☆☆☆☆

دنیا گھومنا غلط نہیں ہے' اس کی تعریف کرنا بھی غلط نہیں ہے' لیکن اس دنیا کی چکاچوند میں پاک مٹی پر داغ لگانا غلط ہے' جہاں مرضی جاؤ' جہاں مرضی پھرو' لیکن لوٹ کر گھر واپس آؤ' یہ گھر ہے تو ہم ہیں' ورنہ نہیں۔

☆......☆......☆

فلک تنویر



میں تو جیسے ڈوب کر مرگئی تھی۔
سارے میں کسی مردے پرندے کی تعفن پھیلی تھی، سیاہ عمیق آنکھیں جو چمکتی خوشیوں کی ضوفشانی میں متفرق تھیں، اس جملے نے کسی گدھ کی طرح نوچ لئے تھے۔ صبح سے کئی بار آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر جائزہ لے لے کر آنکھیں پتھرا گئی، ہونٹ خود ہی مسکرا



رہے تھے اور دل خوشیوں کی مالا جپتا سنگھاسن تھا، مگر اب شرم کے مارے، آنکھوں میں سیاہ راتوں کی سیاہی نے جیسے ڈیرا جما لیا تھا اور یوں حلق پھاڑ پھاڑ کے رو رہی تھی کہ جیسے جوان سال بیٹا مر گیا ہو۔
اس نے عظیم طنزیہ قہقہہ لگایا۔
''اگر یہ مقصود تھا تو رکھوا پھر کیوں؟'' اتوار کے روز آسمان پر ایک کثیف تہہ جمی تھی پرانی حویلی کی اوپری منزل پر سبحان لالا کبوتروں کو دانہ ڈالتے' مسلسل ''دیوداس'' کے شہرہ آفاق مکالمے جھاڑتے' تخلیلاتی 'دیوداس' بنا تھا' نیچے اترو تو چھوٹے سے تالاب کے منڈیر پر بیٹھی ستارہ مہدی حسن کی پرانی غزلوں کو سنتے' بیروں کو مرچ لگا کر چٹخارے لے لے کر کھاتے ہوئے Ohnery کا افسانہ 'Aftertwent years' پڑھنے کی ناکام جدوجہد میں غرقاب تھی' اور اماں پتا نہیں کس رشتے کی بہو کی جنگوں کا احوال لئے بوا سے منہ پھلا پھلا کے کہے جا رہی تھیں اور رہی میں یعنی نور جہاں' تو میری نظریں آسمان کی جانب اٹھی' جس میں ایک خواہش



قید تھی' آرزو' تمنا۔ نام تو شاید اماں نے ملکہ ترنم نور جہاں کے گیتوں سے متاثر ہو کر رکھا ہوگا کیونکہ انہیں ملکہ ترنم نور جہاں کے پرانے گیت نکال کر سننے کی عجیب عادت نے آن لیا تھا ویسے نور جہاں نام مجھے بہت پسند تھا نہ کہ ''ممتاز مفتی'' کے ''آپا'' کی نور جہاں کی طرح' یہ نام لے کر کسی بھی سوکھے اپلے کی بو نہیں آتی تھی بلکہ مجھے اپنا نام اتنا پسند تھا کہ جتنا کسی لڑکی کو اپنا اکلوتا شوہر پیارا ہوتا ہے' میں درمیانے قد کی 'سنہری گندم کے خوشوں سے بال رکھنے والی' سیاہ عمیق آنکھوں' سفید دودھیا رنگ کے حامل چہرہ رکھنے والی ایک عام سی خوش مزاج سی اور کچھ خاموش طبع لڑکی تھی' اماں مجھے پیار سے ملکہ کہا کرتی تھی' لیکن ملکہ سی ٹھاٹ بھاٹ کا مجھ میں بہت فقدان ہی تھا بلکہ یوں سمجھئے کہ ملکہ کے مزاج کا کم از کم مجھ میں کوئی عمل دخل نہیں تھا' بوا رخصت ہو رہی تھی چند نوٹ ہاتھوں میں تھام رکھے تھے جبکہ ایک عدد پوٹلی انہوں نے بغل میں داب رکھی تھی' بوا ہمارے ہاں کم از کم پچھلے بیس سالوں سے کام کرتی آرہی تھی ایک دراز قد کی' بہت پتلی سی تیز طراری خاتون تھی' زبان اتنی شستہ اور شگفتہ تھی کہ حد نہیں' تقسیم ہندوستان کے بعد' اپنے بھائی کرم داد کے ساتھ یہاں آبسی تھی' کرم داد تو 65ء کی جنگ میں مرکھپ گیا لیکن بوا کو بیاہ کے گیا' بوا اب بیوہ تھی' اپنے گھر میں بس اکیلی ہی رہتی تھی' اگلے پچھلے تمام ہی رشتے دار کہیں مرکھپ گئے تو کوئی رشتہ نہ جتانے کے خیال سے دور تھے لیکن ان تمام رشتے داروں کے باوجود بھی بوا آسودہ حال تھی' بوا کا گھر ایک محلے میں تھا' ان کا مکان بھی دو منزلہ تھا کبھی کبھی ایک دو ماہ کے لئے کرائے دار رکھوا لیتی تھی' بوا کے ساتھ دیوار جڑے پڑوسی بہت کم تھے' صرف رشیدہ خالہ' ان کی بیٹی جمیلہ۔ جمیلہ کو آپ زمینی حور بھی کہہ سکتے ہیں' کشمیری سیب سے رخسار' ازبکستان کی سی نیلی آنکھیں' سڈول سراپا اور دراز قد' مگر جمیلہ کی خوبصورتی جو بڑھاتی تھی وہ اس کی سیاہ فیشنی ''برقع'' تھا۔

برقع سیاہ تھا جس کے آستینوں پر مکیش کے سفید ننھے ننھے ستارے تھے' برقع اس قدر تنگ تھا کہ جیسے یہ کپڑا اس کے پیدا ہوتے ہی اس کے ساتھ چمٹ گیا ہو' برقع کی تنگی اور حسن کے باعث' انگور کے خوشوں سے سینے ابھار جاتے' بھرے تھرکتے کولہے ایسے تھرکتے تھے کہ جیسے شانت آسن میں بیٹھا ہو دیوتا اور اس کے سامنے مجنونانہ ناچتی پجارن' ایک تتلی والا کلپ جب وہ نقاب کے لئے لگاتی تو آنکھیں رات کی ساحری سموئے' مسحور کرنے پر مجبور کرتی۔

کالج جاتے ہوئے ہاتھوں میں فائل پکڑے وہ فٹ پاتھ پر کھڑے کالج کے لڑکوں کے سامنے ایسے گزرتی کہ جیسے یہ برسوں سے اس کے انتظار میں کھڑے ہوں' وہ سامنے سے تھرکتے کولہوں کے ساتھ اپنی سہیلی آمنہ کو کوئی بات کہتی اور بلند بانگ قہقہہ لگا کے ہنستی' قہقہے سے لڑکوں کے لبوں پر ایک بھاری کراہٹ رینگ جاتی' جمیلہ کے برقع کو دیکھ کر میرے دل میں بھی' اس کی شدید قسم کی خواہش نے کروٹ لی' روم روم میں یہ بس گیا ایسا کہ ہر مسام بھیگ گیا' ان کے برقع کے اودے اودے پتوں کی کسیلی خوشبو سارے میں پھیلی تھی' آسمان کسی عریاں پری کی مانند زمیں کا چہرہ چھونے کی خاطر جھک جھک جاتا تھا۔ اماں تیل لگاتی' تخت پر بیٹھی مہدی حسن کی کوئی غزل سن رہی تھیں' ستارہ میکسم گورکی کا ناول پڑھ رہی تھی۔

''بوا ذرا بات تو سنتی جاؤ''۔ باورچی خانہ جاتی بوا کو آخر کار میں نے پکار ہی لیا تھا۔

''جی بی بی! کیا ہے؟ دیکھو' ایسے انگلیاں اضطراری انداز میں نہ مروڑو''۔ بوا کے طائرانہ نگاہ کی وجہ سے میں نے انگلیاں چھوڑ ہی دی۔

''یہ جمیلہ''۔ جملہ جیسے شروع کیا بوا کے چہرے پر ایک عجیب سی چھبتی مسکراہٹ رینگ گئی۔

''رشیدہ خالہ کی بیٹی' اس نے یہ برقع کہاں سے لیا ہے؟''

''میں کیا جانو؟'' کہتی بوا چل پڑی۔

میں دکھ کے زیر اثر کمرے میں جا بند ہوئی لیکن غضب ہوا اماں کا مہدی حسن جانے کیسے خاموش ہوا۔

☆☆☆☆

ساری حویلی پر کال بیساکھی کا دورہ پڑا اور ساروں کے منہ کھانس کھانس کے بینگن بن گئے' والانوں پر' محرابوں' چوکھٹوں' مغلئی بارہ دری پر' غلام گردشوں میں' طویل راہداریوں میں ایک منحوس الو کے جلنے کی تعفن پھیلا' احتجاج خوب ہوا اور مانو خوب کی بھی خوب ہوا' یہ انیس گز کی زبان لئے ستارہ طنز کرتی تھی اور سبحان اللہ نے جیسے مجھے گلی کے چوراہے پر رنگوں ہاتھ پکڑ لیا ہو۔

''اماں! میں اس بارسختی سے کہے دیتی ہوں کہ میں یہ برقع پہن کے رہوں گی''۔

''ہاں تو برقع پہن لو جو بھی ہوا' تمہارا مسئلہ کیا ہے؟''

''اماں میں وہ برقع لوں گی' یہ بڑے بڑے ستارے جو لش لش کرتے ہو آستینوں پر' اسلام میں بھی اسی اسی عبایا کا حکم ملا ہے''۔

''اچھا حکم''۔ کچا چبا جانے والے انداز میں ستارہ پٹیالہ شلوار میں لٹک مٹک کے میرے سامنے آکھڑی ہوئی۔

''کس حدیث میں؟ کس سورۃ میں' مشکوۃ شریف میں' یقیناً بخاری شریف میں' اگر میں غلطی قطب غلط اندازے لگا رہی ہوں تو معاف کرنا بہن' یقیناً آپ کے علم میں ہوگا' تو بتا دیجئے' دین کے کس صنف میں ہے یہ بات؟''

''دیکھو ستارہ! عبایا سے عورت محفوظ ہو جاتی ہے''۔

''عورت محفوظ ہو جاتی ہے یا فیشن؟'' طنز کی ماں تھی نا ستارہ۔

''نہیں ستارہ' قسم لو میں فیشن''۔

''ستارہ نے بیچ میں ہی جملہ اچک لیا' ہاں دو قدم''۔ ریڑھ کی ہڈی یک لخت سرد ہوگئی۔

چھتوں کے چھجوں سے کسی کی تھوک کی چھینٹیں اڑیں اور میرے چہرے پر آپڑی۔ ستارہ اب ناولوں' افسانوں کے بجائے مشکوۃ شریف' قرآن مجید کے جملہ ہائے تفسیر' احادیث کے بہت سی کتابیں پڑھنے لگی کیونکہ میں جمیلہ کا برقع پہننے لگی تھی۔

کالج میں گرمی بلا کی تھی مگر میری خوشی بھی اس سے بلا کی تھی' کثیف تہہ ماحول پر کسی مکڑی کی طرح تار بنتا جاتا۔ فاطمہ مجھے دیکھ یوں غشی سے اٹھی کہ مانو کسی غیر مرد نے ہاتھ لگایا ہو۔

فاطمہ' بانو قدسیہ کے لکھے سنجیدہ ناولوں کی کوئی آپا' خالہ' بی بی' اتنی معصوم اور کمبخت جہاندیدہ بہت ہے' کالج کے ساتھ ہی رہتی ہے کالج صبح سویرے تبلیغی دورہ کرنا' جمعے کے روز طلبا سے چندہ اکٹھا کرنا' سپارے بانٹنا' فاطمہ کا روزمرہ کا معمول ہی نہیں اس کا پسندیدہ مشاغل تھے۔

فاطمہ کا یہ کہنا ''میری بہن نے وہ کیا' یہ کیا''۔ بہت دھیمے سے ہنستی اور آخر میں بولتی۔

''اللہ عیب لگانے والوں کو ناپسند کرتا ہے''۔ آگے سے خود کی بہن کے قصے سناتی تھی۔

''تمہیں ذرا بھی خدا کا خوف نہ آیا نور جہاں''۔ پلر کے اوٹ سے چند لمحے رکے ہوئے سانسوں کی باس پن کو سمیٹ کر' فاطمہ میرے سامنے تھی' مجھے جھرجھری آئی اور جھرجھری ہی آتی ہے جب پسی ہوئی سرخ مرچیں آنکھوں میں سمو کر کوئی بات کرے۔

''مجھے خدا کا خوف ہی آیا''۔

''میں' تم سے اس برقع کی بات کر رہی ہوں نوری! برقع کیوں پہنا؟''

''اللہ یہ سب برقع'' ہی کیوں موضوع بنائے ہوئے ہیں؟ پردہ کر رہی ہوں' کوئی گناہ تھوڑی ہے'

ایسے انسانوں کو خدا پسند نہیں کرتا فاطمہ''۔

''سرعدنان کہتے ہیں نوری''۔

''سرعدنان کی تو بات ہی رہنے دو' ایسا شخص' اللہ پناہ دے' ہونہہ جوان نما بڈھا یوں گھوم گھوم کے لیکچر دیتا ہے کہ مانو ٹیچر نہ ہو ٹام کروز ہی ہو گیا' اور ٹام کروز کی تو رہنے دو''۔

''ایسا ہینڈسم' اف! خدا کا خوف کرو فاطمہ''۔ خدا کا خوف کرنے والی نے کہا۔

''بکواس ہی بکتی رہنا' سرعدنان کہتے ہیں' کہ ایسا (اشارہ میری [illegible] پردہ جس میں سارے خدوخال نمایاں ہو پردہ [illegible] پردگی ہے' سنو! وہ کہتے ہیں حیا تو ان میں ہوتی [illegible] رکھے ہوئے ہو' تمہیں سمجھ نا میں بھی نہیں [illegible] لگے' اگر تمہارے اندر خود حیاء ہو تو اسی حیاء کی حد [illegible] اتنی لاج ضرور رکھ لیتا ہے' کہ کسی کی میلی نظر [illegible] کے سامنے نہیں آتی''۔

سرعدنان' سیاہ رنگ کا پرکشش انگریز نما [illegible] ہے' کثرت سے سگریٹ پینے کی وجہ سے ان کی خوبصورتی' اور من مائل کرتے ہونٹوں کو سیاہی نصیب کردی' ذرا اوپر تیز چلے تو سانس پھول جاتی ہے' کسی لڑکی کے ایک عدد شوخ جملے پر' ذرا رک کر پھر عجیب مخصوص انگریزی مسکراہٹ مسکرا کر کہتے جیسے۔

''اچھا بچو! تو یہ تم ہی ہو''۔ خدا کا خوف کرنے والی نے خدا کا خوف کر ہی لیا اور چپ کر گئی' پھر اس کے تبلیغی حلقوں میں ایسی خوفناک آوازیں اٹھی کہ دہل دہل کر میرا کلیجہ منہ کو آ گیا' اور خیر ہوا اور مانو خیر کی بھی بہت خوب خیر ہوئی۔

کالج کے لڑکے بس اسٹاپ پر کھڑے تھے' ذرا حلقوں کی صورت میں یا دو جوڑے پچھا اکیلے کسی راہ چلتی لڑکی کو ایک عدد آنکھ مارنے کی خواہش' ایک دل جلاتی مسکراہٹ اچھالنا اور مسکرا کر پراسرار انداز میں ساتھی کو ٹھوکا مارتے یہ لڑکے تھے' میں فاطمہ ملانی سے ستارہ عالمہ سے اتنی خفا تھی کہ میں نے تو پکا ارادہ کیا تھا کہ جنت میں انہیں ساتھ لے جاؤں گی' پردے کے عوض جنت ملے گی نا' جمیلہ کہتی تھی۔

بس اسٹاپ پر رش کم تھا مگر جس نے سارے میں دھمال چوکڑی جمائی تھی ستار کے بڑے بڑے قدم فٹ پاتھ پر ایسے گرے تھے کہ اٹھتے دھول اور گرمی سے حال بے حال تھا ایک دولڑ کے کھڑے' مسلسل مجھے گھور رہے تھے' پاس جا کر گزرنے لگی تو ''دل جلے'' کا ایک گانا گانے لگا جب ہولے ہولے جانے لگی' ایسے میں آواز آ ہی گئی۔

''ذرا پاس تو آ سوہنئے!'' میں رک گئی اور یہ سنانے مڑی کہ ''شرم کرو' تمہارے گھروں میں تمہاری ماں بہن نہیں جو ایک پردہ دار عورت پر آوازیں کستے ہو؟'' یہ سنتے ہی ہاتھ میں کی چین گھمانے والا بول۔

''اچھا پردہ ہے یہ؟''

''تو اور پردہ کسے کہتے ہیں؟''

''[illegible] میں خدوخال نمایاں ہو' تھرکتے کولہے تھرک [illegible] جاتے ہو اور''۔ اس نے ایسا سرتاپا دیکھا کہ میں [illegible] ڈوب مرگئی تھی۔

سارے میں [illegible] کی تعفن پھیلی تھی' سیاہ عمیق آنکھیں جو [illegible] خوشیوں میں مستغرق تھی' اس جملے نے کسی گدھ کی طرح نوچ لئے۔

اس نے عظیم طنزیہ قہقہہ لگایا۔

''اگر یہ مقصود تھا تو دکھاوا پھر کیوں؟'' صبح سے کئی بار آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر جائزہ لے کر آنکھیں پتھرا گئی' ہونٹ آپوں آپ مسکرا رہے تھے اور دل خوشیوں کی مالا جپتا سنگھار سن تھا۔ مگر اب شرم کے مارے آنکھوں میں رات کی سیاہی نے ڈیرا جمالیا تھا اور یوں حلق پھاڑ کے رو رہی تھی کہ جیسے جواں سال بیٹا مر گیا ہو۔

☆......☆......☆

ارے واہ

ایقان علی

میں کبھی بھی کسی کو یہ نہیں بتا سکی کہ ''پکانا'' میرے لئے کیا ہے' یہ بات سوچنے کے لئے مجھے بہت سوچنا پڑتا ہے اور اتنا سوچنے کے بعد بھی میں کوئی مناسب لفظ نہیں ڈھونڈ پاتی جسے میں اپنے جذبات کی ترجمانی کے لئے استعمال کروں' پکانا میرے لئے جنون' عشق سے بڑھ کر ہے یہ کام مجھے حقیقت میں سکھ دیتا ہے' کٹنگ بورڈ پر ٹھک ٹھک کے سبزیوں کے انبار کے انبار کاٹنا' گرم گھی میں چمچ سے کٹی پیاز ڈال کر سنہرا ہونے تک انتظار کرنا' ادرک لہسن کی خوشبو کو ایک لمبا سانس کھینچ کر اندر اتار لینا' مرغی کے ریشے ریشے کر کے اشتہا انگیز خوشبو اڑاتے سوپ میں شامل کرنا' تہوں والی بریانی بنانا وغیرہ' ایک لمبی سی فہرست ہے جس کا ایک آغاز تو ہے لیکن کوئی اختتام نہیں ہے اور یہ صرف میرا خیال نہیں' میرے اردگرد رہنے والے سبھی افراد یہی کہتے ہیں کہ ''پکانے'' کو ماریہ سے بہتر کوئی نہیں سمجھتا' کس پکوان کو کتنا اور کیسے پکانا ہے ماریہ بخوبی جانتی ہے' ماریہ کے ہاتھ کا پکا ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے سانس لینے لگتا ہے' وہ پکوان پکے جانے پر خوش ہوتا ہے۔

''ماریہ کے ہاتھ میں ذائقہ ہے''۔ تو ایک گھسا پٹا جملہ ہے' اپنے گھر میں سارا باورچی خانہ میں ہی سنبھالتی تھی' ایسا نہیں تھا کہ میرے علاوہ کوئی ''پکانا'' نہیں جانتا تھا' ماشاء اللہ سے امی' بہنیں اور بھابیاں سبھی اس فن کے رموز سے واقف تھیں لیکن اس کے باوجود یہ کام میرے ذمے تھا۔

''ماریہ کے ہاتھ کے پراٹھے میں جیسے کوئی جادو ہوتا ہے اس کے ہاتھ کا پراٹھا انسان کے سامنے رکھا ہو تو اسے کھانے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھانا پڑتا' یہ کام پراٹھا خود کرتا ہے' بندے کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ میں نے کب ہاتھ بڑھایا' لقمہ لیا اور چبا ڈالا''۔ بھابیاں الگ کان کھاتیں۔

''ماریہ کوئی سیکریٹ تو ہے' ہم تو فرائنگ پین کو کئی کئی بار اچھال کر سبزیاں بھونتے ہیں' پین میں آگ بھی لگ ہی جاتی ہے' سب ایسے ہی جیسے تم کرتی ہو پھر یہ تمہاری پکائی سبزی ایسی لذیذ' ارے کیسے؟'' میری دادی کہا کرتی تھیں کہ ہر انسان کا ہنر اس کی ہاتھوں کی لکیروں میں پوشیدہ ہوتا ہے' اب جیسے انسان کی ہاتھوں کی لکیریں ایک سی نہیں ویسے ہی ہر ایک کا ہنر ایک سا نہیں' اگر تم چاہو کہ میرے جیسی بن جاؤ یا میں تم جیسی ہو جاؤں تو میری بچی یہ ممکن ہی نہیں۔

☆☆☆☆

میرے ہاتھ کے کھانے کی دھوم سارے خاندان میں تھی ہر چھٹی کے دن کوئی نا کوئی رشتے دار آ موجود ہوتا۔

''ماریہ کہاں ہے بھئی؟ ارے تمہارے خالو نے میری ناک میں دم کر رکھا ہے' ویسے ہی کوفتے بناؤ جیسے ماریہ نے دعوت میں بنائے تھے' قسم خدا کی میری بچی ہزار دفعہ بنا چکی ویسا ذائقہ نا آیا' تم بنا دو ناں''۔ کبھی کسی پھوپی کی درخواست آ جاتی۔

''وہ جو کباب بنائے تھے تم نے' ارے وہی آلو والے نہیں یاد آیا؟ ارے وہی گھر کی تہہ پر دم کیے



ہوئے ہاں وہی وہ سکھا دو بنانا"۔ کسی کزن کو پزا بنانا سیکھنا ہوتا تو کبھی کسی کو تکہ میکرونی کسی کو اٹالین طرز کے کوفتے، کسی کو ساگ، کسی کو ماربل کیک بنانے میں مدد درکار ہوتی تو کسی کو کپ کیک، دن کے بارہ گھنٹوں میں سے کم از کم دس گھنٹے تو میں باورچی خانے میں گزارتی۔

"اری ماریہ! یہ انڈہ کیسے ابال لیا نمک مرچ سمیت"۔ میں ان حیران آنٹی کو ترکیب بتاتی کہ ایسے انڈہ پھینٹیں، کسی صاف ستھرے شاپر میں پوٹلی باندھ کر پانی میں چھوڑ دیں"۔ میران آنٹی کی باچھیں کھل گئیں۔

☆☆☆☆

کسی جاننے والے کے توسط سے وہ رشتہ آیا تھا، ابو کے کسی دوست کا بھانجا تھا ماں باپ تھے نہیں، دو بڑی بہنیں جو بیاہی جا چکی تھیں، انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی، چٹ منگنی، پٹ بیاہ، میں سسرال آگئی۔ اسجد بینک میں جاب کرتے تھے ابتداء کے کچھ دن گزار کر میری نندیں واپس چلی گئیں، اسجد اپنی جاب پر اور پیچھے میں اکیلی رہ گئی، صفائی ستھرائی سے فارغ ہو کر میں نے دوپہر کے کھانے کے بارے میں سوچا یہ سسرال کے کچن میں میرا پہلا دن تھا، خوب دل لگا کر میں نے چکن قورمہ بنایا، ساتھ میں مکس سبزی اور دال، سلاد اور رائتہ، میٹھے میں رس ملائی، کھانے کی میز دیکھنے میں ہی پیٹ بھر رہی تھی۔ ایک لقمہ، دو، چار، دس، اسجد نے ایک روٹی ختم کرلی لیکن زبان سے ایک لفظ بھی نا کہا، میں خاموشی سے تعریف سننے کے انتظار میں ہی رہ گئی، میرا انتظار لمبا ہوتا گیا، اسجد میٹھا کھا کر اٹھ رہے تھے جب میں نے پوچھا۔

"کھانا کیسا لگا آپ کو؟" وہ ذرا سا رکے۔

"مائنڈ مت کرنا ماریہ! آپی نسیم تو بہت تعریف کر رہی تھیں تمہارے ہاتھ کے کھانے کی، ماریہ یہ ماریہ وہ، مجھے تو ایسا کچھ ایکسٹرا آرڈنری نہیں لگا بس ٹھیک ہی ہے، میری امی اس سے زیادہ اچھا کھانا بناتی تھیں"۔ وہ تو کہہ کر چلے گئے اور میں بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆☆

اور یہ معمول بن گیا۔

ساری زندگی دوسروں کے منہ سے واہ واہ سننے والی میں ماریہ حسین اپنے سسرال میں فیل ہو گئی، میرے ہاتھ کی لکیروں میں چھپا میرا فن میرے شوہر کو لبھا نہ سکا، پہلے دن کا بچا کھانا میں نے اپنی پڑوس میں بھیجا برتن واپس کرنے دو تین آنٹیاں آئیں اور ترکیب پوچھ کر گئیں، اگلے دن مچھلی پر بھی اسجد نے منہ بنایا، اس سے اگلے دن چائنیز بھی کوئی ایسا خاص پسند نہیں کیا۔

"بریانی...... بس ٹھیک ہے امی جیسی نہیں دم کے کباب بس سو سو ہیں، نہاری، نہیں ویسی نہیں، کجریلا اچھا نہیں بنا، پسندے پسند نہیں آئے"۔ مجھے کیا، اپنا پڑوس والیوں کی تعریفوں سے جب میرا پیٹ بھر کر نہیں کھاتا، آنٹی نرگس کے شوہر اگر میرے بنائے میٹھے کی تعریف کرتے ہیں تو اسجد صاحب کو کیا مسئلہ ہے آخر؟ یہ چاولوں میں کنکر مجھے کیوں نہیں ملتے کباب میں املی کی گٹھلی میرے سامنے کیوں نہیں آتی؟ گوشت سے کچے پن کی بساند مجھے کیوں نہیں آتی؟ میں دنوں میں پاگل ہونے والی تھی۔

☆☆☆☆

میں نے گھر کی شاپنگ خود شروع کر دی، پہلے ہفتے بھر کا گوشت آتا تھا اب میں روز کے روز تازہ خرید کر لاتی، تازہ سبزی خود چھانٹ کر کے خریدتی چھانٹ چھانٹ کر پھلی نکالتی، اچھے سے اچھا مصالحہ بلکہ مرچیں تو میں نے خود گھر میں بھی کوٹیں، پہلے سے زیادہ توجہ سے میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت پکانے میں صرف کرنے لگی، کئی کئی گھنٹے لگا کر اشیاء کو ڈھونڈنا، اچھی طرح صاف کرنا، اچھے سے اچھے مصالحے استعمال کر کے، اچھے سے اچھا پکاتی اور صرف ایک لفظ سننے کو ملتا۔

"وہ بات نہیں جو میری امی کے بنائے کھانوں میں تھی، وہ خوشبو وہ ذائقہ نہیں وہ بات نہیں"۔

"میں سر پکڑ لیتی، سوچتی رہ جاتی کہ کہاں غلطی کر دی میں نے، گھنٹوں فون کر کے نندوں کا دماغ کھاتی، لیکن کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملتا۔

"ارے ماریہ ایویں ٹینشن مت لو اتنا اچھا بناتی ہو تم، اسجد کی باتوں کو خود پر سوار مت کرو"۔ میں لاکھ کوشش کرتی کہ ایسا ہی کروں نہیں پسند آتا تو نا سہی، ادھر ادھر دھیان لگاؤں، فیس بک، ٹی وی، سونا، آرام کرنا، سو اور مشغلے لیکن پھر جانے کیسے سب سے دل اچاٹ ہو جاتا اور میں ایک نئے سرے سے ایک نئے طریقے سے پکانے کی مہم شروع کر دیتی، محلے والے مجھ سے بہت خوش تھے، پڑوس سے آنٹیاں اور ان کی بہوئیں بیٹیاں نت نئی تراکیب سیکھنے آتی رہتیں، میرے پکائے ہر کھانے کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حیرانی سے دیکھتیں، واؤ کے نعرے لگاتیں اور میرا پکایا کسی سوغات کی طرح اپنے اپنے گھروں میں لے جاتیں۔

☆☆☆☆

بھابی کے بھائی کی شادی تھی، اسی کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے، اس دن بھی میں بھابی کے ساتھ شاپنگ کے لیے چلی گئی، خریداری میں وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوا کہ کب بارہ بج گئے میں جب گھر آئی تو اسجد کے آنے میں ایک گھنٹہ تھا۔ جلدی جلدی میں نے سبزی کاٹی اور ساتھ ہی گھی گرم ہونے رکھ دیا، تبھی فون بج اٹھا، میں فون سن کر آئی تو پیاز جیسے میں سنہرا ہونے رکھ کر گئی تھی سیاہ ہو چکی تھی وقت کی کمی، اوپر سے کھانے کے بارے میں اسجد کی رائے۔

"میں کیا کروں اب اگر پیاز جل گئی ہے تو، کھائے یہی ویسے بھی کونسا تعریف کر دینی ہوتی ہے انہوں نے ایسے تو ایسے ہی سہی"۔ اسی سیاہ پیاز میں میں نے سبزی جھونک دی، نمک، مرچ، مصالحے اور ڈھکن ڈھک دیا۔ پندرہ منٹ بعد جب میں نے سالن نکالا تو ابھی ذرا سی کسر تھی، آلو ذرا سے کچے تھے، اسجد روٹی نکال چکے تھے میں نے کندھے اچکائے اور وہی سالن ان کے سامنے رکھ دیا۔

"اوہ مائی گاڈ!" یہ تین لفظ تھے جو انہوں نے پہلا لقمہ لیتے ہی ادا کیے۔

"یہ کیسے کیا تم نے؟ یہ...... یہ بالکل ویسا ہی ہے وہی ذائقہ، وہی خوشبو، ماریہ یہ تو بالکل میری امی کے کھانے جیسا ذائقہ، ارے واہ بھئی"۔ وہ کہتے جا رہے تھے اور کھاتے جا رہے تھے اور میں حیرانی سے کبھی ان کو دیکھتی اور کبھی سالن کی ڈش کو جس میں بدرنگ، بدذائقہ اور عجیب سی خوشبو والی ترکاری موجود تھی، ان کے میز سے اٹھتے ہی میں نے ایک لمبا سانس لیا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی، اب میں سوچ رہی تھی۔

"کل سے میں روزانہ مارننگ شو دیکھا کروں گی، روزانہ فیس بک پر نئی ڈی پی بدلوں گی اور باقاعدگی سے اسٹیٹس اپ ڈیٹ کروں گی، اپنا پیج بناؤں گی جس پر روزانہ نت نئی ترکیبیں ڈالوں گی بلکہ وہ سینٹر بھی جوائن کرلوں گی جس کا کل آنٹی نے کہا تھا اور میں نے مصروفیت کی وجہ سے منع کر دیا تھا دوپہر میں آرام سے دو گھنٹے سویا بھی کروں گی اور لنچ اس کی خیر ہے، کھانا جلانے میں آخر دیر کتنی لگتی ہے"۔ میں ہولے ہولے مسکراتے ہوئے سوچنے لگی۔

☆......☆......☆

☆......☆

☆

امبر فاطمہ

نیلی چھت والا

وہ زندگی کے اتار چڑھاؤ سے ہاری تھی
وہ رشتوں کے وار سے ہاری تھی

وہ معصوم اپنے ہی آپ سے ہاری تھی
ہر لڑکی کو اس کے بچپن سے بس ایک ہی سبق



سکھایا جاتا ہے کل کو تمہیں اپنے گھر جانا ہوگا تمہیں اپنے ہی رشتوں سے دور رہنا ہوگا' باپ بھائی کے سائے سے مضبوط بھی تمہیں ایک سایہ ملے گا' جسے اپنا سب کچھ دے کر اسے ہی اپنا سب کچھ ماننا ہوگا' اس ایک رشتے کی خاطر تمہیں اپنے سب رشتوں سے دور جانا ہوگا' بلوغت کی عمر تک پہنچتے ہی ایسی کئی باتیں اس کے ذہن میں ڈال دی گئی تھیں' اس کے ذہن میں کسی سلطنت کے شہزادے کی خواہش نہیں ڈالی گئی تھی اسے تو بس یہی باور کرایا جاتا تھا کہ وہ بھی تمہاری طرح کا ہی ایک عام سا انسان ہی ہوگا' یہ سب باتیں سکھاتے سکھاتے [illegible] ایک بات تو سکھانا بھول ہی گئے تھے کہ تمہیں اپنی خواہش نہیں خواہشات کو منوں مٹی تلے دفن کرنا ہوگا اس ایک [illegible] کے رنگ میں رنگنے کے لئے تمہیں اپنے سارے رنگ کھونے ہوں گے' جب بھی وہ ابا سے نیا سوٹ لانے کی فرمائش کرتی تو اماں جھڑک کر کہتیں کہ حاجرہ یہ سب شوق تمہارے سسرال میں منوانا اب جو کچھ ہے تمہارے بھائی بھابی کا ہے' اور اماں کے ایسے کہنے پر بھابی اور اکڑ کر اس کی طرف دیکھتی اور وہ دل مسوس کر رہ جاتی لیکن ایک آس ایک امید ضرور رہتی کہ میں بھی سسرال جا کر نئے کپڑے لوں گی اپنی ساری خواہشات پوری کروں گی وہ اپنی خواہشات پر بند باندھے بیٹھی تھی اس نئی امید کے ساتھ۔

☆☆☆☆

وقت گزرتا گیا اماں اور ابا دونوں نے ہی دنیا سے رخصت لے لی' بھابی اور بھائی کے لئے وہ بوجھ بننے لگی تو بڑی دو بہنوں نے مل کر اس کی شادی کے بارے میں سوچا تھا۔ وہ ان سب سے خوش تھی یا نہیں وہ نہیں جانتی تھی لیکن اپنی ساری امیدیں اب اس ایک شخص سے لگالی تھیں' لیکن یہ کیا اس کی ہر امید کو اس شخص نے توڑ مروڑ کے رکھ دیا تھا یہ کہہ کر کے میری پہلے بھی ایک بیوی ہے اس کا خرچہ بھی میری ذمہ داری ہے تمہیں اگر اس گھر میں رہنا ہے تو اپنی بے جا خواہشات اور اپنی بے ضرر فرمائشوں پر آج ہی بند باندھ دو کیونکہ میں اپنی پہلی بیوی کے ساتھ خوش ہوں تم سے شادی صرف تمہارے اپنے گھر والوں کی منت سماجت پر کی یوں سمجھو کہ میرا ایک احسان ہے تم پر اور تمہارے گھر والوں پر' اماں کے سکھائے گئے سبق میں ایسا تو کچھ بھی نہیں تھا اماں نے تو یہی کہا تھا وہی تمہارا سب کچھ ہوگا لیکن نہیں یہ سب کچھ تو الٹ ہو رہا تھا' زندگی تو کسی اور ہی سفر پر چل پڑی تھی اور اس سفر میں وہ اکیلی ہی تھی لیکن کوئی تھا اس کے ساتھ اس کی نیلی چھت والا اس کا ہمراز اس کے دکھوں کو سننے والا جس کے سامنے وہ اپنے سارے آنسو بہا دیتی اپنے سارے غم سنا دیتی تھی اب اس نے اپنی ساری امیدیں خدا سے لگالی تھیں اماں کی کہی باتیں اسے اب صرف خواب لگا کرتی تھیں اب جو تھا اس نے اس پر صبر شکر کر لیا تھا' وقت اسی رفتار سے گزر رہا تھا [illegible] ننھی جان اس کی گود میں آ گئی تھی شوہر پر پہلی [illegible] دباؤ بڑھا تو اسے گھر بدر کر دیا گیا' بھابی بہن تو [illegible] اب اس کا آسرا بن چکا تھا' سب ہی تنگ نظر آ[illegible] لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری تھی اب اسے اپنی بیٹی کو [illegible] سنبھالنا تھا اسے وہ سب کچھ نہیں سکھانا تھا جو اسے سکھایا گیا تھا [illegible] رشتے ساتھ چھوڑ چکے تھے لیکن اس کے لئے اب سب کچھ وہ نیلی چھت والا ہی تھا' جس کی چھت تلے اس کے بندے انصاف کا ترازو تھامے کھڑے تھے دوسروں کی زندگی کا فیصلہ منٹوں میں کر دیتے تھے وہ بھی ایسے ہی وقت کے خداؤں کے ہاتھ میں تھی بھائی' بہن' شوہر سب نے ہی اپنا ہاتھ اس کے سر سے ہٹا لیا تھا بیٹی باپ کے ہوتے ہوئے یتیم کی طرح پل رہی تھی لیکن پھر آسمان کی طرف دیکھ کر اس کی امید بندھ جاتی کہ میرا کوئی نہیں تو کیا ہوا یہ نیلی چھت والا تو میرے ساتھ ہی ہے۔

☆......☆......☆

ریحانہ آفتاب

مکمل ناول

کہہ دو جو اس سے محبت ہے

"I AM IN LOVE WITH YOU"

"مانگ لوں خدا سے آپ کو؟"



اسے زندگی میں سب سے مشکل صورت حال کا سامنا تھا، جو کچھ ہوا وہ اس کے حواس سلب کر لینے کو کافی تھا، اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ جو گفتگو میں مقابل کے پرخچے اڑا دیتی ہے آج یوں مہر بہ لب ہو جائے گی۔

"مانگ لوں خدا سے آپ کو؟"

اس ایک جملے کے بازگشت پر وہ لڑکھڑا کر اپنی جگہ پر گر سی گئی تھی، بے پناہ خوف اس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں آ گیا تھا۔

"مانگ لوں خدا سے آپ کو؟"

ہر جگہ اسی جملے کی تکرار تھی، ہراساں ہو کر وہ تکیے میں منہ چھپا گئی۔

پہلا حصہ



☆......☆

عادی ارجلال جس نے آنکھ کھولتے ہی عیش و عشرت کو اپنے گھر کی لونڈی سمجھا، ہر آسائش، ہر نعمت اس کے ایک اشارے پر اس کی جھولی میں ڈال دی جاتی تھی۔ کبھی کسی شے کے لیے تگ و دو نہیں کی۔ غرور گھمنڈ جس پر ختم تھا۔

پاکستان سے شدید محبت تھی لیکن جب نوجوانی کے دور میں اپنے فاسٹ فرینڈ کو روڈ ایکسیڈنٹ میں مرتا دیکھا تو دل اتنا اچاٹ ہوا کہ اس نے پاکستان چھوڑ دیا، سول انجینئرنگ اور سوفٹ ویئر کی ڈگری مل گئی تو اسے نئے سرے سے پاکستان میں رہنے کے لیے خود کو تیار کرنا پڑا۔ وہ لاکھ چاہنے کے باوجود پاکستان میں رہنے کے لیے خود کو تیار نہیں کر پا رہا تھا۔ سالوں لندن میں گزارنے کے باوجود پاکستان میں رہنے کے لیے خود کو تیار نہیں کر پا رہا تھا، حالانکہ اسے پاکستان سے عشق تھا۔

جہاں غنڈہ گردی، ہنگامہ، ٹوٹی پھوٹی سڑکیں اور غربت سے بے حال لوگ تھے، یورپین ممالک ان عیوب پر ہم پر ہنستے تھے مگر پاکستان میں نہ رہنے کی وجہ فرینڈ کی حادثاتی موت تھی۔ مام اس کے مستقل لندن شفٹ ہونے کا سن کو اپ سیٹ تھیں مگر وہ بنیادی طور پر خود غرض اور اپنی محبت میں مبتلا رہنے والا انسان تھا۔ اس پر ہزاروں لڑکیاں مرتی تھیں، وہ کوئی فرشتہ صفت نہیں رکھتا تھا لڑکیوں سے ہیلو ہائے تھی۔ مگر وہ اس کے معیار کی نہ تھیں۔ لو، افیئر کے لیے اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ NO GIRL NO TENTION یہ اس کی زندگی کا Slogan تھا۔ رات رات بھر جاگ کر فون پر جانو، شونا کرنے والے دوستوں پر اسے بے انتہا حیرت ہوتی تھی۔ ساتھ ہی یہ سوچ کر الجھن بھی ہوتی تھی کہ آخر پوری رات بات کیا کرتے ہیں۔

وہ کسی کی کال دس منٹ کے لیے اٹینڈ کرنے سے بہتر Whats App یا Wiber کرنے کو ترجیح دیتا تھا لیکن یہ کیسے لوگ تھے جو محبت کے نام پر پوری پوری رات نیند خراب کر کے صبح نیند پوری نہ ہونے کا رونا روتے تھے۔ نیند آپ کی صحت اور اسکن کے لیے کتنی ضروری ہے اس نے اس پر باقاعدہ ریسرچ کیا تھا اور یہ خود سے محبت ہی تو تھی جو وہ سگریٹ، شراب اور خود کو تباہ کرنے والی غلط سرگرمیوں سے دور رہتا تھا۔

وہ بہت اچھا مسلمان نہیں تھا مگر دن بھر میں پانچ میں سے ایک دو وقت کی نماز ضرور پڑھ لیتا تھا۔ اس نے عمر بھلے لندن کی آزاد سرزمین پر گزاری مگر اسے اپنی جڑوں کا علم تھا۔ اس نے اپنی ٹکٹ کروالی تھی، کل اس کی فلائٹ تھی، وہ ہمیشہ کے لیے لندن سیٹل ہونے جا رہا تھا۔ ڈیڈ اس کا فیصلہ سن کر کچھ بجھ سے گئے تھے، ان کی خواہش تھی وہ اپنا بزنس پاکستان میں اسٹارٹ کرے اور ساتھ ہی ان کا بزنس بھی ہینڈل کرے۔ اس کے فیصلے پر وہ چپ سے ہو گئے تھے۔

گاڑیوں کی لمبی قطار، ریڈ سگنل پچھلے بیس منٹ سے گاڑی رینگ رینگ کر دس قدم کا فاصلہ طے کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ وہ سخت جھنجلایا ہوا تھا، گاڑیوں کا دھواں، ہارن کا شور، دیارِ غیر میں رہنے کے بعد ٹریفک کا الجھا جال اسے چراغ پا کر رہا تھا۔ اسے شدید پیاس محسوس ہو رہی تھی، ملازم پانی کی بوتل رکھنا بھول گیا تھا، اس کا دماغ مزید خراب ہو گیا، اس نے سڑک کے اردگرد شاپس پر نظر ڈالی۔ سامنے ہی ایک مشہور بیکری کو دیکھ کر اس نے گاڑی بند کی اور چابی نکالتا گاڑی سے باہر آ گیا۔ پاکستان آ کر وہ ہر بار کچھ جھنجلاہٹ کا شکار ہو جاتا تھا اور ٹریفک کی بے قاعدگی نے تو اس کے دوست کی جان لی تھی۔ اس کی بائیک سلپ ہوئی تھی، عادی ارجلال دور جا گرا تھا اور ٹرالر اس کے دوست کے اوپر سے گزرتا چلا گیا تھا۔ آج بھی وحشت زدہ سڑکوں پر آ کر اسے وہ منظر بھلائے

نہیں بھولتا تھا۔ جھنجلائے ہوئے اس نے چند قدموں کا فاصلہ طے کیا۔ بیکری کا گلاس ڈور پوری قوت سے دھکیلا تھا۔ اس نے بیکری کے اندر قدم رکھ دیا، ساتھ ہی درد سے بھری اک نسوانی سسکی سنائی دی۔ سر جھکائے ماتھے پر ہاتھ رکھے وہ درد سے دہری ہو گئی تھی۔ غالباً وہ دروازے کے پیچھے تھی اور وہ بلیک گلاسز کی وجہ سے اسے دیکھ نہ پایا تھا۔ وہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھنے لگا۔ تب ہی اس نے جھکے سر کے ساتھ چہرہ اوپر اٹھایا۔ "Strupid! you have lost your eyes" سخت برہم آواز پر عادی ارجلال کے اٹھتے قدم ٹھٹھک گئے تھے۔ پیشانی پر ہاتھ رکھے وہ اسے گھور رہی تھی۔ وہ اسے یک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ بلیو سوٹ میں غصے سے بھرا چہرا لیے اس کی آنکھیں عادی کو الزام دیتی لگ رہی تھیں۔

''آنکھیں پھاڑے دیکھ رہے ہیں، اتنی تمیز نہیں کہ سوری بول دیں۔'' اس کی مترنم آواز گونجی۔ وہ پھر بھی چپ رہا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے لیکن اسے محسوس ہوا لفظ اندر ہی کہیں گم ہو گئے ہیں۔

''مسٹر گونگے ہیں..... اندھے تو نہیں جو راستہ روکے کھڑے ہیں۔ ہٹیں سامنے سے۔''

وہ سخت جھنجلائی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی اور وہ ایک طرف کو ہو گیا۔ وہ اپنا نیلا آنچل سنبھالتی باہر نکل گئی۔ اس کی پیشانی پر اس نے ایک اچٹتی نظر ڈالی، وہاں سرخ دائرہ ابھرنے لگا تھا۔ وہ جا چکی تھی مگر وہ کئی لمحے یونہی کھڑا رہا۔ بے حس و حرکت، بیکری کے لوگ اسے دیکھنے لگے تو وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔

''جی سر! کیا چاہیے آپ کو؟''

وہ غائب دماغی سے کھڑا تھا۔ سیلز بوائے استفسار کر رہا تھا۔ وہ اس وقت تک یہ بھی بھول گیا تھا کہ اسے کتنی شدید پیاس لگی تھی۔ وہ اس کی طرف استفہامیہ بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''منرل واٹر۔''

اس نے جیسے اپنے اڑے حواس کو یکجا کرنے کی سعی کی، لڑکا آگے بڑھ گیا تھا، وہ خالی خالی نظروں سے اردگرد نظر ڈال رہا تھا۔

''جو میڈم ابھی برتھ ڈے کیک کا آرڈر دے کر گئی ہیں ان کا ایڈریس کیا ہے؟''

کاؤنٹر کی دوسری طرف منیجر رجسٹر پر غالباً معلومات درج کر رہا تھا۔ وہ بے دھیانی سے سن رہا تھا۔ میڈم پر اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس وقت بیکری میں صرف حضرات تھے تو بات یقیناً اسی محترمہ کی ہو رہی تھی جسے اس نے چوٹ پہنچائی تھی۔

''انہوں نے اپنا کارڈ دیا تھا کہ اس ایڈریس پر ہوم ڈیلیوری کر دوں۔''

سیلز بوائے منیجر کو جواب دے رہا تھا۔

''کہاں ہے وہ کارڈ؟'' منیجر اس سے کارڈ طلب کر رہا تھا کہ وہ خانہ پری کر کے اس آرڈر کو سائیڈ کرتا۔

''کارڈ.....'' لڑکا اک دم پریشان نظر آنے لگا۔ وہ اردگرد نظر دوڑا کر جیبیں تھپتھپانے لگا، منیجر کی گھورتی نظریں لڑکے کو بوکھلا گئی تھیں۔ عادی ارجلال کی توجہ ان کی طرف ہی مرکوز تھی۔

''تمہاری انہی لاپروائیوں سے تمہاری نوکری جائے گی۔ وہ ہماری ریگولر کسٹمر ہیں۔ ان کا ایڈریس ہوگا پچھلے آرڈر میں۔ خاور ہی اکثر ڈیلیوری کرنے جاتا ہے انہیں۔ اسے ایڈریس پتا ہے لیکن آئندہ ایسی لاپروائی پر میں مر سے تمہاری کمپلین کروں گا۔'' منیجر غالباً بہت نرم فطرت تھا تب ہی اس کی جان بخشی کر گیا۔

"سر! آپ کی منرل واٹر!" سیلز بوائے پانی کی بوتل لے آیا تھا۔

عادی ارجلال نے والٹ نکال کر پیمنٹ کی، لڑکا چینج لینے کیش کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ عادی ارجلال نے خشک لبوں کو باہم مس کرتے پانی کی بوتل اٹھائی تھی، بوتل کا کارک کھولتے اس کے ہاتھ ساکت رہ گئے۔ بوتل کے پاس ایک کارڈ چمک رہا تھا۔ یہ غالباً وہی کارڈ تھا جس کے متعلق ابھی منیجر اور سیلز بوائے بات کر رہے تھے۔ بوتل رکھ کر اس نے بے ساختہ کارڈ اٹھالیا۔

"سر! آپ کے باقی کے پیسے۔" سیلز بوائے چینج لے کر آگیا تھا۔ والٹ میں پیسوں کے ساتھ کارڈ جانے اس نے کس جذبے کے تحت رکھ لیا تھا۔

"سر! آپ کو جس چیز کی طلب یہاں لائی تھی وہ تو لیتے جائیں۔"

وہ پلٹ گیا تھا تب ہی عقب سے سیلز بوائے کی آواز سماعت سے ٹکرائی، وہ بے ساختہ پلٹا۔ پھیکے سے مسکراتے ہوئے بوتل تھام لی۔

طلب پل بھر میں شکل کیسے بدلتی ہے یہ مفہوم اس پر اس گھڑی کھل چکا تھا۔

☆......☆

"کوئی مدت بعد ملا، بنا کسی مطلب کے ملاقات ہوئی، انداز اچھا، باتیں اچھی، سوچ اچھی، امیج اچھا لگا، جتنا ٹرسٹ آپ پر ہوا ہے اتنا شاید ہی کسی اور پر ہو۔ آپ میرے لیے اسپیشل ہو، آپ سے جڑی ہر بات، ہر فیلنگز امپورٹنٹ ہے۔"

لفظوں کی گرمائش اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس سے سانس لینا بھی مشکل ہو رہا تھا، تازہ ہوا کے لیے اس نے ہر کھڑکی کھول دی مگر لفظوں کی آنچ نے دل کو لپیٹ میں لے لیا تھا، وہ سلگ رہی تھی۔ خاکستر ہو رہی تھی۔

☆......☆

وہ نیم دراز تھا، سینے پر لیپ ٹاپ پڑا تھا، جس کی اسکرین روشن تھی، نظریں دونوں انگلیوں کے درمیان دبے کارڈ پر تھیں۔ ایک بار نہیں ان گنت بار میں اس کارڈ کی ایک ایک عبارت کو پڑھ چکا تھا۔

"اناہیر زیب صاحبہ!"

کارڈ کو دونوں انگلیوں کے درمیان گردش کرتے مسلسل کچھ سوچ رہا تھا، ایک عجیب سی مسکراہٹ نے چہرے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسی اثناء میں دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"کم آن!" اس نے آواز دی مگر اس سے پہلے دروازہ کھل چکا تھا۔ مام اندر آچکی تھیں۔

"خیریت مام! مجھے بلوا لیا ہوتا۔"

مام اسی وقت کمرے میں آتی تھیں جب انہیں کوئی ضروری بات کرنا ہوتی تھی۔

"اس میں کیا حرج ہے، اگر میں چلی آؤں اپنے بیٹے کے کمرے میں تو۔" مام مسکراتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"کل جا رہے ہو تم؟"

مام کو شاید اس کی دوری کا احساس ہی کھل رہا تھا تب ہی افسردہ نظر آ رہی تھیں۔

"لیس مام!"

"کیا عادی!! ابھی تو آئے تھے اور پھر سے جا رہے ہو۔" مام کا گلہ لبوں پر آگیا۔

"میں آتا جاتا رہوں گا مام!" اپنے طور پر اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"سالوں ہو گئے تمہیں مستقل گھر دیکھے، سوچا تھا لوٹ کر آؤ گے تو تمہاری شادی پلان کروں گی لیکن تم پھر جا رہے ہو۔" مام بہت دلبرداشتہ لگ رہی تھیں۔

"میں جلد ہی چکر لگا لیا کروں گا آپ اپ سیٹ نہ ہوں۔"

مام نے لمبی سانس خارج کر کے جیسے خود کو اس حقیقت کو قبول کرنے پر راضی کیا۔

"چلو جس میں تمہاری خوشی ہو، کل ہم نے تمہارے لیے ایک گیٹ ٹو گیدر ارینج کیا ہے کہ جانے تم پھر کب آؤ اور سب سے ملو۔"

"اوکے مام! ڈن، میں ٹائم پر آجاؤں گا۔"

اس کی یقین دہانی پر مام سر ہلاتی اٹھ گئیں۔ مام کے جانے کے بعد اس نے انگلیوں کے بیچ دبا کارڈ ایک بار نظروں کے سامنے کیا۔

"اناہیر زیب! تو محترمہ جرنلسٹ ہیں اور ایک نیوز پیپر کی ایڈمن میں ہیں۔ ہر وقت بریکنگ نیوز کے لیے منتظر رہتی ہوں گی۔"

زیر لب دہرائے اس کے لبوں پر شرارتی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اپنا سیل فون اٹھا کر چند لمحے لبوں سے لگائے رکھا پھر کچھ سوچ کر کارڈ پر درج اس کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ بیل جانے کے بعد بھی کال ریسیو نہیں ہوئی تھی۔ اس نے دوبارہ نمبر ڈائل کیا۔

"السلام علیکم!"

بیل کافی دیر سے جا رہی تھی، وہ کال کاٹنے ہی والا تھا جب ایک دم سے کال ریسیو ہو گئی۔

"وعلیکم السلام! کافی دیر سے ٹرائی کر رہا تھا لیکن آپ کال ریسیو نہیں کر رہی تھیں۔"

اس نے ایسے گفتگو کا آغاز کیا جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔

"اس بے تکلفی کو نظر انداز کر رہی ہوں۔ تعارف کرانا پسند کریں گے۔" لہجہ روکھا ہو گیا۔

"عادی ارجلال!"

اس نے ایسے نام بتایا جیسے کوئی مشہور نیشنل ہیرو ہو۔

"واقف نہیں ہوں اس نام سے، فرمائیں کیسے زحمت کی؟"

اس ٹکڑا تو انداز پر اگر مقابل کوئی اور ہوتا تو اس کے حوصلے پست ہو جاتے مگر مقابل بھی عادی ارجلال تھا۔

"کیا ہم مل چکے ہیں پہلے؟" اناہیر زیب کا سنجیدہ سوال سماعت سے ٹکرایا۔

"جی، کافی تکلیف دہ صورتحال تھی، تعارف نہیں ہوا تھا ایک دوسرے سے۔"

وہ بیکری کا سین یاد کر کے مسکرایا۔

"نمبر کس نے دیا آپ کو؟"

اسے شاید اس کی مسکراہٹ گراں گزری تھی تب ہی مزید بے رخی سے بولی۔

"کم آن، آپ اتنی فیم ہیں کہ آپ کا نمبر لینا کون سا مشکل کام ہے۔" اس نے جیسے مزہ لیا۔

"مطلب کی بات کریں۔"

عادی ارجلال کو لگا اگر اس نے مزید کوئی گل افشانی کی تو وہ رونگ کال کی لسٹ میں ڈال کر اس پر لعنت بھیج

دے گی۔

"آپ کے نیوز پیپر پر ایک بریکنگ نیوز لگوانی ہے۔" عادی نے حتی الامکان لہجہ سنجیدہ کیا۔

"فرمائیں کیا نیوز ہے؟" اس کا انداز پروفیشنل ہی تھا۔

"میری گرل فرینڈ نے بریک اپ کرلیا ہے اور اب میں سوسائیڈ پلان کر رہا ہوں۔"

"مسٹر غالباً آپ زیادہ فری ہیں تب ہی بکواس کر رہے ہیں۔" وہ غصہ ہونے لگی۔

"میم! آئی ایم سیریس 100%۔" عادی ارجلال نے جیسے یقین دلاتے کی سعی کی۔

"اوکے، جب مر جائیں گے تو نیوز خود بریک ہو جائے گی۔ کال نہ کیجیے گا دوبارہ۔"

وہ چراغ پا ہو کر کال ڈسکنیکٹ کر گئی تھی۔ کال بند ہونے پر اس کے چڑے انداز اور غصے، جھنجلاہٹ پر اسے ہنسی آنے لگی۔

"انٹرسٹنگ!" بس پھر کیا تھا اس نے لیپ ٹاپ کو مزید قریب گھسیٹا اور چند لمحوں بعد انا ہیر زیب کے کارناموں کی لسٹ اس کے سامنے آگئی۔ بمعہ تصویر کے، اس کی تصویر پر نظریں جمائے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

☆......☆

اس کا دماغ جیسے کچھ سوچنے سمجھنے کی کیفیت سے ماورا ہو چکا تھا۔ گھٹنوں پر چہرہ ٹکائے اپنے وجود کے گرد بازو لپیٹے وہ سخت ہراساں نظر آ رہی تھی۔ اک بے چینی نے وجود کا گھیرا تنگ کر دیا تھا۔ ماسی آچکی تھی۔ وہ اپنے کام میں لگی ہوئی تھی۔ گاہے بگاہے اسے بھی دیکھتی جا رہی تھی۔

"باجی طبیعت ٹھیک ہے آپ کی۔ کافی دیر سے دیکھ رہی ہوں کچھ پریشان سی ہو۔"

جہاندیدہ ماسی اس کی کیفیت بھانپ گئی تھی۔ وہ سخت متعجب نظروں سے اسے دیکھتی اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگی جیسے چہرے سے پریشانی مٹانا چاہ رہی ہو۔

"ایک بجنے والا ہے، آپ نے ابھی تک ہانڈی بھی نہیں بنائی۔ روز آپ اس وقت تک فارغ ہو چکی ہوتی ہو۔"

ماسی اپنی لن ترانیوں میں مگن تھی۔ اس کے احساس دلانے پر اس کی نظریں بڑے سے وال کلاک کی طرف اٹھی تھیں جہاں گھڑی ایک بجانے والی تھی۔ تب ہی مساجد سے نماز ظہر کی آوازیں گونجنے لگیں۔

☆......☆

عادی ارجلال سخت بور ہو رہا تھا۔ اس طرح کی گیٹ ٹوگیدر اسے کبھی پسند نہیں آتی تھی جس طرح مام اسے ایک کے بعد ایک طرح دار حسینہ سے ملوا رہی تھیں۔ وہ گیدرنگ کا مفہوم بہت اچھی طرح جان گیا تھا۔ سوفٹ ڈرنک کا گلاس لے کر سخت بدمزا ہو کر وہ قدرے ویران گوشے گرل سے ٹیک لگائے دور سے اس رنگ و بو کی محفل کو دیکھ رہا تھا۔ وقفے وقفے سے مشروب سے لطف اندوز بھی ہو رہا تھا۔

وہ ہمیشہ سے ان ہی مصنوعی ماحول اور مصنوعی لوگوں کے درمیان رہا تھا۔ جہاں انسان کے احساسات و جذبات کی خاص اہمیت نہیں تھی، جہاں رشتوں، دوستیوں کو ہمیشہ کیش کروایا جاتا تھا۔ ایک عرصہ دیار غیر میں رہ کے اس پر کھلا تھا کہ گو صرف سرد مزاج ہیں جب کہ اپنے ملک میں لوگ حد سے زیادہ منافق ہیں۔ ہر کوئی غرض کی پوٹلی دبائے ملتا تھا۔ بس مفاد کا رشتہ تھا۔ کبھی کبھی اس کا جی اوب جاتا تھا، اسے گھٹن محسوس ہوتی تھی۔ ان کے درمیان رہ کے جیسے ابھی ہو رہی تھی۔

ام کے کہنے پر وہ آتو گیا تھا مگر جس طرح مقابلے کی دوڑ میں سب نے جس طرح ایک دوسرے کو نیچا نے کے لیے باتوں اور فیشن میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا اسے دیکھ کر طبیعت مکدر ہو گئی تھی۔

"منافق لوگ، منافقانہ انداز، نقلی مسکراہٹ، دلوں میں بغض، حرص....."

تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پر آگئی۔ سوفٹ ڈرنک کا گلاس اس نے منہ کے قریب کرنا چاہا تھا مگر برا ہوا۔ کا ہاتھ گرل سے اس بری طرح ٹکرایا کہ گلاس پر بیلنس نہیں رہا۔ گلاس ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہونے سے تو بچ گیا مضبوط تھی مگر گلاس میں موجود مشراب چھلک گیا تھا۔ ابھی وہ جائزہ لینے کی سوچ ہی رہا تھا کہ "O My Allah" کی آواز پر بے ساختہ بائیں طرف دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔

اس سے چند اسٹیپ نیچے کوئی محترمہ پھولوں کا بے حد حسین بکے لیے اپنے دوپٹے کو استعجابیہ انداز میں دیکھ تھی۔ ہاتھ گرل سے ٹکرانے کی وجہ سے سوفٹ ڈرنک یقیناً ان محترمہ کے دوپٹے پر اپنا نشان چھوڑ گیا تھا۔ خفت کا احساس ہوا۔

"Mem! sory for that, it was an ......"

محترمہ نے سر اوپر اٹھایا تھا اور وہ جو فراٹے سے معذرت خواہانہ جملے بول رہا تھا، اس کے کڑے تیوروں اور رتی نظروں پر اس کی چلتی زبان جیسے بولنا بھول گئی۔ بلیک ڈریس میں سلیقے سے میک اپ کیے، دوپٹا وں پر ڈالے کرلز بالوں کو بائیں شولڈر پر سیٹ کیے وہ انا ہیر زیب ہی تھی۔

"آپ یقیناً اس دن بیکری والے ہیں۔" وہ ذہن پر زور دے رہی تھی۔ عادی ارجلال اس کی یادداشت کو یے بغیر نا رہ سکا۔

"تو آپ گونگے نہیں ہیں؟" وہ اسے ہی گھور رہی تھی۔ عادی ارجلال سر اثبات میں بھی نا ہلا پایا۔

"نا میں پوچھتی ہوں، ایسی کون سی خاندانی دشمنی ہے آپ کی مجھ سے جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔ لے ماتھا پھوڑ دیا اور اب دوپٹا گندا کر دیا۔ اب میں اس حلیے میں پارٹی اٹینڈ کروں؟"

وہ سخت برہم نظر آ رہی تھی۔ عادی ارجلال نے اب دھیان دیا، وہ ہوٹل کے بی پورشن کی سیڑھیوں پر کھڑا تھا طے کر کے بی پورشن میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔ وہاں بھی کوئی تقریب جاری تھی۔ عادی ارجلال ساکت لبوں بس اسے دیکھ رہا تھا۔ بہت حسین چہرے اس نے دیکھ رکھے تھے لیکن اس چہرے پر کچھ خاص بات تھی اور یہ اس بات کیا تھی یہ عادی ارجلال سمجھ نہیں سکا تھا۔

دونوں بار اس کے چہرے پر اس نے غصہ ہی دیکھا تھا مگر غصے کے علاوہ بھی اس کے چہرے پر کچھ تھا جو اسے یکٹ کر چکا تھا۔

"اُف۔" اسے مسلسل اپنی طرف خاموشی سے دیکھ کر وہ لمبی سانس خارج کر کے اوپر کی سیڑھیوں کی طرف گئی تھی۔ نظروں سے اوجھل ہوئی تو عادی ارجلال کی گردن بے ساختہ اس کے وجود پر اٹھ گئیں۔

"ایسا کیا ہو جاتا ہے اس کے سامنے کہ میں کچھ بول نہیں پاتا، عادی ارجلال! کہاں چلی جاتی ہے آپ کی اری خود اعتمادی، خود گفتاری؟" وہ جیسے خود کو لعن طعن کر رہا تھا۔

وہ وہاں سے ہٹ کر اپنی پارٹی کی طرف آنے کے بجائے ایسے ایریا میں آگیا جہاں سے اوپر کی منظر واضح وہ اسے مختلف لوگوں سے ملتی نظر آئی۔ خواتین کے چہرے سے چہرہ مس کرتے وہ بنا پلکیں جھپکے دور ہونے ہاوجود اسی پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔

لب دانتوں تلے دبائے اس نے بے ساختہ سیل فون نکال کر اناہیر زیب کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ یہ کیا حرکت تھی؟ یہ کیا تھا؟ وہ نہیں جانتا تھا۔ سیل فون کان سے لگا ہوا تھا مگر نظریں مسلسل اسی پر تھیں جو ہاتھ میں موجود بجتے سیل فون کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے سیل فون کان سے لگالیا تھا۔

''السلام علیکم!'' وہ اپنے مخصوص لب و لہجے میں آن لائن تھی۔

''اناہیر زیب! آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔'' عادی ارجلال نے بے دھڑک کہا تھا۔

"What?"۔ اگلی طرف اتنی ہی حیرت کا مظاہرہ ہوا تھا۔

''یس یو لوکنگ گورجیئس۔'' اس نے پھر اسی پرسکون انداز میں کہا تھا۔

''ہیلو مسٹر!'' عالم حیرت سے نکل کر وہ یقیناً اب اسے کھری کھری سنانا چاہتی تھی۔

''آپ اتنی حسین لگ رہی ہیں کہ میں آپ سے گالیاں سن کر آپ کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتا۔ انجوائے یور پارٹی، آپ میری نظروں کی رینج میں ہیں!'' اپنی کہہ کر وہ خود ہی مسکرایا تھا اور لفظوں کا خاطر خواہ اثر بھی ہوا۔

اناہیر زیب کی حیران متلاشی نظریں ارد گرد بھٹکنے لگیں۔ عادی ارجلال اس کی بے چینی پر ہولے سے مسکرا کر دیوار سے ٹیک لگا کر سیل فون لبوں پر ہولے ہولے مارتے مسکرا رہا تھا۔ وہ جہاں کھڑا تھا وہاں اناہیر زیب کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی اور اسے بھولے سے بھی شک نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ گمنام کال کرنے والا عادی ارجلال ہے جو دو بار اسے تکلیف پہنچا چکا ہے اور جس کی زبان اس کے سامنے تالو سے چپک جاتی تھی۔ دفعتاً آرکسٹرا کی آواز قدرے اونچی ہوگئی تھی۔

تو اتنی خوبصورت ہے فدا دیدار پر تیرے
تو ہی تو عشق ہے میرا ذرا سا پیار تو دے دے
تیرے سنگ بھیگ جاؤں میں کبھی برسات وہ دے دے
تیرے بنا جینا پڑے وہ پل مجھے نہ دے!!!

آرکسٹرا کی خوبصورت آواز سماعتوں میں رس گھول رہی تھی۔ وہ مسحور سا کھڑا تھا۔ دفعتاً اس کی انگلیوں نے کچھ لفظ ٹائپ کیے تھے۔ Send پر انگوٹھا دبا کر لب دانتوں تلے دبائے اس کی نظریں اس پر مرکوز تھیں جو اب کسی سے محو گفتگو تھی۔ ٹیکسٹ کی ڈیلیوری رپورٹ آئی تو اگلے پل اناہیر زیب نے سیل فون کو دیکھا۔

''یہ سونگ آپ کے لیے میری طرف سے۔''

وہ دور سے ہی اس کی جھنجلاہٹ کو انجوائے کر رہا تھا جو متلاشی نظروں سے پارٹی میں موجود لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے خیال میں یہاں کوئی شخص موجود تھا جو اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔

"Just go to Hell!"

اناہیر زیب کی طرح اس کا غصہ جواب آیا تھا۔ عادی ارجلال کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ دفعتاً اس کے سیل فون پر مام کی کال آنے لگی تھی۔

''یس مام!'' اس نے لمبی سانس لیتے کال پک کی۔

''عادی کہاں ہو تم؟ کب سے ڈھونڈ رہی ہوں تمہیں، کتنی ہی فیملیز سے ملوانا ہے تمہیں۔'' مام کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔

''سوری مام! میں پارٹی لیو کر چکا ہوں، بہت بورنگ ہے۔'' اس نے صفا چٹا جواب دے دیا۔

ادی مل کے تو جاؤ سب سے۔''

و پتا تھا وہ کتنا ضدی تھا۔ انہیں اپنی محنت اکارت جاتی لگی۔

ام پلیز اصرار نا کریں۔''

کا بالکل موڈ نہیں تھا پھر سے اسی بے رنگ اور مصنوعی ماحول کا حصہ بننے کا۔

و کے تمہیں لیٹ نائٹ نکلنا بھی ہے۔ ٹھیک ہے تم گھر جا کر آرام کرو۔''

کی فکر مندہ پر وہ ہولے سے مسکرایا۔

میری ماں کا مزاج مت پوچھو
صرف باتوں سے مان جاتی ہے

"Love you Mom!"

اچھا اب مسکا نہ لگاؤ!'' مام مسکرائیں۔ دفعتاً اس کے مسکراتے لب بھینچ گئے تھے۔ سیل فون کان سے لگا تھا ریں بالکنی پر موجود اناہیر زیب پر تھیں۔ جس کے مقابل ایک شخص آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ چالیس پینتالیس کے ک کا بندہ تھا۔ اناہیر زیب کے تاثرات سپاٹ تھے۔ مگر مقابل کے چہرے پر پھیلی خباثت اور بلاوجہ انداز اسے دور سے ہی نظر آ گیا تھا۔ باتیں کرتے کرتے وہ کئی بار چند قدم آگے آیا تھا اور اسی طرح اناہیر نے اپنے قدم پیچھے کیے تھے۔ وہ غالباً اس سے پیچھا چھڑانا چاہ رہی تھی مگر مقابل بھی غالباً ڈھیٹ ابن ں تھا۔ عادل ارجلال کے ہاتھ تیزی سے ٹیکسٹ ٹائپ کرنے لگے۔ نہایت طیش میں اس نے انگوٹھا Send پر مارا تھا۔ اناہیر زیب بری پھنسی تھی۔

میر فاروق ایک روح رواں پرچے کا ایڈمن تھا مگر اس کی حرکتوں سے اناہیر سخت عاجز تھی۔ اکثر پارٹیز میں جاتا تھا اور جان کو آجاتا تھا۔ اس وقت بھی وہ کئی بار اسے ایکسکیوز کہہ کر جان چھڑانا چاہ رہی تھی مگر وہ بھی وں کی نسل سے تھا۔ وہ سخت عاجز نظر آ رہی تھی۔ تب ہی اس کے سیل پر ایس ایم ایس ٹون بجنے لگی۔

''اس ٹھرکی بڈھے کے سامنے سے فوراً ہٹ جائیں، سخت زہر لگ رہا ہے یہ مجھے، اب اگر اس نے ایک قدم ی آپ کی طرف بڑھایا تو میرا اپھٹر Due ہو جائے گا اس پر۔''

اناہیر زیب کی حالت کچھ عجیب سی ہوگئی تھی۔ ایک نظر میر فاروق پر ڈال کر پھر سے ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔ س کے خیال میں اسے فون پر ٹیکسٹ کرنے والا اسی تقریب کا حصہ تھا تب ہی تو وہ ساری نیوز سے باخبر تھا۔

''اناہیر زیب! تو کب لکھ رہی ہیں آپ ہمارے لیے کچھ؟''

حسب عادت میر فاروق پھر آگے آیا۔

''سر! میں آپ کو پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میں اپنے ادارے کی پابند ہوں، آپ کے لیے نہیں لکھ سکتی۔ آپ ھی اسی پروفیشن سے وابستہ ہیں اور میرا خیال ہے اس کے رولز ریگولیشن سے واقف ہیں، تو پلیز مجھے راستہ دیں۔'' اناہیر زیب بہت دیر خود پر ضبط نہیں کر سکتی تھی سو اس نے اپنے مخصوص خشک لب و لہجے میں مقابل کو دو ٹوک جواب دیا اور سائیڈ سے نکل گئی۔ میر فاروق پرلے اسے اپنی غلیظ نظروں سے دیکھتا رہا پھر شانے اچکا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اب یقیناً پارٹی چھوڑ رہا تھا۔

عادی ارجلال کے قدم بے ساختہ اسی طرف اٹھے تھے۔ لوگوں کے قہقہوں، آرکسٹرا کا شور، ان سب کے باوجود کئی ایک نے یہ منظر بہت حیرانی سے دیکھا تھا۔ جب جانے انجانے میں ٹکراؤ پر دو بندوں میں تلخ کلامی

"کیوں نہ ہو بھلا؟" مام نے مصنوعی خفگی سے دیکھا۔ اس نے شانے اچکا دیئے۔
"چار بجے کی فلائٹ ہے ناتمہاری؟" مام تھوڑی دکھی ہو گئیں۔
"میں نہیں جارہا۔" اس نے لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھ دیا۔
"WhaT?" مام بری طرح چونکیں۔
"جی میں نے کینسل کر دی فلائٹ نہیں جارہا لندن، مستقل پاکستان میں رہوں گا اور بزنس کروں گا۔"
اس کا فیصلہ سن کر مام پر شادی مرگ کی کیفیت طاری تھی۔
"اتنا بڑا چینج راتوں رات کیسے؟ اچانک....؟" مام بے حد حیران تھیں۔
"بس دل نے کہا تو قدم رک گئے۔" اس کا انداز شرارتی تھا۔
"خیر جو بھی وجہ ہو، مجھے تو تمہارے فیصلے سے بہت خوشی ہوئی۔" مام کی خوشی پر وہ مسکرا دیا۔
"تم آرام کرو۔ میں تمہارے ڈیڈ کو یہ خوشخبری سناتی ہوں۔" مام اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"Whatsapp دیکھ لینا۔" مام یاددہانی کراتی اٹھ گئیں وہ دوبارہ لیپ ٹاپ پر مصروف ہو چکا تھا۔
مام کے اصرار پر اس نے Whatsapp کھولا۔ ایک سے ایک طرحدار حسینہ کی پک تھی۔ وہ بے دلی سے تصویر ایک کے بعد دوسری پیچھے کر کے جیسے فارمیلٹی پوری کر رہا تھا۔ جیسے مام کے کہنے پر بس فریضہ انجام دے رہا ہو۔ دفعتاً نظریں ٹھٹکیں۔ اس نے پچھلی تصویر کو پھر سے اوپن کیا۔ کوئی حسین محترمہ تھیں مگر اس کی نظروں کا مرکز محترمہ کے سائیڈ پر کھڑی ہستی تھی۔ وہ انا ہیر زیب تھی جو تصویر کھینچتے شاید نادانستگی میں کیمرے میں قید ہو گئی تھی۔

First You Caugh My Eye. Them You Left My Heart. So Basically I am Blind. Suffocating And Heartless Unless You Bwcome Mine. I like You!

پہلے تم نے نظروں کو قید کیا۔ پھر تم نے سانس لینے کے قابل نہ چھوڑا۔ اب تم نے میرا دل چرا لیا۔ بنیادی طور پر میں اندھا ہوں بے چین ہوں، دم گھٹ رہا ہے جب تک تم میری نہیں بن جاتیں۔ میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔"
"کہاں کہاں سے تمہیں ڈھونڈ نکالتا ہوں۔" تصویر کو دیکھتے مسکرایا۔ دفعتاً اس نے سیل فون اٹھایا اور انا ہیر کا نمبر ڈائل کر بیٹھا۔
"السلام علیکم!"
چند بیل کے بعد ہی اس کی آواز سنائی دی جس میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ یقیناً وہ جاگ رہی تھی۔
"اتنی رات گئے تک جاگ رہی ہیں۔" وہ بہت اپنائیت سے مخاطب تھا۔
"اوسوری آئی انڈر اسٹینڈ۔ ایک تخلیق کار کو رات کی خاموشی سے عشق ہوتا ہے، آپ یقیناً اپنا لکھنے کا کام انجام دے رہی ہوں گی۔" وہ یوں محو کلام تھا جیسے برسوں سے ان کے درمیان دوستانہ تعلق رہا ہوں۔
"مسٹر! آپ ہیں کون؟" دوسری طرف ناگواری سے پوچھا گیا۔ غالباً ابھی تک اس کے نمبر کو سنجیدگی سے نوٹس نہیں کیا گیا تھا۔
"آپ یہ ضرور جاننا چاہتی ہوں گی میر فاروق کو تھپڑ کس نے مارا؟" اس کے لفظوں کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ وہ بری طرح چونکی۔
"آپ.....؟"

"عادی ارجلال!"
"اس حرکت کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟" یقیناً سب جاننا چاہتی تھی۔
"WHY NOT" پورا حق حاصل ہے آپ کو۔"
"مطلب؟" وہ اس کے لہجے اور انداز پر چونکی۔
"سارے مطلب سمجھادوں گا، شام پانچ بجے آپ کے آفس کے قریبی کافی شاپ پر میں آپ کا منتظر رہوں
اس نے یوں پروگرام گوش گزار کیا جیسے دوسری طرف سے انکار کا سوال ہی نہیں ہوگا۔
"مسٹر ایک منٹ۔ نہ میں آپ کو جانتی ہوں نہ پہچانتی ہوں اور نہ ہی اس طرح کی دعوت EXCEPT تی ہوں آپ کو میرے بارے میں کس نے مس گائیڈ کیا ہے۔" کسی لگی لپٹی کے بغیر اس نے اس پر سب ضح کر دیا۔
"میں ساڑھے پانچ بجے تک آپ کا ویٹ کروں گا۔" وہ اپنی بات پر قائم تھا۔
"آپ بھلے ساری زندگی ویٹ کریں، میں نہیں آؤں گی۔" وہ جھنجھلا گئی۔
"آپ نہیں آئیں تو ساڑھے پانچ بجے آپ کے آفس میں ملوں گا آپ سے۔" وہ ضدی لہجے میں گویا تھا۔
"مسٹر ڈونٹ ڈسٹرب می اگین۔ میں بہت بزی ہوں۔ دوبارہ کال کرنے کی زحمت کر کے میرا لکھنے کا موڈ رت نہ کیجئے گا۔"
وہ شاید اسے سڑک چھاپ لوفر سمجھ رہی تھی تب ہی ترش لہجے میں سنا کر کال بند کر گئی۔

☆......☆

جن کی آنکھوں میں تم بستی ہو، انہیں نیند نہیں آتی مجھے ان PILLS کے سہارے نہیں جینا۔ ادھوری ذات کا دکھ ادھوری بات سے گہرا ہوتا ہے۔ تمہاری خاموشی مجھے کھوکھلا کر رہی ہے۔ دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے، بے مطلب زندگی کی وجہ تم ہو۔"
درد کا اتنا کاری وار ہوا تھا کہ اس کے آنسو بہنے لگے تھے۔ وہ رو رہی تھی شدت سے، تڑپ رہی تھی مگر بے بسی کا یہ عالم تھا کہ اسے اپنی آواز حلق میں گھونٹنا پڑ رہی تھی۔ وہ چیخ چیخ کے رونا چاہتی تھی بے بس تھی۔
وہ ٹائم پر کافی شاپ پہنچ چکا تھا، گھڑی کی سوئیاں پانچ بجا چکی تھیں اور اب آگے کا سفر طے کر رہی تھیں، اس کی نظریں اپنی مضبوط کلائی میں بندھی رسٹ واچ پر تھیں۔ پانچ بج کر پچیس منٹ ہو چکے تھے۔

I Don't Need ACoffe To Start My Day With A Bang' I Just Need to Look At Your Smile.-"

"تیری مسکراہٹ دیکھ لوں تو دن اچھا گزرتا ہے مجھے کافی کی ضرورت نہیں پڑتی۔" والٹ سے پیسے نکال کر پاکٹ میں رکھتے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆......☆

انا ہیر زیب فون پر مصروف گفتگو تھی۔
"سحر! آپ کا آرٹیکل کچھ تشنگی لیے ہوئے ہے، بہتر ہوگا آپ اسے دوبارہ پڑھیں اور مزید اچھا لکھ کر بھیجیں۔"
وہ نئی آرٹیکل رائٹر سے مخاطب تھی۔ جب پیون دروازہ بجا کر اس کے روم میں داخل ہوا۔ وہ بھی فون سے فارغ ہو چکی تھی تب ہی پیون نے مدعا بیان کیا۔

"میم! کوئی عادی ارجلال آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"کس سلسلے میں؟" وہ اپنی میز پر بکھرے کاغذات میں سے کوئی کاغذ دریافت کرنے کی سعی میں مصروف تھی۔ تب ہی بے توجہی سے جواب دیا۔

"وہ......!" پیون کچھ ہچکچا گیا۔

"بولیں بھی۔" وہ ابھی تک کاغذات کے گورکھ دھندے میں الجھی ہوئی تھی۔

"وہ صاحب کہہ رہے ہیں انہوں نے پانچ بجے آپ کے ساتھ کافی پینے کا پلان کیا تھا۔"

پیون بے چارا کچھ زیادہ پزل لگ رہا تھا اس قسم کے پیغام سے یا پھر انا ہیر زیب کی شخصیت کا اثر تھا جو بول نہیں پا رہا تھا۔ پیون نے پیغام ملنے پر عادی ارجلال کو عجیب نظروں سے دیکھا تھا مگر اس کے چہرے پر چھائی سنجیدگی اور اس کے رکھ رکھاؤ پر وہ پیغام لے کر بحالت مجبوری آ گیا تھا۔

"کافی......!" وہ تحیر سے دہرا کر رہ گئی! اس کے ہاتھ ایک ثانیے کو ساکت رہ گئے تھے۔ وہ کاغذات سے نظریں اٹھا کر پیون کو دیکھنے لگی جو جواب کا منتظر تھا۔ رات کی کال حافظے میں گونجی جسے وہ فراموش کر چکی تھی۔

"آپ نہیں آئیں تو ساڑھے پانچ بجے میں آپ کے آفس میں ملوں گا آپ سے۔"

اس کی نظریں بے ساختہ وال کلاک پر اٹھیں۔ جہاں ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔

"کیا نام بتایا آپ نے؟" وہ حیرت سے نہیں نکلی۔ اس کے گمان میں نہیں تھا کہ وہ کریزی شخص اپنی بات کو عملی جامہ پہنانے آ جائے گا۔

"عادی ارجلال!" پیون نے اس کی بے یقینی کو یقین کا لباس دیا۔

"بھیجیں انہیں اندر!" کاغذات کا پلندہ سائیڈ پر کرتے وہ ایک کی طرف بڑھی۔

"السلام علیکم!" ہلکی سی دستک دے کر کوئی اندر آ چکا تھا۔ انا ہیر زیب ریک سے کتاب نکالتی پلٹی۔ عادی ارجلال چہرے پر مسکراہٹ سجائے اس کی میز تک آیا، وہ اسے دیکھ کر بری طرح چونکی، اسے دیکھ کر وہ کتنی حیران تھی یہ اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا۔

"بیٹھنے کی اجازت ہے؟" عادی ارجلال کو اس کے چہرے کی بے یقینی لطف دے رہی تھی۔

"جی پلیز!" چیئر کی سمت اشارہ کرتی کتاب میز پر رکھ کر وہ بھی اپنی چیئر پر بیٹھ گئی۔

"آپ نہیں آئیں لیکن دیکھ لیں میں نے اپنی بات کا پاس رکھا۔" وہ مسکراتے ہوئے بھرپور نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ رات کی نسبت وہ اس وقت سادگی میں تھیں۔ اورنج رنگ کے سوٹ میں ملبوس میک اپ کے نام پر لپ اسٹک لگائے بیٹھی تھی مگر اسے بہت حسین لگ رہی تھی۔ اس کی بات پر انا ہیر زیب نے صرف ایک خاموش نظر اس پر ڈالی۔

"سوچا کہ آپ کو یقین دلا دوں کہ نہ تو میں گونگا ہوں اور نہ سڑک چھاپ لوفر۔"

غالباً انا ہیر زیب کی وہی حالت ہو گئی تھی جو پہلے عادی ارجلال کی ہوئی تھی۔ وہ بھی ساکت کچھ بولنے سے قاصر نظر آ رہی تھی۔

"میرا نمبر کہاں سے لیا۔ میر فاروق کو تھپڑ کیوں مارا آپ نے؟" وہ اپنا شک دور کرنا چاہتی تھی کہ شاید اس نے اپنی خار نکالی ہو۔

"ڈیزوینگ بندہ تھا۔" وہ سنجیدگی سے اس کے پرسکون انداز کو ملاحظہ کر رہی تھی۔

"آپ کے آفس میں مہمان کو چائے، کافی، گرین ٹی نہیں پوچھتے؟" وہ شرارت سے اس کی آنکھوں میں [جھا]نک رہا تھا۔

"زبردستی کے مہمان کے لیے سوچنا پڑتا ہے۔" اس کے جتاتے انداز پر عادی ارجلال کی مسکراہٹ گہری [ہو] گئی۔

"بہت Out Spoken ہیں مروتاً بھی ذلیل نہ کرتیں۔"

انا ہیر انٹرکام اٹھا چکی تھی۔

"دو کافی بھیج دیں۔" انٹرکام پر ہدایت دے کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ "آپ کا تعارف؟"

وہ غالباً عادی ارجلال نامی مسٹری کو سلجھانا چاہتی تھی۔

"نام عادی ارجلال، ڈیڈ سعودیہ عریبیہ میں مقیم ہیں۔ چار بہن بھائی میرا پہلا نمبر ہے۔ سوفٹ ویئر اور سول انجینئر ہوں ایک ماہ قبل لندن سے لوٹا ہوں اور اب مستقل پاکستان میں رہنے کا پلان ہے۔"

وہ کالج بوائے کی طرح غیر سنجیدگی سے اپنے متعلق انفارم کر رہا تھا۔ پیون کی آمد اور کال کا مفہوم سمجھنے سے ابھی تک قاصر ہوں۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ عادی ارجلال نے کافی کا مگ اٹھا لیا۔

"What" "I am in love With you"

اس کے بے دھڑک بولنے پر انا ہیر زیب کی کشادہ آنکھیں مزید کشادہ ہو گئیں۔

IWanna Live in a World ' A World W here Only You and !"

"mw Exist

(میں ایک ایسی دنیا میں جیتا ہوں، جہاں صرف میں اور تم ہوں۔)

عادی ارجلال اپنی بات کہہ کر کمال سکون سے کافی کے سپ لینے لگا۔

"کیا بکواس ہے یہ؟ مسٹر جس فیلڈ سے ہوں یہاں لڑکیوں کی کمی نہیں۔ صبح دوپہر شام کوئی ایسا پہر نہیں جو اس قسم کے جملے سننے کو نہ ملتے ہوں مگر مجھے آپ سے توقع نہیں تھی۔" وہ سخت برانگیختہ ہوئی۔

"نہ میں آپ کی فیلڈ سے ہوں، نہ مجھے فلرٹ کا شوق ہے۔ آپ کو پہلی بار دیکھ کر ہی کچھ ہوا تھا۔ سحر زدہ کیفیت کا شکار ہو چکا تھا۔ پھر آپ کو بہت سوچا، کل میر فاروق کے ساتھ جو ہوا وہ صرف آپ کے لیے ہوا مجھ سے برداشت نہیں ہوا کہ کوئی شخص آپ کے قریب آئے یا آپ کو تنگ کرے۔"

انا ہیر زیب سنجیدگی سے اس کے لفظوں کو پرکھ رہی تھی۔

"مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے آپ کے ساتھ اپنی زندگی کو مکمل اور خوبصورت بنانا چاہتا ہوں۔ ہر قیمت میں آپ کو پانا چاہتا ہوں۔" عادی ارجلال کا لہجہ مضبوط اور دوٹوک تھا۔

"محبت آپ کو ہوئی ہے، مجھے نہیں Got it!" بے حد جتاتا ہوا لہجہ تھا۔

"آپ کو بھی ہو جائے گی۔" نظریں اس کے چہرے پر جمائے وہ بے حد پر یقین تھا۔ انا ہیر زیب کے ہاتھ ایک لمحے کو لرزے۔

"شادی کر لیں مجھ سے۔" مگر ہاتھ میں تھامے وہ بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

انا ہیر زیب بری طرح ٹھٹکی۔ یہ شخص اس کی سمجھ سے قاصر نظر آ رہا تھا۔ جو دو بار کے ٹکراؤ اور ایک آدھ بار کی کال کے بعد محبت کا دعویٰ نہ صرف کر رہا تھا بلکہ شادی کا پیغام دے رہا تھا۔

"میرے بارے میں کچھ بھی نیگو سوچنے سے پہلے یہ ضرور یقین کیجیے گا کہ میں فیصلہ ایک بار کرتا ہوں اور اس پر آخری دم تک قائم رہتا ہوں کوئی بھی صورتحال میرے فیصلے کو بدلنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ آپ ہی کی صورت ہے جس نے مجھے مستقل لندن شفٹ ہونے سے روکے رکھا۔ میری محبت کی عمر بھلے چند دنوں پر محیط ہے مگر اس کی جڑیں کاٹنا اب ناممکن ہے۔ I Need You!"۔

عادی ارجلال ضدی بچے کی طرح اس کی چاہ میں مچل رہا تھا۔ مزید خاموش اپنا انا ہیر زیب کے لیے مشکل ہوگیا۔

"مسٹر عادی ارجلال! آپ کو شاید بہت بڑی غلط فہمی ہوگئی ہے۔ آپ شاید اس حقیقت سے آگاہ نہیں میں میرڈ ہوں اور میرے دو بچے ہیں۔" انا ہیر زیب نے شاید کوئی دھماکا کیا تھا۔

گرم کافی کا مگ عادی ارجلال کے ہاتھ پر چھلک گیا تھا۔ اپنے ہاتھ پر گرے گرم کافی کی جلن کو نظر انداز کیے وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"Ho Ahit !"

فکرمندی سے اس کے ہاتھ کو دیکھتی انا ہیر زیب نے ٹشو باکس اس کی طرف بڑھایا۔

"آر یو سیریس۔" زمانے بھر کی بے یقینی اس کی نظروں میں آسمائی تھی۔

"100% پرسنٹ۔" انا ہیر زیب نے اس بات پر زور دے کر کہا۔

☆......☆

وقت کا احساس کرتے وہ کچن میں آ تو گئی تھی مگر کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ آئل کی جگہ جب اس نے پانی ڈال دیا اور چائے کی پتی کی جگہ جب لال مرچ پاؤڈر ڈال دیا تو اسے اپنی مخبوط الحواسی کا شدت سے احساس ہوا۔ تھک کر اس نے پین کو کوکنگ رینج پر پٹخ دیا اور کمرے میں واپس آگئی۔ سیل فون اٹھا کر اس نے مشہور ریسٹورنٹ کا نمبر ڈائل کیا تاکہ ہوم ڈلیوری کے لیے کچھ آرڈر کرسکے۔

"Yes City Hospital"

دوسری طرف سے آتی آواز اس نے فون سے ہٹا کر اسکرین کو گھور کے دیکھا۔ ریسٹورنٹ کی بجائے ہاسپٹل کیسے کال گئی تھی۔

"اف!" فون بیڈ پر پھینک کر وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئی بے بسی اور بے چینی عروج پر تھی۔

"یہ سب مزے کا ہے۔"

حنظلہ نوڈلز کو فورک پر رول کرتا اس سے مخاطب تھا۔ مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی کباب کی ٹرے میز پر رکھتی وہ بھی بیٹھ گئی۔

"حنظلہ کے اسکول میں اینول فنکشن ہے۔ آپ تھوڑا ٹائم نکال لیجیے گا۔" انا ہیر زیب نے فائز وحید کی پلیٹ میں کباب سرو کرتے ہوئے کہا۔

"سوری، میرے پاس بالکل ٹائم نہیں ہے، تم چلی جانا۔"

فائز وحید کی نظریں سیل پر لگی ہوئی تھیں۔ نوالہ منہ میں ڈالتے مصروف انداز میں ٹیکسٹ ٹائپ کرنے لگا۔

"مصروف میں بھی ہوتی ہوں۔" وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ فائز وحید نے جیسے کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ بچوں کے سامنے بات بڑھانا نہیں چاہتی تھی اس لیے خاموش رہ گئی۔

"تمہارا موڈ کیوں آف ہے۔"

بچوں کو سلا کر اپنے معمولات نمٹا کر آئی تو فائز وحید کو اس کی خاموشی کا احساس ہوا۔

"کچھ نہیں۔"

صبح کا نیوز پیپر چہرے کے آگے کیے اس نے روکھے لہجے میں کہا۔ یہ اس کا مخصوص جملہ ہوتا تھا ناراضگی جتانے کا۔

"انا میں کل بہت بزی ہوں بچوں کے اسکول نہیں جاسکتا۔ تم اس لیے ناراض ہورہی ہونا۔" وہ اس کے آف موڈ کی وجہ جان گیا تھا۔

"بزی میں بھی رہتی ہوں فائز۔ میری بھی اپنی پرسنل لائف سوشل ایکٹی وٹیز ہیں۔"

"تو چھوڑ دو۔ جس طرح پہلے زندگی گزار رہی تھی اسی طرح گزارو۔ کس نے کہا تھا تمہیں پھر اسے فیلڈ میں آنے کو۔"

بجائے اپنی غلطی ماننے کے فائز روایتی شوہروں کی طرح اس کی خامیاں گنوانے لگا۔

جس طرح ایک کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے اسی طرح ایک ناکام عورت کے پیچھے بھی ایک مرد کا ہاتھ ہوتا ہے، جو اس کی قابلیت، عملیت کو دبا کر صرف جھاڑو لگوانے کا خواہش مند ہوتا ہے صرف گھر کا کام کروانا خواہش مند ہوتا ہے صرف گھر کا کام کروانا ہے تو مرد شادی پڑھی لکھی ہم عصر ہم سفر کی بجائے ماسی کا انتخاب کیوں نہیں کرتا۔

"آٹھ سال مڈل کلاس عورت کی طرح گھر، بچے، شوہر کو دے کر میں نے اپنی ذمہ داریاں بخوبی نبھائی ہیں لیکن سارا دن اکیلی رہ کر ناکامی، محرومی کا شکار ہونے لگی تھی لیکن میری ذات مائنس ہونے لگی تھی۔ گھر کو بھی سپورٹ کی ضرورت تھی۔ ایسے میں فیلڈ میں تو اس میں برائی کیا ہے؟ گھر کو بھی تو مینج کررہی ہوں۔" انا ہیر کو فائز کا اس کی قربانیوں کو پس پشت ڈال کر اس کے کردار کو دوش دینا گراں گزرا۔

"تو پھر شور کیوں کررہی ہو، جب میں نے تمہاری مصروفیت سے کمپرومائز کرلیا تو تم بھی اپنی ذمہ داریاں نبھاؤ۔" فائز وحید ازلی بے حسی سے بولا۔

"بچے صرف عورت کی ذمہ داری نہیں ہوتے۔ آپ بچوں کو ٹائم نہیں دیتے گلہ کرتے ہیں، آپ کو آؤٹنگ کا بھی بولوں تو آپ صاف انکار کردیتے ہیں۔"

انا ہیر زیب کو فائز وحید کی لاپروائیاں پہلے بھی کھلتی تھیں لیکن جب تک یہ لاپروائیاں اس کی ذات تک تھیں، وہ نظر انداز کردیتی تھی لیکن اب وہ کافی عرصہ سے نوٹس کررہی تھی۔ فائز وحید بچوں کو بھی نظر انداز کرنے لگا تھا۔ صبح کا نکلا رات کو آتا تو اس کے پاس بچوں سے بات کرنے کا بھی وقت نہیں ہوتا تھا۔ اس سے پہلے کہ بات بڑھتی انا ہیر نیوز پیپر لے کر اسٹڈی روم کا رخ کرچکی تھی۔

☆......☆

NOBODY, KNOWS ME, THE WAY U DO ......
NOBODY, CAN READ MY EYE THE WAY U SEE ....
NOBODY, CAN FEEL MY SOUL, THE WAY U TOUCH ......
NOBODY, OWNS MY HEART THE WAY U FEEL ......

BUT U !!

کوئی مجھے نہیں جانتا جس طرح تم کرتے ہو،
کوئی بھی میری آنکھ نہیں پڑھ سکتا جس طرح تم دیکھتے ہو،
کوئی بھی میری روح کو محسوس نہیں کر سکتا جس طرح تم چھوتے ہو،
کوئی بھی میرے دل کا مالک نہیں جس طرح تم محسوس کرتے ہو،
لیکن تم.....!!

اس کے لفظوں کا ایک سحر تھا جو اس کے اردگرد تھا۔ اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

زندگی بعض اوقات اتنی تلخ حقیقت لے کر سامنے آتی ہے کہ زمین و دل اسے قبول کرنے سے انکاری ہو جاتا ہے۔ عادی ارجلال کے لیے بھی یہ حقیقت نا قابل قبول ہو رہی تھی۔ انا ہیر زیب، جسے اس نے اپنے لیے لازم و ملزوم سمجھ لیا تھا چند دنوں کی محبت میں جسے اپنا سب کچھ مان لیا تھا، وہ ایک جھٹکے میں اسے خود سے بہت دور کھڑی نظر آ رہی تھی۔

ان دونوں کے بیچ ایک ایسی آہنی دیوار آ گئی تھی کہ اس سے سر ٹکرا کر وہ لہولہان ہونے لگا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اپنی دسترس سے دور نظر آتی انا ہیر زیب کو فراموش کر کے وہ اپنی دنیا میں واپس مگن ہو جاتا مگر کئی گھنٹے گزر چکے تھے نہ اس کی سوچ بدلی تھی نہ اسے اپنی شدت میں کوئی کمی نظر آ رہی تھی۔

اتنی بڑی حقیقت کہ جسے وہ چاہنے لگا تھا وہ پہلے ہی کسی کی زندگی کا حصہ بنی ہوئی تھی۔ کسی کی رفاقت، قربت میں اس کے ماہ و سال گزرے تھے اور ان ماہ و سال کی دو نشانیاں اس کے سنگ تھیں۔

ایک آگ سی تھی جو سینے پر جل اٹھی تھی۔ ان دیکھے انجانے شخص سے بے حد نفرت محسوس ہو رہی تھی جو اس سے پہلے ہی اس کی محبت کے حقوق اپنے نام لکھوا چکا تھا۔

''انا ہیر زیب! یہ حقیقت میرے لیے جان لیوا ہے لیکن اس کے باوجود میں آپ سے اب بھی شدید محبت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا اور میں اس دم کا انتظار کروں گا جب آپ کو بھی مجھ سے محبت ہو جائے گی۔''

وہ اپنی بات اس تک پہنچانے سے چوکا نہیں۔ بنا اسے کچھ کہنے کا موقع دیے وہ اپنی سنا گیا تھا۔

''عادی ارجلال! آپ ایک لاحاصل چیز کی ضد کر رہے ہیں۔ آپ سمجھدار انسان ہیں۔ لاحاصل سفر کبھی منزل تک نہیں لے جاتے۔'' وہ ناصحانہ انداز میں سمجھانے لگی۔

''ابھی تو سفر کی شروعات ہے۔ حاصل اور لاحاصل کا فیصلہ کرنے والی آپ کون ہوتی ہیں۔ میرے جذبوں میں شدت ہوگی تو آپ مجھے ملیں گی۔ کبھی کبھی ہم جسے منزل جانتے ہیں آخری پڑاؤ سمجھ کر ستانے لگتے ہیں، اس دم ہم پر کھلتا ہے تم تو ابھی حالت سفر میں تھے۔ یہ عارضی پڑاؤ تھا، مستقل ٹھکانا تو کہیں اور ہے۔'' عادی ارجلال کا لہجہ اتنا یقین بھرا تھا کہ ایک لمحے کو انا ہیر زیب کی زبان گنگ رہ گئی۔

☆......☆

ہم محبتوں میں درختوں کی طرح ہیں جاناں
جہاں لگ جائیں وہیں مدتوں کھڑے رہتے ہیں

''تم سے اچھی کوئی بھی نہیں ہے تم کیا ہو یہ مجھ سے پوچھے کوئی۔ میری نظر میں تمہاری بہت اہمیت ہے۔ ساری دنیا ایک طرف اور تم ایک طرف ہو۔ جب تم مجھے اگنور کرتی ہو تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔''

"WHEN I GIVE YOU TIME IT MEANS I AM GIVING YOU A PORTION OF NY LIFE' AND I'LL NEVER COME BACK..... SO DON'T WAST MY TIME? I WANT TO MAKE IT BEAUTIFUL ONLY WITH YOU!"

(میں تمہیں وقت دیتا ہوں جب، اس کا مطلب میں تمہیں اپنی زندگی کا ایک حصہ دے رہا ہوں، اور میں کبھی واپس نہیں آؤں گا تو میرا وقت ضائع نہ کرو۔ میں اپنی دنیا کو خوبصورت بنانا چاہتا ہوں صرف تمہارے ساتھ)

اور اس نے چپکے سے فون بند کر دیا تھا۔

☆......☆

حنظلہ اور میرب ایک ہی اسکول میں زیر تعلیم تھے۔ فنکشن میں دونوں نے بھرپور حصہ لیا تھا، آڈینس میں بیٹھ کر انا ہیر زیب اپنے بچوں کی بے حد حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ جہاں بچے انا ہیر کو دیکھ کر خوش تھے وہیں فائز کو مس کر رہے تھے۔

تمام ہی بچوں کے پیرنٹس آئے تھے اور جب وہ ایک دوسرے سے اپنے بچوں کی صلاحیتیں ڈسکس کرنے لگتے تو انا ہیر زیب کو خلش ستانے لگتی۔

فائز وحید صرف آج ہی نہیں اسے دنیا کا مقابلہ کرنے کو تن تنہا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ شروع سے ہی ایسا تھا۔ اسے بہت اچھی طرح یاد تھا حنظلہ کی پیدائش پر وہ ہاسپٹل بھی اس وقت پہنچا تھا جب حنظلہ کو آئے بھی دو گھنٹے ہو گئے تھے۔

ایسے وقت میں جب عورت کو سب زیادہ ضرورت شریک سفر کی ہوتی ہے، فائز اس سے دور تھا۔ اس کی تکلیف کی شدت مزید بڑھ گئی تھی۔ گلہ کرنے پر بعد میں معذرت کر کے اپنی مصروفیات کی کہانی سناتا رہا تھا۔ انا ہیر نے بھی درگزر کر دیا تھا لیکن جب میرب کی باری میں بھی درد کا سفر اکیلے طے کرنا پڑا تو اسے فائز کے لفظوں کی صداقت کا بہت اچھے سے احساس ہو گیا تھا۔ ناراضگی جتانے پر فائز وحید ایک دم بھڑک اٹھا تھا۔

''دنیا کا کون سا انوکھا کام کیا ہے تم نے۔ اس روئے زمین پر ایک منٹ بعد ہر عورت بچے کو جنم دے رہی ہے تو کیا ساری عورتوں کے میاں ان کے گھٹنوں سے لگے بیٹھے ہیں۔ ان عورتوں کو بھی دیکھا کرو جن کے میاں دیار غیر میں رہتے ہیں۔ سال میں ایک بار آتے ہیں اور بچے کا تحفہ دان کر کے چلے جاتے ہیں اور ان کے پیچھے وہ عورتیں بچے کو بھی سینچتی ہیں اور پیدا بھی کرتی ہیں۔ میاں کو بلا کر سرہانے نہیں بٹھا لیتیں۔ یہاں بیٹھ کر میں کروں بھی تو کیا۔''

فائز کے چڑ کے مفصل تقریر پر وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہی تھی اور بولنے کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں دردمند دل ہوتا ہے جبکہ فائز وحید وہ دل نہیں رکھتا تھا۔

وہ کب بیمار ہوتی تھی۔ اسے کب کوئی تکلیف ہوتی تھی۔ فائز وحید ان نو سالوں میں اس حقیقت سے شاید ایک آدھ بار ہی واقف ہوا تھا۔ ہاں لیکن جب اس کے سر میں درد بھی ہوتا تھا تو پورا گھر سر پر اٹھا لیتا تھا۔ اس کی خواہش ہوتی تھی انا ہیر زیب بس اس کی خدمت پر مامور رہے۔ ہوتے ہیں کچھ لوگ جنہیں صرف اپنی تکلیف پر درد کا احساس ہوتا ہے۔ دوسروں کا درد ان کی نظر میں درد کب ہوتا ہے۔

وہ صحافت کی دنیا کی جانی مانی ہستی تھی۔ اس کے لکھے کالم اور ایڈیٹوریل کو اہل ادب فصاحت و بلاغت پر

آخیر تصور کرتے تھے مگر گھر میں مسائل سے نمٹتی وہ عام سی عورت تھی جو جان مار کر بھی خود کو منوا نہ سکی تھی۔ اس کی ساری علمی ادبی خدمت گھر کی چوکھٹ سے باہر رہتی تھی۔ خدمات اس نے گھر میں بھی انجام دی تھیں مگر گراں قدر خدمات پر نظر التفات ڈالے بغیر اس کی قربانیوں کی سراسر نفی کی جاتی تھی۔ بس اس سے مزید کی امید کی جاتی تھی۔

''مام! ڈیڈ بھی آپ کے ساتھ ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا ناں۔'' حنظلہ اپنی ٹرافی اٹھائے افسردہ تھا۔ اناہیر زیب کے پاس اسے بہلانے کے لیے جیسے لفظوں کا کال پڑ گیا۔ مقابلوں میں دونوں نے پوزیشن لی تھی۔

اب پروگرام ختم ہو چکا تھا۔ پیرنٹس اپنے اپنے بچوں کے ساتھ ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ موجود تھے ایسے میں حنظلہ پر قنوطیت کا گہرا اثر تھا۔

''وہ دیکھیں میرے بیسٹ فرینڈ اسد کو۔ وہ کیسے اپنے پپا کی گود میں چڑھا ہوا ہے جب کہ وہ تھرڈ آیا اور میں فرسٹ!''

اناہیر زیب کے اندر جیسے سناٹا چھا گیا تھا اسے سمجھ نہیں آرہا تھا وہ ایسا کیا بولے یا کیا کرے کہ حنظلہ کی محرومی دور ہو جائے۔

''بیٹا! ڈیڈ بزی ہوتے ہیں۔'' وہ بمشکل بول سکی۔

''جب وہ اپنے دوستوں کی پارٹیز انجوائے کرتے ہیں تو بزی نہیں ہوتے۔''

حنظلہ کلاس ون میں پڑھتا تھا مگر بے حد شارپ بچہ تھا۔ اس کی گلہ کرتی نظریں اور دکھی دل کے سوال کا جواب اناہیر زیب جیسی لکھاری کے پاس نہیں تھا۔

وہ اسکول کے خارجی راستے کی طرف جا رہی تھی، حنظلہ دکھی دل سے اس سے باتیں کرتا چل رہا تھا تو میرب اپنا ایوارڈ اٹھا کر اٹھلا کر قلانچیں بھرتی جا رہی تھی۔

''یو نو مام! دنیا میں سب سے لکی بچہ کون ہوتا ہے؟ جس کے پیرنٹس اس سے بہت محبت کرتے ہیں اور میری کلاس کے تمام بچے لکی ہیں سوائے میرے۔''

حنظلہ پہلے بھی فائز وحید کو مس کرتا تھا مگر اب جوں جوں وہ بڑا ہو رہا تھا اس کی کیفیت لفظوں کا روپ دھارنے لگی تھی۔

''حنظلہ! آپ ایسے نہ سوچو بیٹا ڈیڈ لو یو۔''

''اٹ ز ہور وڑ ز آئی نو از ویل۔''

حنظلہ ناگواری سے کہہ کر لمبے لمبے قدم اٹھاتا اس سے آگے نکل گیا۔ اناہیر زیب اس کے پیچھے لپکی تھی۔ اب وہ خارجی گیٹ سے سڑک پر آ گئے تھے۔ یہ ایک رواں دواں سڑک تھی جہاں سے گاڑیوں کا گزر بھی ہو رہا تھا۔ گو کہ چھٹی کے وقت اس سڑک پر ٹریفک کی روانی میں ست روی آ جاتی تھی مگر اس وقت چونکہ لوگ وقفے وقفے سے نکل رہے تھے، سو ٹریفک معمول کے مطابق تھی۔ حنظلہ کی زود رنجی کی طرف وہ اس بری طرح متوجہ تھی کہ چند لمحوں کے لیے وہ میرب سے غافل ہو چکی تھی۔ وہ جب تک میرب کی طرف متوجہ ہوتی فضا میں ٹائر کے چرچرانے کی آواز شدت سے گونجی تھی۔ میرب آئسکریم کے لیے اندھا دھند بھاگی تھی اور تیز رفتار کار کی زد میں آ گئی تھی۔ چار سالہ میرب کار کی زوردار ٹکر سے دور جا گری تھی۔

''میرب!'' وہ دیوانہ وار چیختی میرب کی طرف بھاگی تھی۔ میرب سڑک پر خون میں لت پت پڑی تھی۔

''میرب!'' بیٹی کے خون آلودہ چہرے کو ہاتھوں میں بھر کر وہ اسے اپنے سینے سے لگائی۔

''سم باڈی ہیلپ می پلیز۔''

جان جگر کو خون میں نہایا دیکھ کر وہ شدت سے رو پڑی۔

☆......☆

لاؤں گا کہاں سے جدائی کا حوصلہ
اس قدر میرے قریب آ گئے ہو تم

وہ سخت بے چین تھا، کسی کل چین نصیب نہیں ہو رہا تھا، زیست کی بے رنگینی شدت سے محسوس ہو رہی تھی، زندگی رنگین تو پہلے بھی نہیں تھی مگر اب تو جیسے آتی جاتی سانس بوجھ بن گئی تھی۔

جب کسی کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی ہو اور وہ آپ کے پاس نہ ہو، اس وقت کتنی تکلیف ہوتی ہے یہ آپ کبھی جان نہیں پاؤ گی۔''

☆......☆

''یہ بہت اچھا طریقہ ہے۔ آپریشن کروا لو دوستوں، رشتے داروں کی دوڑ لگوا لو عیادت کے نام پر۔'' وہ جو مریضانہ مسکراہٹ سے اس کا خیر مقدم کر رہا تھا بری طرح چڑ گیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے میں نے جان بوجھ کر اپنڈکس پال لیا اور ڈاکٹر کو انوائٹ کیا آئیے نا چیرنے مجھے۔''

مرتضیٰ کے چڑ کے کہنے کی عادی ارجلال کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''زیادہ گرمی نہ کھائیں ٹانکے ادھڑ جائیں گے۔''

عادی ارجلال کے ساتھ آیا روحان بھی مرتضیٰ کی ٹانگ کھینچنے سے بعض نہ آیا۔

''ادھڑ جائیں گے؟ میں کوئی اون کا گولہ ہوں؟ اونکل جاؤ، دفع ہو جاؤ تم دونوں۔'' مرتضیٰ چڑ کے بری طرح چلایا۔

''ہائے!''

مگر جب قوت گویائی کا اثر ٹانکوں پر پڑا تو پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کراہ کے رہ گیا۔

''رسی جل گئی، مگر بل نہیں نکلا۔'' عادی ارجلال چڑانے سے بعض نہیں آیا۔

''اللہ تم جیسے ذلیل کزنز کسی دشمن کو بھی نہ دے۔''

مرتضیٰ کراہایا۔ ''او سن لی، اللہ نے تیری۔ OLD IS GOLD دعا، غم نہ کھائیں۔'' روحان نے اسے ''طفل تسلی'' دی۔

تینوں کزنز ہونے کے ساتھ بیسٹ فرینڈ بھی تھے۔ خصوصاً روحان اور عادی ایک دوسرے کے جگر تھے۔ مرتضیٰ چچازاد تھا، وہ دونوں اس کی عیادت کے لیے ہاسپٹل آئے تھے مگر اس کی عیادت سے زیادہ بے چارے کی کھنچائی کر رہے تھے۔ جب تک دونوں نہیں آئے تھے مرتضیٰ خود کو مریض ہی سمجھ رہا تھا مگر ان کے آنے کے بعد سے جیسے کمرے میں رونق آ گئی تھی۔ مرتضیٰ بھی کچھ دیر کے لیے بھول گیا تھا کہ وہ مریض ہے۔

''او یار! اتنی دیر ہو گئی! چل عادی اٹھ، چلتے ہیں۔'' روحان کی نظر ریسٹ واچ پر پڑی تو وہ عادی ارجلال کا ہاتھ تھامتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''کہاں جانا ہے جو اتنی بے چینی ہے؟'' مرتضیٰ ان کی کمپنی انجوائے کر رہا تھا۔

''اویار! امی نے ایک پاؤ دہی لانے کو کہا تھا اور عادی کے ساتھ تیری عیادت کو آ گیا۔ اب اتنی دیر سے گھر گیا تو میری لسی بن جانی ہے۔'' روحان کی معصومیت قابل دید تھی۔

''جھوٹے یہ بول نا منگیتر کے ساتھ ڈیٹ پر جانا ہے۔'' عادی نے مسکراتے ہوئے اس کا بھانڈا پھوڑا۔

روحان سر کھجا کے رہ گیا۔

''کیسے کمینے دوست ہو، میں یہاں ہاسپٹل میں مر رہا ہوں اور تو ڈیٹ پر جا رہا ہے۔ ذرا شرم نہیں بچی تجھ میں۔'' مرتضٰی کی دہائی سننے سے تعلق رکھتی تھی۔

''تو کون سا کومے میں چلا گیا ہے جو میں اپنی ڈیٹ کینسل کر دوں۔ اللہ اللہ کر کے تو مہوش کا موڈ ٹھیک ہوا ہے ڈیٹ کے نام پر اور تو پھر سے پانی پت کی جنگ چھڑوانا چاہ رہا ہے۔'' روحان دوبدو مقابلے پر آیا۔

''دفع ہو جا فوراً سے پہلے ورنہ میں جی بھر کر مہوش کے کان بھروں گا۔ تیری بے حس فطرت پر اس نے ویسے ہی لعنت بھیج دینا ہے۔'' مرتضٰی سے کچھ بن نہ پڑا تو حسب طاقت دھمکی دے دی۔

''سر! بہت شور ہو رہا ہے۔ ملاقات کا وقت بھی ختم ہو چکا ہے۔'' اچانک کہیں سے نرس نکل کر آئی۔

''ہاں، ہاں جا رہے ہیں۔ ہم نے کون سا یہاں ڈسکو ڈانس کرنا ہے۔'' روحان نے پاؤں کو ڈانس کے اسٹائل سے ہلایا تو نرس اسے عجیب نظروں سے دیکھتی رہی پھر شرمانے لگی۔

''یا اللہ! یہ دیکھنے سے پہلے میں مر کیوں نہ گیا۔ خالی اپنڈکس کا آپریشن کیوں ہوا میرا۔'' مرتضٰی ماتھا پیٹتے خود کو کوسنے لگا۔

''اوہ! تم دونوں انسان کے پتر بنو۔'' عادی ارجلال نے بمشکل ہنسی روکی تھی۔

''اوکے کامریڈ! پھر چکر لگاتے ہیں۔'' عادی الوداعی کلمات ادا کرتے مرتضٰی سے مل رہا تھا۔

''آپریشن کروا کے کونسا اس کا رتبہ بڑھ گیا ہے عادی! جو تو اسے اتنی عزت دے رہا ہے۔ ابے ڈسچارج ہو کر گھر آ جا۔ سسٹر سے زیادہ خدمتیں نہ کرائیں۔''

روحان پہلے عادی پھر مرتضٰی سے مخاطب تھا۔ اور مرتضٰی جو ''جنٹلمین والی مسکراہٹ سجانے میں لگا تھا اس کے لب سکڑ گئے۔

''عادی! اس کمینے کو لے جا یہاں سے ورنہ خون ہو جائے گا میرے ہاتھوں اس کا۔'' مرتضٰی اسے گھور رہا تھا۔

ریسٹ واچ میں ٹائم دیکھتے عادی ارجلال کی نظر یونہی چلتے چلتے ہاسپٹل کے کوریڈور سے ہوتی ہوئی واپس بائیں سائیڈ پر ٹھہر گئی تھیں سامنے موجود ہستی کو وہ پلک جھپکتے میں پہچان سکتا تھا۔ وہ اناہیر زیب تھی۔

وہ اس وقت وہائٹ سوٹ میں ملبوس تھی مگر تازہ تازہ خون سے آدھی سے زیادہ شرٹ رنگی ہوئی تھی۔ وہ بے قراری سے ڈاکٹر سے کوئی بات کر رہی تھی۔ ساتھ ہی اس کا سیل فون کان سے لگا ہوا تھا۔ ساتھ چلتے روحان کو یکدم فراموش کر کے اس نے بھاگ کر اپنے اور اس کے درمیان کا فاصلہ طے کیا تھا۔ وہ جب تک اس تک آیا ڈاکٹر ہٹ چکا تھا۔ وہ پریشانی کے عالم میں سیل فون سے نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

''اناہیر!'' اس کی پکار معمولی سے تیز ہو گئی تھی۔ بڑی عجیب پکار تھی کہ اناہیر زیب پریشانی کے باوجود اس غیر معمولی پکار پر سیدھی ہونے پر مجبور ہو گئی تھی۔

''کیا ہوا ہے تمہیں..... یہ..... یہ کیا ہے۔ یہ خون۔'' عادی ارجلال دیوانوں کی طرح اس کے رنگین شرٹ اور دوپٹے کو خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اگر اسے اختیار ہوتا تو شاید وہ ٹٹول کر اس کے زخم ڈھونڈنے کی کوشش کرتا۔

اناہیر زیب بھی اسے ایک دم سامنے اور پریشان دیکھ کر چند ثانیے غائب دماغی سے دیکھتی رہی آر یو او کے؟ ٹیل می کو میں وڈز رونگ وڈ یو۔''

عادی ارجلال کی آنکھوں سے دیوانگی، خوف جھانکنے لگا تھا۔ روحان بھی ناسمجھ انداز میں عادی ارجلال کی تقلید میں قریب آ گیا تھا اور اب سائیڈ ہو کر صورتحال سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

عادی کے لہجے کی بے قراری اسے اچنبھے میں ڈال گئی تھی تو سامنے موجود ہستی کو دیکھ کر وہ حیران تھا۔ عادی اسے کیسے جانتا تھا۔ سامنے موجود ہستی سے اس کا کیا کنکشن تھا۔ یہ وہ گتھی تھی جو عادی ہی سلجھا سکتا تھا۔

''اناہیر! مت لو میرے ضبط کا امتحان، بتاؤ کیا ہوا ہے تمہیں۔''

عادی ارجلال بے چارگی سے مٹھیاں بھینچنے لگا۔ اناہیر ساکت نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ عجیب غائب دماغی کا شکار نظر آ رہی تھی۔ اسی اثناء میں ڈاکٹر پھر ان تک آیا۔ عادی ارجلال کو اناہیر زیب کے قریب دیکھ کر ایک نظر ڈالی اور پھر اناہیر سے مخاطب ہوا۔

''بلڈ کا انتظام ہوا؟''

ڈاکٹر استفسار کر رہا تھا۔ وہ سیل فون کو گھور رہی تھی۔ Dr. kindly talk to me, what happend with her? (ڈاکٹر مہربانی کر کے آپ مجھ سے بات کریں کیا ہوا ہے ان کے ساتھ)۔

ڈاکٹر نے اک نظر عادی ارجلال کے فکرمند چہرے کی طرف دیکھا۔

''آپ ان کے.....؟''

ڈاکٹر نے اسے دیکھنے کے بعد ایک نظر اناہیر کے بدحواس چہرے پر ڈالی۔

''relative ہیں، آپ بتائیں۔'' وہ بے چین تھا۔

''ان کی بیٹی کا سیریس ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ ہاتھ کی ہڈی کئی جگہوں سے ٹوٹی ہے، سر پر گہری چوٹ لگی ہے جس کی وجہ سے خون کافی بہہ چکا ہے۔ فوری بلڈ چاہیے تا کہ اسے آپریٹ کر سکیں۔'' تفصیل ڈاکٹر نے گوش گزار کر دی۔

''ہم دو ڈونر آن دی اسپاٹ ہیں۔ باقی بھی ابھی ارینج ہو جائیں گے۔ آپ آپریشن کی تیاری کریں۔''

ڈاکٹر نے ہدایت پر اسے ایک نظر دیکھا۔

''رومان! جتنے بلڈ بینک ہیں انہیں چیک کرو۔''

رومان، عادی کا حکم ملتے ہی سر ہلا کر سیل فون پر لگ گیا۔

''آپ آئیں میرے ساتھ تا کہ آپ کا بلڈ سیمپل لے کر آپریشن کی فارمیلٹی تو پوری کی جا سکے۔''

ڈاکٹر کے اشارہ کرنے پر اس نے سر ہلا دیا۔

''تم یہیں رکنا، ان کا خیال رکھنا، میں آتا ہوں۔''

عادی، رومان سے مخاطب تھا۔ اشارہ اناہیر کی طرف تھا جو دیوار سے لگی ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ بے حد خاموش بیٹھے حنظلہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے وہ لیبارٹری کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆

اس چہرے کی معصومیت میں اتنا اثر تھا
خرید لی اس نے اک ملاقات میں زندگی میری

''میرے ساتھ ساری دنیا ہوتی ہے مگر ان میں کمی ہے تو صرف تمہاری اور یہ ایک کمی ساری دنیا کو مائنس کر دیتی ہے۔ تم نہ ہوئیں تو یہ زندگی بہت بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ میں اگر جیوں گا تب بھی وہ زندگی نہ ہوگی ایک بوجھ کی طرح خود کو گھسیٹتا پھروں گا۔''

وہ شرٹ کی آستین نیچی کرتا نمودار ہوا تھا، جتنی دیر اس کے جسم سے خون نکلتا رہا، وہ ان دیکھی معصوم پری کے لیے دعا گو تھا وہیں باہر کھڑی اناہیر زیب کی فکر مندی اسے کھل رہی تھی۔ اس کی خواہش تھی پلک جھپکتے معصوم پری ٹھیک ہو جائے اور اناہیر زیب پر سکون ہو جائے۔ ایک نظر اناہیر زیب پر ڈال کر وہ رومان کی طرف متوجہ ہوا جو سائیڈ پر کھڑا تھا۔

''چار سے پانچ بلڈ بیگز مل گئے ہیں، میں نے عامر کو لینے بھیج دیا ہے، وہ مرتضٰی کی عیادت کو آیا تھا، باقی اور مزید بلڈ کی ضرورت پڑی تو میں اور عامر بھی ہیں، اتنا کافی ہوگا نا؟''

اس کی سوالیہ نظروں کو دیکھتے اس کا ہمدم جگر اس کے بولنے سے پہلے ہی بول پڑا۔ وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

''یہ....!'' رومان کی نظریں ایک لمحے کو اناہیر زیب پر اٹھی تھیں اور سوالیہ نشان عادی کے چہرے پر گاڑ دیں۔

''سب بتا دوں گا۔''

عادی ارجلال بہت ٹینس لگ رہا تھا۔ رومان نے بھی اصرار نہ کیا۔ اس کی فیانسی کی کال آنے لگی تو وہ تھوڑا دور چلا گیا۔

وہ دیوار سے لگی مسلسل سیل فون پر بزی تھی۔ کبھی کان سے لگاتی کبھی اسکرین کے سامنے کرتی گھورنے لگتی۔ پھر اس کے ہاتھ کچھ ٹائپ کرنے لگتے۔ وہ بے حد پریشان لگ رہی تھی۔

''اناہیر! آپ بیٹھ جائیں، تھک جائیں گی۔'' وہ بے ساختہ اس کے قریب آ گیا تھا۔ اناہیر زیب نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سے نمبر ڈائل کر کے کان سے لگا بیٹھی۔

''کسے کنٹیکٹ کرنا ہے بتائیں میں کرتا ہوں۔ فیملی میں کسی کو انفارم کرنا ہے۔'' وہ اس کی دگرگوں حالت پر افسردہ تھا۔

''اپنے ہسبینڈ کو کونٹیکٹ کر رہی ہوں مگر کال لگ نہیں رہی۔'' وہ پھر سے اسکرین کو گھورنے لگی۔

''ہسبینڈ......!'' عادی ارجلال کے دل میں کوئی نوک دار چیز چبھی۔

''میسیج چھوڑ دیں، نمبر بند بھی ہوا تو کھلتے ہی وہ کونٹیکٹ کر لیں گے۔'' وہ دلاسا دینے لگا۔

''کر چکی ہوں میسیج بھی۔'' اس نے تھک کر سر دیوار سے ٹکا لیا۔ لہجہ گلوگیر تھا۔ آنکھوں میں پانی آنے لگا۔

''رونا نہیں ہے، اچھا! دعا کریں بس۔''

آنسو بہنے سے پہلے ہی ٹھٹھک گئے تھے۔ آپریشن جاری تھا۔ کتنی ہی بار نرس دواؤں کی سلپ لے کر نمودار ہوئی تھی۔ ہر بار رومان یا عادی ہی میڈیکل اسٹور بھاگ رہے تھے۔

اناہیر زیب میں تو جیسے ہلنے کی بھی سکت بھی نہیں تھی۔ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے وہ فائز کو کونٹیکٹ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اب اس نے وہ بھی ترک کر دی۔ اس کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ حنظلہ کبھی اسے تسلی دینے لگتا کبھی چپ ہو جاتا۔

رومان حتی الامکان اسے ساتھ لگائے ہوئے تھا تا کہ اس کے معصوم ذہن پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔ پھر رومان اسے ایک گوشے میں لے گیا تھا جہاں عادی ارجلال رومال سر پر باندھے میرب کی سلامتی کی دعائیں کر رہا تھا۔

رومان اور حنظلہ بھی میرب کی سلامتی کے لیے سربسجود ہو گئے۔ اناہیر زیب پتھرائی آنکھوں سے اس گوشے کو دیکھ رہی تھی۔ کون تھے، کیا لگتے تھے وہ دونوں اس کے جو گھنٹوں سے اس کے ساتھ پریشانی بانٹ رہے تھے۔

رومال سر سے ہٹاتا عادی ارجلال اس تک آیا تھا۔

''اگر میرے بس میں ہوتا تو پلک جھپکتے میرب کو تمہارے سامنے کھڑا کر دیتا تا کہ تم پر سکون ہو جاتیں۔'' بینچ میں فاصلہ رکھ کر بیٹھتے عادی ارجلال نے پوری سچائی سے دلی جذبات کی ترجمانی کی تھی۔

''نہ ہوں اتنی پریشان، کچھ نہیں ہوگا میرب کو۔''

ایسے موقعوں پر تسلی کے دو حروف کتنے معنی رکھتے ہیں۔ یہ کوئی ایک ہراساں ماں سے پوچھتا، اس کے یقین بھرے دلاسے پر خاموش بیٹھی اناہیر زیب کی آنکھوں سے آنسو خاموشی سے بہنے لگے تھے۔ اولاد کا دکھ اس کے چہرے پر اتنا گہرا تھا کہ اسے اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا۔

بالآخر جاں گسل انتظار کے بعد ڈاکٹر کامیاب آپریشن کی نوید لے کر آئے تو سب کی جان میں جان آئی۔ حنظلہ رونے لگا تو عادی نے اسے بے ساختہ ساتھ لگا لیا۔

''آپ تو بہت بہادر بچے ہو اور بہادر بچے روتے تھوڑی ہیں۔'' اس نے پچکارا۔

''سب میری وجہ سے ہوا، سب میری غلطی ہے اگر میں مام کو پریشان نہ کرتا تو وہ کبھی میرب سے لاپروا نہ ہوتیں اور پھر میرب کا ایکسیڈنٹ بھی نہ ہوتا۔'' حنظلہ کافی دیر سے یہ گفٹ لیے بیٹھا تھا۔

''ایسا نہیں کہتے، آپ کی کوئی غلطی نہیں ہے۔'' حنظلہ کس بات کی طرف اشارہ کر رہا تھا یہ تو اسے خبر نہیں تھی مگر اسے بہلانا ضروری تھا۔ تب ہی اس نے رومان کو اشارہ کیا۔

''آؤ ہم کینٹین سے کچھ لے کر آتے ہیں۔ پیاس بھی لگ رہی ہے۔''

رومان اس کا اشارہ سمجھ گیا تھا۔ حنظلہ کا موڈ چینج کرنے کے لیے اسے لے گیا۔ تب ہی اناہیر زیب کے سیل فون نے ہلچل مچائی۔ اس نے کال ریسیو کی۔ عادی اس کے چہرے کے رنگوں سے ہی جان گیا تھا کہ کس کی کال تھی۔

''جی! میرب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔''

''تم کہاں تھیں جو ایکسیڈنٹ ہو گیا؟''

فائز کی دھاڑ فون سے باہر تک آ رہی تھی۔ چند گھنٹوں بعد اس نے کوئی رسپانس دیا بھی تھا تو چیخ رہا تھا۔

''میں سٹی ہاسپٹل میں ہوں۔''

اناہیر زیب نے کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔ اس نے بغور اناہیر زیب کا متغیر چہرہ دیکھا تھا۔ جیسے اس نے بمشکل ضبط کیا ہو۔

جلد ہی رومان اور حنظلہ چلے آئے۔ رومان نے ٹرے اسے تھما دی جس میں چائے کے دو مگ اور اسنیکس تھے۔ دوسری ٹرے لے کر رومان حنظلہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''چائے پی لو، فریش ہو جاؤ گی، کئی گھنٹوں سے اسی کنڈیشن میں ہو۔'' اس نے ایک خاموش نظر اس کے فکر مند چہرے پر ڈالی تھی۔ پھر دوبارہ اپنی رنگین شرٹ کو دیکھنے لگی جس پر اس کی بیٹی کے خون کے نشان تھے۔

''میرب اب خطرے سے باہر ہے، تھوڑی دیر میں روم میں شفٹ کر دیں گے اسے۔ اب ریلیکس ہو جاؤ۔'' چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے وہ اسے اس فیز سے نکالنے کی سعی کر رہا تھا۔

کئی گھنٹے گزرنے کے باوجود اس نے کتنے جملے بولے تھے۔ یہ وہ انگلیوں پر گن سکتا تھا۔ عجیب غائب دماغی کی کیفیت طاری تھی اس پر۔ اناہیر نے نفی میں سر ہلا کر پیر کو سینڈلوں سے آزاد کر کے پیر بینچ پر رکھ کر دونوں گھٹنے سینے سے لگا کر گھٹنوں پر چہرہ ٹکا لیا تھا۔ بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے ہوئے تھے۔

''پلیز رحم کرو خود پر، تمہیں کچھ ہو گیا تو..... میرب کو اب تم نے ہی دیکھنا ہے، ہمت کرو۔''

''میں ٹھیک ہوں۔'' اس کی فکرمندی پر وہ بمشکل بولی تھی۔ وہ جب بولتی تھی جملہ مکمل ہونے سے پہلے آواز آنسوؤں میں ڈوب جاتی تھی اور وہ جملہ نامکمل چھوڑ کر آنسو پونچھنے لگتی تھی۔ بصد اصرار پر بھی اس نے چائے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔

اسی اثناء میں ایک شخص تیز رفتاری سے چلتا اناہیر زیب تک آیا تھا۔

''کہاں ہے میرب؟''

آنے والا بے شک ہینڈسم تھا مگر عادی ارجلال اسے کسی اور ہی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے جان گیا تھا کہ اناہیر کا اس سے کیا رشتہ تھا۔

''آئی سی یو میں ہے، روم میں شفٹ کریں گے ابھی۔'' وہ ہولے سے کہہ کر فائزہ وحید کا چہرہ بغور دیکھنے لگی جو خود کو بہت فکرمند ظاہر کر رہا تھا۔

''تم کہاں تھیں جب یہ ایکسیڈنٹ ہوا؟'' وہ خفگی سے پوچھ رہا تھا۔

''ساتھ تھی۔'' وہ مجرموں کی طرح اعتراف کر گئی۔

''تمہارے ہوتے ہوئے میری بیٹی اس حال کو پہنچ گئی، کتنی کیئرلیس ہو تم!'' اس کے لب و لہجے پر عادی ارجلال کو غصہ تو شدید آ رہا تھا مگر اس نے خود پر کنٹرول کیا، اناہیر نے بس ایک خاموش نگاہ فائزہ پر ڈالی تھی۔

''آپ کی تعریف؟'' فائزہ کو اب عادی ارجلال کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

''یہ عادی ارجلال ہیں، انہوں نے بروقت بلڈ وغیرہ ارینج کر کے میرب کو زندگی کی طرف لوٹنے میں بھرپور مدد دی۔''

وہ ہولے سے تعریف کر گئی۔ فائزہ وحید نے ایک نظر ڈالی اور پھر اپنے بجتے فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆......☆

میں نہیں جانتا مجھے تم سے اتنی شدید محبت ہے تو کیوں ہے۔ میں لاکھ کوشش بھی کر لوں تو بھی تمہیں خود کو سوچنے سے باز نہیں رکھ پاتا۔ تمہارا خیال، تمہارے تصور سے میری صبح کا آغاز ہوتا ہے، آنکھ کھلتے ہی اللہ کے بعد اگر میں کسی کو یاد کرتا ہوں تو وہ تم ہو۔''

دوسرے دن رومان گھر پہنچا تو وہ گھر پر نہیں تھا۔ کال کرنے پر انفارم کیا کہ گھر پہنچنے والا ہے، وہ اس کے روم میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں وہ اس کے مقابل تھا۔

''کہاں سے آ رہے ہو؟'' رومان اسے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

''ہاسپٹل سے!'' رسٹ واچ اتار کر رکھتا وہ سیدھا کھڑا ہوا۔

''کیسی کنڈیشن ہے اب بچی کی؟ جا رہے تھے تو بتاتے، میں بھی ساتھ چلتا۔'' رومان کو بھی گزرے کل کی بھاگ دوڑ یاد آ گئی۔

''بس آفس سے واپسی پر موڈ ہوا تو چلا گیا۔''

صاف ظاہر تھا وہ خود کو کتنا لاپروا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا اتنا تھا نہیں۔ رومان اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔

''کافی بہتر کنڈیشن ہے میرب کی۔ کل پرسوں ڈسچارج ہو جائے گی۔'' روم فریج سے پانی کی بوتل نکال کر وہ صوفے تک آ گیا۔

''یہ اناہیر زیب کون ہیں؟''

وہ کل سے اس گتھی کو سلجھانا چاہتا تھا۔ عادی کی فکر، ڈسٹربنس بھی اس سے ڈھکی چھپی نہ رہی تھی۔ دونوں کے درمیان اتنی دوستی تھی کہ کوئی بات پوشیدہ نہیں رہتی تھی۔ بھلے وہ پاس رہتے یا سات سمندر دور۔

''جرنلسٹ ہیں، ایک روزنامہ کی ایڈیٹر ہیں۔'' بوتل کا کارک کھول کر گلاس میں پانی انڈیلا۔

''اتنا تو میں بھی واقف ہو چکا ہوں۔''

رومان کی نظریں اس کے اداس چہرے کی طرف تھیں۔ کچھ دنوں سے وہ اسے بجھا بجھا لگ رہا تھا۔ کیا وجہ تھی یہ اس نے پوچھنے پر بھی نہیں بتایا تھا۔

''اناہیر زیب تیری کیا لگتی ہے؟'' رومان کے دوٹوک سوال نے عادی ارجلال کے وجود کو ایک لمحے کے لیے ساکت کر دیا۔

''سب کچھ!'' اک فقرے میں ہی اس نے اپنے احساسات کی ترجمانی کر دی تھی۔

''مطلب؟'' رومان کا ذہن کل سے اسے جو سمجھا رہا تھا اس پر وہ حیران تھا تب ہی استفسار کرنے لگا۔

''محبت کرتا ہوں اس سے اپنانا چاہتا ہوں اسے۔'' وہ بے خوف بول گیا رومان اچھل پڑا۔

''تم پاگل ہو؟''

''ہاں اس کے لیے۔'' اس نے اعتراف کر لیا۔

''You know that وہ میرڈ ہے، اس کے دو بچے ہیں۔'' رومان کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا۔

''So what?'' وہ رومان کے حیران پریشان چہرے کو دیکھنے لگا۔

''جب محبت ہوئی تو خبر نہیں تھی میرڈ ہے۔ اس کے دو بچے ہیں اور اگر سب جانتے بوجھتے بھی ہو جاتی تو کیا کرتا؟ محبت پلان کر کے تو نہیں ہوتی کہ نفع کے سکے میرے اور نقصان کے تمہارے۔''

''لیکن اس محبت کا نتیجہ کیا ہے؟'' رومان کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''تمہیں خبر ہے کل تمہارے لیے زندگی کیا لے کر آئے گی، نہیں نا..... تو مجھے کیسے خبر ہو سکتی ہے کہ اس محبت کا کیا نتیجہ نکلنا ہے۔'' رومان کو اس سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔

''صرف تجھے محبت ہے یا دوسری طرف بھی....'' رومان نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہو جائے گی اسے بھی۔'' وہ مسکراتے ہوئے اتنے یقین بھرے لہجے میں بول رہا تھا کہ رومان ایک لمحے کو چپ سا ہو گیا۔

(جاری ہے)

سیدہ مون بخاری



آگ برساتا سورج عین اس کے سر پر تھا اور وہ حق دق صحرا میں تنہا کھڑی تھی خوف اور پیاس کا احساس فروں تر تھا' زبان سوکھ کر تالو سے چپکی جا رہی تھی حلق دکھنے لگا تھا' ہر طرف ریت کے چھوٹے بڑے ٹیلے تھے' کہیں پانی کا کوئی گھاٹ نہ تھا' اس کی متلاشی نظریں چشمہ آب ڈھونڈنے میں ناکام ٹھہری تھیں' نورالعین نے نم آلود ملتجی آنکھوں سے ہلکے ٹیالے آسمان کی طرف دیکھا' جہاں بادل کا بھولا بھٹکا ٹکڑا بھی نہ تھا' شاید بارش برسانے والے فرشتے نے ابھی اور ضبط آزمانا تھا۔

''پانی''۔ اس نے سوکھے ہونٹوں سے فریاد کی وہ تادیر سپاٹ آسمان کو نہ دیکھ سکی' تیز دھوپ نے جلد کو جھلسا دیا تھا' نورالعین نے کرب سے چہرا جھکا لیا اور پیر گھسیٹ گھسیٹ کر چلتی ٹیلے پر آ بیٹھی' گرم ریت کے ذرے پیروں سے اٹے پڑے تھے' ٹیلے کے قریب کانٹے دار جھاڑی پر کوئی صحرائی پرندہ منہ کھولے ہانپ رہا تھا' نورالعین نے آنکھیں موند لیں' خشک آنکھوں کے کونے برائے نام آنسوؤں سے بھیگ گئے کہ اچانک فضا میں گھنٹی کی آواز گونجی' اس نے نیم وا آنکھوں سے دیکھا کوئی عورت سر پر پانی کا مٹکا

ناولٹ





دھرے چل رہی تھی اس کے دوسرے ہاتھ میں صحرائی اونٹ کی مہار تھی نورالعین نے اپنی توانائیوں کو یکجا کرتے ہوئے صدا لگائی۔

"پ...... پانی دو بوند پانی"۔ گرم ہوا کے دوش پر کوئی رنگین آنچل پھر پھڑا رہا تھا سبک رو چلتی دوشیزہ کے قدم رکے نورالعین نے امید بھری نظروں کے ساتھ مٹکے کو دیکھا اور ہاتھوں کو پیالہ بنا کر دوشیزہ کے پلٹنے کا انتظار کرنے لگی دوشیزہ نے اپنا رخ نورالعین کی طرف موڑا۔ وہ دوشیزہ تھی کہ جنت سے اتری ہوئی کوئی حور نورالعین اپنی پیاس کو کچھ لمحوں کے لئے فراموش کر بیٹھی اور محو ہو کر تکنے لگی۔

"کیا بات ہے" دوشیزہ نے نورالعین کو ناراضی سے دیکھتے ہوئے ترش روئی سے پوچھا وہ چونک اٹھی۔

"مم...... مجھے دو بوند پانی چاہئے"

"یہ پانی تمہارے لئے نہیں ہے یہ پانی خاص ہے"۔ اس نے بیگانگی سے کہتے ہوئے قدم بڑھائے۔

"سنو خدا کے لئے ایسا نہ کرو صرف دو بوند پانی دے دو تمہارا بھلا ہو میری بات سنو رحم کرو مجھ پر"۔ نورالعین ہذیانی انداز میں گھبرا کر ہاتھ جوڑے گویا ہوئی۔ اب کی بار دوشیزہ کی گہری سبز آنکھوں میں طیش کی لہر بھڑکی تھی۔

"میں نے کہا ناں کہ یہ پانی پرہیزگاروں کے لئے ہے"۔

"دیکھو میں نے بھی کوئی قصور نہیں کیا تم یقین جانو میں خدا پر ایمان رکھتی ہوں میرے عمل میں کوئی کھوٹ نہیں ہے یا بتاؤ ناں کہ مجھ میں کیا خرابی ہے صرف دو بوند پانی کا سوال ہے دیکھو میں مر جاؤں گی"۔ نورالعین نے کراہ کر اس کا دوپٹہ پکڑا تھا جسے دوشیزہ نے جھٹکے سے چھڑایا اس کے انداز میں سخت حقارت اور آنکھوں میں تنفر تھا۔

"مجھے تم سے نہیں الجھنا دیر ہو رہی ہے"۔ وہ سرد اور عجیب لہجے میں کہہ کر دور ہوتی گئی اور نورالعین کی مدافعت نے دم توڑ دیا فضاؤں میں ریت کا طوفان چلا آیا تھا نورالعین نے شل وجود کو گھسیٹا اور ریت پر ڈھیر ہو گئی ہر طرف تاریکی تھی موت کی وادی میں یوم حساب کا لمحہ تھا شائیں شائیں کرتی پرزور ہوا پراسرار ماحول کو جنم دے رہی تھی ریت کے ذرے نورالعین کے حلق اور کانوں میں گھسے جا رہے تھے دم گھٹ رہا تھا نورالعین نے آنکھیں بند کر لیں کہ بینائی کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا ریت کا ٹیلہ اس کے دھڑ کو دبوچ بیٹھا تھا اور وہ کچھ مزاحمت نہ کر پائی تھی اسے لگا کہ وہ قبر میں اتار دی گئی ہے اور کچھ ہی دیر میں حساب ہونے والا ہے وہ تاریکیوں میں ڈوبے ذہن کو زندہ رکھنے کی کوشش میں مصروف تھی لیکن عذاب کوئی دم آیا ہی چاہتا تھا۔

☆☆☆☆

اس کی حیرت سے وا آنکھوں میں بے پناہ ستائش تھی وائٹ برائیڈل ڈریس میں ملبوس "جینا دیدی" سے کہانیوں والی سنڈریلا لگ رہی تھی۔

"جینا دیدی" کا دلہا "پال" بھی تو آخر تھری پیس میں کتنا اچھا لگ رہا تھا ابھی وہ صرف 12 سال کی تھی اور جینا دیدی کے نفیس پہناوے اور چکیلے سراپے نے اسے ایک خواب بننے پر مجبور کر دیا تھا چرچ کے پرسکون نیم تاریک اور ٹھنڈے ماحول نے ایک خواب کو جلا بخشی وہ تصور میں خود کو سفید فراک میں ملبوس سرخ پھولوں کا بوکے پکڑے دلہن کے روپ میں دیکھ رہی تھی۔

"اے"۔ ریٹا نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

"آں ہاں"۔ وہ خواب سے جاگی۔

"کہاں کھو گئیں؟" ریٹا نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں سوچ رہی تھی کہ "جینا دیدی" کتنی حسین لگ رہی ہیں"۔ وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی تو اس کی ہم عمر ریٹا نے فخر سے فرضی کالر

جھاڑتے ہوئے۔

"سو تو ہے میری دیدی بہت پیاری ہیں"۔

"ہاں لیکن دیدی کا ڈریس بھی تو پیارا ہے جیسے کسی گڑیا کا فراک ہو"۔

"تمہیں اچھا لگا ہے یہ لباس؟"

"تو اور کیا میں امی سے کہوں گی کہ وہ مجھے ایسا لباس تیار کر دیں"۔ ریٹا ہنس دی۔

"پگلی ایسا لباس تو ہم لوگ شادی پر دلہن کے لئے بنواتے ہیں اور پھر تمہاری مام کبھی بھی ایسا لباس نہیں بنوا کر دیں گی کیا تم جانتی نہیں ہو اپنی مام کو وہ تمہاری اس خواہش کو قینچی سے کتر کر رکھ دیں گی سمجھیں تم؟" ریٹا کی بات سن کر اس کے چہرے پر اداسی پھیل گئی وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی امی کبھی بھی اسے ایسا لباس پہننے کی اجازت نہ دیتیں وہ تو ریٹا سے اس کی دوستی کے شدید مخالف تھیں۔

"تو کیا زندگی بھر میری یہ بے ضرر خواہش پوری نہ ہو سکے گی؟" اس نے مجبوری کے ساتھ سوال کیا۔

تو ریٹا نے اس کی ننھی ناک کو ہلکا سا دبایا

"کیوں نہیں پوری ہو سکتی بالکل پوری ہو سکتی ہے اگر تمہاری شادی ہمارے مذہب کے کسی لڑکے سے ہو جائے اور مانو مجھے تم جتنی پیاری لگتی ہو میرے بس میں ہوتا تو تمہیں اپنی بھابی بنا لیتی"۔ اس کے گول مٹول چہرے پر ریٹا کی بات سے گلابی رنگ ابھرا یہ حقیقت تھی کہ ریٹا اور عینا یک جان دو قالب تھیں عینا کے گھر والوں کی ناپسندیدگی کے باوجود دونوں کی دوستی کی سرسوں پھلتی پھولتی جا رہی تھی۔

"اچھا بابا میں اب چلتی ہوں تمہیں پتہ ہے ناں کہ میں تمہاری خفگی کے ڈر سے امی بابا سے ضد کر کے آئی ہوں صرف ایک گھنٹے کی اجازت بمشکل ملی تھی اور اب آدھا گھنٹہ اوپر ہو گیا ہے امی تو میری جان کو آ جائیں گی"۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور بے چینی سے کلائی میں بندھی نازک سی گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہوئے ریٹا سے واپسی کی اجازت لینے لگی۔

"اوکے" ریٹا نے بادل ناخواستہ سر ہلایا۔

"چلو میں جیکی سے کہتی ہوں وہ تمہیں گھر چھوڑ دے گا"۔

"نن نہیں میں چلی جاؤں گی جیکی کو کیوں تکلیف دیتی ہو یہ دو گلیاں چھوڑ کر ہی تو جانا ہے"۔ عینا لرز کر بولی وہ جانتی تھی کہ اگر امی کو پتہ چل گیا کہ وہ جیکی کی بائیک پر گھر لوٹی ہے تو وہ اسے مارنے سے گریز نہ کرتیں اور ان کی دوستی بھی خطرے میں پڑ جاتی ایسا وہ ہرگز نہیں کرنا چاہتی تھی اس سے پہلے کہ ریٹا کچھ کہتی پندرہ سالہ جیکب ٹائٹ جینز ٹی شرٹ میں ملبوس رنگ گھماتا چلا آیا۔

"کیا بات ہے ہنی؟" اس نے عینا کو مخاطب کیا۔

"کک کچھ نہیں میں گھر جانا چاہ رہی تھی کافی دیر ہو چکی ہے امی پریشان ہوں گی"۔ وہ مزید کچھ کہے بغیر تیز قدموں سے باہر کی طرف نکل آئی۔

ریٹا پیچھے سے پکارتی رہ گئی جیکی شانے اچکا کر وہاں سے ہٹ گیا۔

☆☆☆☆

عجیب ویران سا جنگل تھا کسی ذی نفس کا وجود نہ تھا قد آدم درختوں کے پتے مرجھائے ہوئے تھے جھاڑ جھنکاڑ کی ڈھیریوں میں چیونٹیاں رینگ رہی تھیں غول کے غول پرندے اس کے نیم مردہ وجود کے پاس وحشت ناک آوازوں میں چیخ رہے تھے یاسیت اس کے رگ و پے میں سرائیت کر رہی تھی اور وہ پیاس سے بلبلا رہی تھی۔ آخرکار وہ ہمت کر کے اٹھی اور ٹوٹی ہوئی دیواروں والے بوسیدہ کنویں کی طرف بڑھی اس نے خشک کنویں میں جھانکا وہاں ایک بوند پانی نہ تھا وہ آج بھی پانی کو ترس رہی تھی وہ تھک کر کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گئی کہ ایک نورانی صورت مرد کا وجود ویرانے میں نور

بن کر اجاگر ہوا۔

"تمہیں پانی چاہئے' یہ لو پانی"۔ وہ نہایت شفقت سے بولا تو اس نے پانی کے پیالے کی طرف ہاتھ بڑھا دیئے مگر یہ کیا کہ اس کے ہاتھ شل ہو گئے وہ کوشش کر کے ہاتھ بڑھاتی اور کوئی غیر مرئی قوت اسے روک دیتی' پھر اس نے ایک تالاب دیکھا جو پیپ سے بھرا ہوا تھا وہ لپک کر اس تالاب کی طرف بڑھی اور جانوروں کی طرح منہ لگا کر غٹا غٹ پینے لگی' پیپ کی بدبو سے اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا لیکن حلق کی خشکی اسے پیئے جانے پر مجبور کر رہی تھی۔ اس نے ذرا کی ذرا نورانی صورت [illegible] کو دیکھا جو اسے روک رہا تھا لیکن اس نے کوئی پروا [illegible] کرتے ہوئے اپنا کام جاری رکھا وہ مرد زیر لب بڑبڑایا۔

"ہدایت اسی کے لئے ہے' جو ہدایت [illegible] ہے"۔

☆☆☆☆

عائشہ نے فکرمندی سے نورالعین کے [illegible] لیئے معصوم چہرے کو دیکھا' جہاں آنسوؤں کے نشان تھے' بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں شکایت تھی اور وہ وقفے وقفے سے سسکیاں بھر رہی تھی' اس کے سامنے آخر کا پارہ رحل میں کھلا پڑا تھا' اور وہ بے نیازی سے ڈھیٹ بن کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ جبکہ چٹائی پر بیٹھی دوسری بچیاں ہل ہل کر بلند آواز میں اپنا سبق دہرا رہی تھیں' کچھ دیر پہلے عائشہ نے نورالعین کی خوب پٹائی کی تھی' محمد عمر' نورالعین سے چار برس چھوٹا تھا اور وہ دو مرتبہ ناظرہ قرآن پڑھنے کے بعد اپنے بابا "احمد علی" کے مدرسہ میں حفظ کر رہا تھا' جبکہ نورالعین سے بڑے حسن رضا نے بھی سات سال کی عمر میں ناظرہ پڑھ لیا تھا اور اب درس نظامی کر رہا تھا ایک نورالعین تھی کہ اسے "یسرنا القرآن" کا قاعدہ بھی بارہ برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے بمشکل از بر ہوا تھا' اور وہ بھی بے پناہ کوششوں اور عائشہ کے ہاتھوں مار کھا کر الف لام میم کی سورہ فاتحہ تک پہنچ ہی گئی لیکن مشکل اب یہ آ پڑی کہ نستعین سے آگے اھدنا الصراط المستقیم کی اسے پہاڑ ہو رہی تھی نہ زبان پر الفاظ چڑھ رہے تھے ہجے اجوڑ توڑ کروا کر دیکھا رواں رٹوایا لیکن عائشہ کی ہر کوشش بے سود رہی وہ ہر لفظ کو ہکلا کر کچھ کا کچھ کر دیتی' عائشہ نے تنگ آ کر اسے چھڑی کے ساتھ مارا' چہرے پر بے تحاشہ تھپڑ مارے' اب تو اس کے ہاتھ دکھنے لگے تھے' وہ خود رونے جیسی ہو گئی تھی مگر باقی الفاظ کو صحیح صاف ادا کرتی نور العین اھدنا الصراط' پہ ایسی اٹکی کہ کبھی نکل نہ پائی' عائشہ کا خیال تھا کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کرتی ہے انہیں یہ خوف ستائے دے رہا تھا کہ مولوی احمد علی کی بیٹی جو علاقے کے پیش امام تھے قرآن کریم کی تعلیم سے بے بہرہ رہ گئی تو لوگ کیا کہیں گے؟ نیز آخرت بھی برباد ہوگی یہ خیال آتے ہی انہوں نے نورالعین کو ایک بار پھر پیار سے پڑھانا چاہا' لیکن سسکیاں بھرتی نور کو چپ لگ گئی تھی اب تو وہ ٹوٹے پھوٹے [illegible] بھی ادا نہیں کر پا رہی تھی' اس کے ساتھ بیٹھی بچیوں [illegible] لئے یہ صرف تماشہ تھا' عائشہ نے نور العین [illegible] دوبارہ تھپڑ رسید کیا تو وہ بے خوفی سے بپھر کر بولی۔

"مجھے نہیں پڑھنا [illegible]"۔ عائشہ نے دہل کر اسے جھنجھوڑا۔

"اے لڑکی ہوائی ہو گئی ہے' ہوش میں تو ہے ناں تو کیوں نہیں پڑھنا تو نے قرآن؟"۔

"بس مجھے یہ پڑھنا نہیں آتا مشکل لگتا ہے"۔ وہ ضد سے بولی۔ عائشہ غصے کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

"مگر ہم سلمان ہیں ہمارے لئے قرآن کا علم سیکھنا اور سمجھنا ضروری ہے' کوشش کرنے سے آسانی پیدا ہوتی ہے' میرا بچہ ایسا نہیں بولتے کہ"۔

"ہاں تو آپ سمجھائیں ناں ان شاگردوں کو اپنا شوق پورا کر لیں مجھے کیوں زبردستی ملانی بنانا چاہتی ہیں' مجھے نہیں آتا یہ پڑھنا' ریتا کی بھی تو ایسی ہی ایک کتاب ہے' کبھی اس کی ممی نے تو زبردستی نہیں کی پھر آپ کیوں مجھے مارتی ہیں"۔ نورالعین نے خودسری کی انتہا کر دی۔

"اب اگر تو ایک لفظ بھی بولی ناں تو تیری زبان کھینچ لوں گی آج تیرے بابا سے کروں گی تیری شکایت اور خبردار جو اب تو مجھے اس موئی ریتا کے ساتھ نظر آئی"۔ ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی نورالعین نے بدتمیزی سے رحل کو ایک طرف دھکیلا اور کمرے میں بند ہو گئی۔

"کاش تو پیدا ہوتے ہی مر گئی ہوتی' تجھ ایسی اولاد سے ہم [illegible] تھے کر لے بند شوق سے دروازہ' آج روٹی [illegible] تجھے"۔ عائشہ جھنجھلا کر اونچا بولنے لگیں۔

☆☆☆☆

ارشاد نبوی ﷺ ہے' انسانی جسم میں [illegible] کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو گیا تو پورا [illegible] ہو گیا اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ گیا اور وہ دل ہے' اسلام نے سب سے زیادہ زور اصلاح نیت پر دیا اور تمام اسلامی عبادات کا مقصد و محور تقویٰ کو قرار دیا ہے نماز روزہ حج زکوٰۃ تمام ارکان اسلام کا مرکزی تقویٰ کو ہی قرار دیا ہے تقویٰ وہ قوت روحانی ہے جو دل کو برائیوں سے روکتی ہے' اور اچھائی کی [illegible] نیت کو مخاطب کرتی ہے' قرآن مجید اصلاح نیت پر بہت زور دیتا ہے۔

"اور قسم روح کی اور جس نے اسے درست رکھا پھر اس نے بدی اور نیکی میں اتار دی' بے شک جس نے اس کو پاک کیا کامیاب ہوا اور جس نے خاک میں ملایا ناکام ہوا" (شمس 7 تا 10) انسان کو اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے اس سے نیت درست رہتی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"تباہ ہو گیا وہ شخص جس کا آج کل سے بہتر نہیں"۔

"نیک لوگوں کی صحبت اصلاحت میں اکسیر کا درجہ رکھتی ہے اور یہ تعمیر سیرت کا اہم ذریعہ ہے انسان کو اللہ تعالیٰ سے درستگی نیت کی دعا کرتے رہنا چاہئے اس سے تزکیہ نفس ہوتا رہتا ہے"۔ نورالعین پلنگ پر لیٹی مسلسل کروٹیں بدل رہی تھی قریبی مسجد سے ابھرتی مولوی احمد علی کی آوز نیند میں خلل کا باعث بن رہی تھی اس نے جھنجھلا کر کانوں پر سرہانا رکھا' مگر ناچار۔ وہ جھنجھلا کر اٹھ بیٹھی مولوی احمد علی جمعہ پڑھا کر لوٹے وہ منہ پھلا کر برآمدے میں بچھی چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"نورالعین بی بی کیا ہوا ہے بٹیا رانی؟" مولوی احمد علی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

"بابا میں آرام کر رہی تھی میری نیند پوری نہیں ہوئی"۔ وہ ناراضی سے اٹھلا کر بولی۔

مولوی احمد علی نے ذرا سا مسکرا کر 21 سالہ نور العین کو دیکھا۔

"لیکن بیٹا یہ وقت تو عبادت کا ہے آج جمعہ [illegible] ہے نماز پڑھو اور درود کا اہتمام کرو"۔

"[illegible] بابا' لیکن یہ مسجد میں لاؤڈ اسپیکر کھولنا ضروری [illegible] پندرہ نصائح بغیر ساؤنڈ کے بھی تو ہو سکتے ہیں [illegible] کا کام بھی رکتا ہے اور بے آرامی بنتی ہے"۔ نورالعین کی بات سن کر عائشہ تلملا کر رہ گئیں انہوں نے [illegible] ڈال کر اسے دیکھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ [illegible] مولوی احمد علی نے نرمی سے اسے ٹوکا۔

"بیٹا انسان کو ہر وقت اپنی اور دوسروں کی اصلاح کے لئے مصروف عمل رہنا چاہئے پھر ہمارے گھروں میں باپردہ خواتین ہوتی ہیں جن کو بعض مسائل سے آگاہی نہیں ہوتی جب وہ جمعۃ المبارک کے دن بیان' سنتی ہیں تو کافی معلومات حاصل کر لیتی ہیں اور دین کا علم تو حضور اکرم ﷺ نے ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض قرار دیا ہے"۔ نورالعین کے چہرے کے زاویے بگڑے رہے تاہم وہ خاموش رہی

مولوی احمد علی نے اس کے کاندھوں پر پڑی چادر کو سر پر اوڑھایا۔

"نور العین بی بی تمہیں معلوم ہے ناں کہ سیدہ فاطمۃ الزہرہؓ کے سر مبارک سے کبھی چادر نہیں سرکی تھی اور بیٹا سیدہ فاطمہؓ کے نقش قدم پر چلنے میں ہی بچیوں کی بھلائی ہے اور میں تو چاہتا ہوں میری نور العین بی بی سیدہ فاطمۃ الزہرہؓ کی پکی غلام بن کر سیدھی جنت میں جائے"۔ نور العین نے بے دلی سے سر ہلایا' عائشہ اسے دیکھ کر تلاوت کلام الٰہی میں مصروف ہو گئیں۔

☆☆☆☆

"میم فاطمہ لغاری [illegible] موجود ہوں گی؟" نور العین نے ریٹا سے سوال کیا۔

"میں" نے میم کو لائبریری [illegible] جاتے ہوئے دیکھا تھا' لیکن تمہیں کیا ضرورت پڑ گئی ہے [illegible]" ریٹا نے املتاس کے خشک پتے اس کی طرف اچھالے۔

"مجھے ان سے کام ہے"۔

"دیکھ لیا ہوگا پھر سے کوئی ڈراؤنا خواب"۔ وہ بے زاری سے بولی۔

"تم چلو گی میرے ساتھ؟" نور العین نے اس کی بات کو نظر انداز کر دیا۔

"چلو بابا"۔ ریٹا نے لیئرز کٹ بالوں کو کیچر میں قید کیا اور ٹھنڈی سانس بھر کر اٹھ کھڑی ہوئی چند لمحوں بعد وہ اسلامیات کی پروفیسر فاطمہ لغاری کے روبرو تھی۔

"میم میرے اندر اضطراب ہے 'ایک ہلچل ہے بے سکونی ہے' مجھے سکون چاہئے"۔ مس فاطمہ لغاری نے اسٹائلش سی نور العین کو نظر بھر کر دیکھا' جس کے چہرے پر بیک وقت بھولپن اور الجھن کے سائے تھے' فٹنگ والے لباس سے ہر عضو نمایاں تھا اور دوپٹہ لاپروائی سے کندھے پر پڑا تھا۔

"نور العین جب ہم اپنی اوقات سے بڑھ کر خواہشات کے گرداب میں پھنس جاتے ہیں ناں تو بے کلی کا شکار ہو جاتے ہیں اپنی خواہشات کا دائرہ محدود کر لو سکون مل جائے گا' پتہ ہے کیا جب ہم اپنے ماحول سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں تو زندگی بہت مشکل نہیں لگتی' تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم اپنے ماحول سے مانوس نہیں ہونا چاہتیں"۔ وہ دھیمے لہجے میں اسے سمجھانے لگیں۔

"پھر مجھے کیا کرنا چاہئے میم؟"

"اپنے حالات کو قبول کر لو اور یاد رکھو سکون صرف خدا کے ذکر میں ہے' تمہارا تعلق تو مذہبی گھرانے سے ہے تمہیں تو مذہب پر کاربند رہنا چاہئے"۔ نور العین نے نظریں چرائیں جبکہ ریٹا بوریت سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"میم میں نے رات بہت بھیانک خواب دیکھا کہ میرے جسم کو کتے نما جانور بھنبھوڑ رہے ہیں پھر دیکھا کہ میرے جسم سے کپڑے گر رہے ہیں اور ایک [illegible] آگ کی تلوار سے میرے وجود کی [illegible] بنا رہا ہے' میں بارہ برس کی عمر سے اس قسم کے [illegible] رہی ہوں' نجانے مجھے یہ خواب کیوں نظر آتے [illegible]"

"نور العین نماز [illegible] پابندی کیا کرو' ذہن کو ناپاک خواہشات سے آلودہ نہ [illegible] اپنے حالات پہ شاکر ہو جاؤ' اور رات سونے سے پہلے سورۃ والناس اور فلق پڑھ کر خود پر دم کر لیا کرو' بہت جلد سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ ریٹا نے نور العین کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میم یہ سورۃ والناس' فلق کہاں لکھی ہوئی ہیں"۔ نور العین کے سوال پر پروفیسر فاطمہ لغاری کے چہرے پر گہرا تاسف ابھرا' وہ ششدر رہ گئیں۔

"نور تم کہیں سے بھی مولوی احمد علی کی بیٹی نہیں لگتی"۔ انہوں نے سر تھام لیا' نور العین شرمندگی کے احساس سے دوچار تھی' فاطمہ لغاری نے بمشکل خود کو [illegible]وز کیا۔

"سورۃ والناس اور فلق قرآن پاک کے آخری [illegible]ے میں موجود ہیں"۔

"اوکے تھینکس میم"۔ وہ نظریں جھکا کر [illegible]بریری سے نکل آئی وہ محض سر ہلا کر رہ [illegible]گئیں۔ لائبریری سے باہر نکلتے ہی ریٹا اس پر [illegible]س پڑی۔

"آخر کیا مصیبت پڑ گئی تھی تم پر' آنکھیں بند [illegible]رکے تو کئی قسم کے خواب آ ہی جاتے ہیں' خواہ مخواہ [illegible]ت ضائع کیا اور باتیں بھی سننا پڑیں"۔

"مسلسل ڈ[illegible] خوابوں کا آنا بھی تو باعث [illegible]ویش ہے"۔ وہ [illegible] کہہ سکی۔

"عینا تمہارے [illegible] اس طرح کے [illegible]اب تم بارہ برس کی عمر سے دیکھ [illegible] اور بارہ برس [illegible]ی عمر میں بھی خواب میں تم نے خود کو [illegible] [illegible]وپ میں دیکھا ہے اب مجھے یہ بتاؤ کہ کیا [illegible] [illegible]اب کو سچا پایا ہے؟" ریٹا کے انداز میں سخت [illegible]ختلاف تھا۔

"نہیں"۔ وہ کمزور لہجے میں بولی۔

"تو پھر پریشان کیوں ہوتی ہو' چھوڑ دو اپنے [illegible]ول قسم کے واہموں کو جوانی پھر لوٹ کر نہیں آئے [illegible]ی' زندگی ایک بار ہی ملتی ہے اسے انجوائے کرو' [illegible]ی سجدوں کے لئے کافی وقت پڑا ہے' ورد وظیفے [illegible]ی ہوتے رہیں گے' خداوند بڑا مہربان ہے' آخر [illegible]س نے جنت کس کے لئے بنائی ہے؟ ہمارے لئے ہاں؟ پھر کیا فائدہ راہب' مولوی' پنڈت' جوگی [illegible]بننے کا' میری جان ہنسو کھیلو' آخرت کی تیاری میں [illegible]یوں زرد پڑتی ہو' مجھے دیکھو' میں نے تو کبھی بائبل کو [illegible]ھول کر نہیں دیکھا ہاں وہ کتاب مقدس ہے میں اس [illegible]احترام کرتی ہوں مگر اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے [illegible] میں دنیا کے عیش و عشرت سے منہ موڑ لوں یہ [illegible]نکات بھی تو ہمارے لئے ہی وجود میں آئی ہے ناں اور یقین جانو یہ سب لوگ جو جاء نماز اور تسبیاں تھامے رہتے ہیں ناں ان کو جنون ہے اپنی پرہیز گاری کا ڈھنڈورا پیٹیں کہ ہم تو بڑے اللہ والے ہیں کم آن یار' ٹینشن فری ہو جاؤ' ہم بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور اللہ والے ہیں اوکے' اب ذرا مسکراؤ"۔ ریٹا نے اس کی خاصی برین واشنگ کر دی تھی وہ کھل کر مسکرا دی۔

"گڈ گرل"۔ ریٹا نے اس کا گال پیار سے کھینچا۔

"جیکی تمہیں بہت مس کر رہا تھا"۔

"تو پھر؟" وہ ہولے سے بولی۔

"پھر یہ کہ کالج سے آف کے بعد ہم جیکی کی ہنڈا پر اس کے خرچے پر زبردست سا لنچ اڑانے والے ہیں"۔

"لیکن کسی نے دیکھ لیا تو؟" وہ متامل ہوئی۔

"پہلے بھی کسی نے دیکھا ہے کیا' محترمہ دو مرتبہ ہم پہلے بھی جیکی کے خرچ پر 'کھابہ' اڑا چکے ہیں اگر تمہیں یاد ہو' ویسے بھی تمہارے اس آؤٹ آؤٹ [illegible] میں کوئی تمہیں پہچان نہیں سکے گا"۔ ریٹا کا [illegible] عینا کے برقعے کی طرف تھا' عینا خجل سی ہو گئی۔

☆☆☆

درد کی شدت سے وہ [illegible] دونوں ہاتھوں سے پیٹ کو پکڑے دہری ہو رہی تھی' اس کے جسم پر لباس کا ایک تار تک نہ تھا اور پورے وجود میں زخموں کے سوراخ تھے جن سے کیڑے جھڑ رہے تھے اور بدبو سے سر دکھنے لگا تھا' ایک کالے رنگ کا کتا مسلسل اس کی طرف منہ کھولے بھونک رہا تھا' بہت سے گیدڑوں کی بین زدہ آوازیں کان پھاڑنے کو تیار تھیں' ایک انجانا ہاتھ اس پر آگ کے کوڑے برسا رہا تھا اور دور سے معدوم آوازیں ابھر رہی تھیں۔

"حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے

پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟'' حضرت ابی بن کعبؓ نے جواب دیا۔

''تقویٰ کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص خاردار راستے پر چلے اور اپنا دامن بچا کر گزرے کہ کوئی جھاڑی دامن سے الجھ کر لباس کو پھاڑ نہ دے''۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

''ہاں! تو نے سچ کہا''۔

وہ لپک کر اٹھنا چاہتی تھی لیکن آگ کے کوڑے نے اسے وہیں رک جانے پر مجبور کر دیا۔

☆☆☆☆

''ناپاک'' عائشہ نے کپ کو زور سے شیلف پر پٹخا اور گلاس بھی ایک طرف کر دیا۔

''حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے اور ایک [illegible] لڑکی ہے کسی کے کہے میں نہیں آتی ہزار بار کہا ہے کہ کسی مسلم لڑکی سے دوستی کرلو' مگر مجال ہے جو اس نے اپنا کفر توڑا ہو' آئے ہم والدین تو دنیا کے خوف سے چپ ہیں کہ اگر پیٹ سے کپڑا ہٹایا تو اپنا ہی پیٹ ننگا ہوگا' لوگ کیا کہیں گے' مولوی احمد علی سے اپنا گھر تو سنبھالا نہیں جاتا چلے ہیں دنیا کی اصلاح کرنے' خدا نافرمان اولاد سے بچائے' سچ ہے انما اموالکم واولادکم فتنہ'' عائشہ کچن کا کام سمیٹتے مسلسل بڑبڑا رہی تھی' اور ان کی بڑبڑاہٹ کو مزید دو گھنٹے جاری رہنا تھا' نورالعین بھنا کر بولی۔

''فتنہ تھا تو مار دیا ہوتا اولاد کو' یہ تو آپ کا من پسند ڈائیلاگ ہے''۔

''توبہ توبہ استغفراللہ' قرآن کی آیت کو ڈائیلاگ سے ملا رہی ہے مگر تجھے کیا پتہ تو نے قرآن پڑھا ہو تب ناں' موحد کے گھر میں شودر پیدا ہو گیا' نورالعین بی بی ابھی وقت ہے' سدھر جاؤ' خدا کا خوف کرو' چھوڑ دو اپنے رنگ ڈھنگ''۔ عائشہ نے ہر لفظ پر زور دیا۔

''موحد کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے اور شودر کا خالق بھی وہی ہے' امی خدا کے لئے اپنی انتہا پسندی کو چھوڑ دیں ایسا نہ ہو کہ میں خدا کی ہی منکر ہو جاؤں''۔ نورالعین نے ہاتھ جوڑے۔

''چٹاخ''۔ عائشہ کا ہاتھ پوری قوت سے بیٹی کے چہرے پر پڑا تھا' وہ گنگ رہ گئی۔

''ہو جا تو خدا کی منکر' کیا بگاڑ لے گی تو اس کا' کان کھول کے سن لے تو منکر بن یا مومن اسے تیری کوئی ضرورت نہیں ہے' یہ ساری کائنات بھی مل کر اسے نفع نقصان پہنچانا چاہے ناں تو ہرگز بھی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتی' تو اس کی محتاج ہے' وہ تیرا محتاج نہیں ہے' تجھے اس کی ضرورت ہے پہلا کون سا تو اس کے ذکر میں ساری ساری رات جاگتی ہے''۔

''آپ میری ماں نہیں ہیں' دشمن ہیں میری' کیا قصور کر دیا تھا میں نے آپ کا' فقط یہی کہ میری دوست چند لمحوں کے لئے مجھ سے ملنے آئی اور میں نے اسے آپ کے ٹی سیٹ میں سے ایک کپ کا نکال کر اس کی مہمان نوازی کی اور آپ نے ناپاکی کا فتویٰ لگا کر برتن الگ کر دیئے' میں بھی تو ان کے گھر جایا کرتی تھی ان کی ماما نے تو میرے برتن کبھی مخصوص نہیں کئے' ہاں میں لا دین ہوں' موحد کے گھر مشرک ہوں' شودر ہوں' مجھے اپنی پرہیزگاری کو نمائش میں نہیں رکھنا' آپ کی طرح مولوی احمد علی کا ٹھپہ خود پر نہیں لگوانا' نفرت ہے مجھے آپ سے' آپ کے نظریات سے اور اور آپ کی نام نہاد پرہیزگاری سے''۔ وہ کہہ کر رکی نہیں تھی' ہمیشہ کی طرح خود کو کمرے میں بند کر لیا۔

☆☆☆☆

وہ مسجد کی سیڑھیوں پر گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی' بے رونق بال آدھے کھلے ہوئے تھے کالی چادر ڈھلکی ہوئی تھی' قریب ہی پیپل کے درخت پر چڑیاں تنکا تنکا جوڑ کر اپنا گھونسلہ بنا رہی تھیں۔ تمام پودوں کی

کیاریاں خشک پڑی تھیں' مسجد سے چند قدموں کے فاصلے پر کسی بزرگ کا دربار تھا' دربار سے فاتحہ پڑھنے کی مدھم آوازیں باہر تک آ رہی تھیں' اگربتی کی تیز خوشبو فضاؤں میں پھیلی ہوئی تھی۔

''شنو''۔ کسی عورت کی آواز نے سکوت کو توڑا۔

''چاول کے کچھ دانے پیپل کے نیچے ڈھیر کر دیئے چڑیا چگ کر دعا دیں گی''۔

''اچھا اماں''۔ نو سالہ شنو پیر گھسیٹتی ٹوٹی چپل سے گرد اڑاتے ہوئے پیپل کے نیچے آ رکی' ہاتھ میں پکڑے شاپر میں سے اس نے چاول نکال کر درخت کے نیچے بکھیر دیئے۔

''سنو''۔ کاندھے پر کسی ہاتھ کا وزن محسوس کر کے اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا' نظروں میں خالی پن تھا' آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے تھے۔

''یہ بابا جی کی نیاز لے لو''۔ وہ کوئی عورت تھی جو اسے رومال سے سونف والی میٹھی روٹی نکال کر دے رہی تھی' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے''۔

''لے جھلی' یہ نذر نیاز بھوک سے تھوڑی کھاتے ہیں یہ تو بزرگوں کا لنگر ہوتا ہے' اسے تبرک سمجھ کر کھاتے ہیں' میں نے یہاں منت مانی تھی بابا جی کی دعا سے اللہ نے میرا کام کر دیا' تو آج میں منت پوری کرنے آ گئی' میٹھی روٹیاں بانٹی ہیں اور پانچ ٹن کے پانچ چراغ جلائے ہیں میں نے لے پکڑ''۔ عورت نے پوری تفصیل بتائی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر روٹی لے لی اور سوال کیا۔

''کیا یہاں ہر دعا پوری ہوتی ہے؟''

''ہاں اللہ والوں کی دعا سے ہر کام ہو جاتا ہے شرط یہ ہے کہ مقصد نیک ہو''۔

''کیا روٹھے ہوئے بھی مان جاتے ہیں' بچھڑے ہوئے بھی مل جاتے ہیں؟'' وہ یاس سے بولی۔

''ہاں ہاں سب کچھ ہو جاتا ہے' اب میں چلتی ہوں' ورنہ تجھ سے تیرا نام پتہ تو ضرور پوچھتی لیکن دیر ہو رہی ہے' فیر سہی''۔ عورت گھٹنوں پر ہلکا سا دباؤ ڈال کر اٹھ گئی۔ اس نے سامنے کی طرف دیکھا' چڑیوں نے شنو کے ڈالے ہوئے چاول صفاچٹ کر دیئے تھے اور اب گرمی کی حدت سے منہ کھولے پر پھیلائے پانی کی تلاش میں پھدک رہے تھے۔ اس نے ایک نظر مسجد کے ایک طرف ترتیب سے لگی چار ٹونٹیوں کو دیکھا اور پھر باری باری کھولا' کسی بھی ٹونٹی سے قطرہ پانی برآمد نہ ہو سکا' شاید خراب تھیں' لیکن دریں اثناء چڑیوں نے پانی دریافت کر لیا تھا' دربار کی طرف لگے ہوئے ملگجے فرش پر کچھ پانی ٹھہرا ہوا تھا' وہ تمام کی تمام اڑ کر وہاں چلی گئیں' کچھ پر بھگونے لگیں اور کچھ پانی پینے لگیں' ایک چڑیا نلکے کی ٹل میں منہ ڈال کر کچھ قطرے چونچ میں بھرنے لگی' اس نے مطمئن ہو کر آسمان کی طرف دیکھا' اور دربار کے ساتھ بنے چھوٹے سے کمرے میں گھس گئی' وہ نہیں جانتی تھی کہ درباروں میں جانے کے کیا آداب ہوا کرتے ہیں' [illegible] ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھ گئی۔ اسے یک گونہ تحفظ اور سکون کا بے پایاں احساس حاصل ہوا تھا' اس نے لیٹ کر آنکھیں موندلیں' جانے کتنی شبوں سے جلتی ہوئی آنکھوں میں میٹھی نیند اتری تھی۔

''اللہ کے بزرگ میرے کو دھو دے''۔ غنودگی کے عالم میں وہ بے ربط جملے کہہ کر اطمینان سے سو چکی تھی۔

☆☆☆☆

''اڑھائی سے اوپر ٹائم ہو گیا ہے' ابھی تک نورالعین بی بی کالج سے واپس نہیں لوٹی''۔

''اچھا خدا خیر کرے میں پتہ کر کے آتا ہوں''۔ مولوی احمد علی نے پریشان صورت عائشہ کو

دیکھا‘ اور گھر کی دہلیز پار کرلی‘ عائشہ پنج سورۃ جزدان میں رکھ کر نورالعین کے کمرے میں گئیں‘ پلنگ کی چادر‘ تکئے کے غلاف ہر شے الٹ پلٹ دی‘ نہ جانے کیوں ان کا دل کسی ہونی کی اطلاع دے رہا تھا‘ کپڑوں والی الماری کھولتے ہی کاغذ کا ٹکڑا پاؤں میں گرا‘ انہوں نے دھڑکتے دل کو سنبھال کر کاغذ کی تہہ کھولی۔

”میں اپنی مرضی سے یہ گھر چھوڑ کر جارہی ہوں‘ اس ماحول میں میرا دم گھٹتا ہے‘ میری واپسی کی کوئی امید نہ رکھیں کیونکہ مجھے آپ کے متقی پن سے گھبراہٹ ہوتی ہے میں اپنی خوشی سے جارہی ہوں‘ لہٰذا مجھے ڈھونڈنے کی کوشش نہ کی جائے“۔ نورالعین۔ عائشہ ساکت رہ گئیں

”کیا نورالعین اس حد تک گر سکتی ہے؟ ابھی رات کو دونوں کے درمیان بحث ہوئی تھی‘ وہ ریٹا کے کزن جیکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی‘ عائشہ کے ہزار ہا سمجھانے پر بھی اپنے موقف پر قائم تھی۔

عائشہ ازحد شرمندہ تھیں‘ بھلا وہ مولوی احمد علی کو کیا منہ دکھائیں گی‘ وہ کیسے دنیا والوں کا سامنا کرپائیں گے؟ لوگ کیا کہیں گے کہ مولوی احمد علی کی بیٹی عیسائی کے ساتھ بھاگ گئی‘ کاش وہ نورالعین کو آج کالج نہ جانے دیتیں۔

☆☆☆☆

سفید برائیڈل فراک میں سرخ پھولوں کا گلدستہ تھامے وہ باربی ڈول لگ رہی تھی‘ نیٹ کا مختصر سا گھونگھٹ شباب کو چھپانے میں ناکام تھا‘ لگژری روم کے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی وہ اپنے سراپے کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھی‘ وہ دودھیا گردن میں کراس کا چھوٹا سا سنہری لاکٹ جھول رہا تھا۔

”تم کہیں سے بھی مولوی احمد علی کی بیٹی نہیں لگتیں“۔ کانوں میں گزرے ہوئے لمحے کی بازگشت تھی وہ واقعی ہی کہیں سے بھی مولوی احمد علی کی بیٹی نہیں لگ رہی تھی اس نے سر جھٹکا۔

”میں مولوی احمد علی کی بیٹی لگنا بھی نہیں چاہتی‘ میں نورالعین احمد علی نہیں ہوں صرف عینا جیکب ہوں اگر نورالعین احمد علی ہوتی تو کسی مڈل کلاس عبداللہ یا محمد زاہد کی سیج پر تیز گلابی رنگ کا لہنگا پہنے بیٹھی ہوتی‘ صد شکر ریٹا نے میری خواہش کو پورا کردیا“۔

”عینا میری زندگی میں نے تمہیں حاصل کرلیا‘ نئی زندگی کی شروعات مبارک ہوں“۔ تھری پیس میں ملبوس جیکی نے عینا کے گرد بازو حمائل کردیئے عینا سرشار سی ہوگئی تھی جانے کب وہ چپکے سے چلا آیا تھا۔

”آج تو تم ہمیشہ سے زیادہ دل لبھا رہی ہو“۔ جیکی نے میوزک آن کردیا‘ اور ہاتھ بڑھا کر ڈارک بلو کرٹن برابر کردیئے۔ اے سی کی کولنگ کا فرحت بخش احساس عینا کے دل سے ہر خدشہ دھو گیا۔

”تم بھی بہت اچھے لگ رہے ہو“۔

”شکریہ“۔ جیکب نے گھمبیر لہجے میں کہہ کر اسے خود سے قریب کیا‘ عینا نے انتہائی تازگی محسوس کرتے ہوئے خوشبوؤں میں بسے جیکب کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں‘ بند قبا کھل رہی تھی‘ اور عینا کی دراز پلکوں پر حیا ...

☆☆☆☆

وہ چلچلاتی دوپہر میں چھوٹی نہر کے کنارے لگے درختوں کے نیچے چل رہی تھی‘ وہ مضطرب تھی‘ جانے کون سی بے چینی بھٹکائے دے رہی تھی‘ بے مقصدیت گویا زندگی کا جزو بن چکی تھی‘ چلتے چلتے وہ تھک کر تاہلی کے درخت کے نیچے بیٹھ گئیں۔ نہر کے دوسرے کنارے لگے شہتوت پر چھوٹی سی ابابیل شہتوت توڑ توڑ کر زمین پر گرا رہی تھی جانے کس علاقے سے کسی بچے کی بنائی ہوئی کاغذ کی ناؤ پانی کے زور پر بہتی چلی آرہی تھی‘ جانے کہاں جاکر ناؤ کا سفر تمام ہونا تھا‘ اسے اپنی زندگی بھی اس ناؤ کی

...رج وقت کے زور پر بے مقصد بہتی محسوس ہوئی۔ اس نے بغور بلبلوں کی ڈار کو دیکھا جو فضا میں نامعلوم خطرہ محسوس کرکے اڑ چکی تھیں‘ ڈیزی ...ی بلبل ہے“ کوئی روشن لمحہ بھی گھڑی بھر جاگ کر اڑا تھا۔

”ڈیزی اگر ماما آپ کو چھوڑ کر چلی جائیں تو؟“

”ڈیزی مرجائے گی“۔

”شش ایسی باتیں نہیں کرتے“۔ ایک اور یاد نے دامن پکڑا۔

”میں اپنے بیٹے کا نام ”محمد“ رکھوں گی“۔ وہ خوشی سے بولی تھی۔

”وہاٹ“۔ وہ چیخا۔

”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے‘ میرا وارث ہے اس کا نام موریس ہوگا۔

”تم نے کیسا نام سوچا ہے؟“

”تمہیں یاد ہے جب تم نے مجھے صلیب پہنائی تھی تو میں نے کیا کہا تھا‘ میری ماما اعتراض کریں گی تب تم بولے تھے کہ کہہ دینا نام کراس کا پہننا کسی کا مذہب نہیں بدلا کرتا روشن خیال بنیں عقیدے اتنے کچے نہیں ہوتے کہ کراس یا کعبہ کے طواف سے بدل جائیں اور میں نے یہی جواب ان کو دیا تھا تو اب خود کیوں اس قدر جذباتی ہورہے ہو‘ مذہب کی بنیاد کیا صرف نام پر ہوا کرتی ہے‘ مجھے تو سنت یہ نام پیارا لگتا ہے میں اپنا ماضی دفنا آئی ہوں‘ تم آخر“۔

”شٹ اپ میں مزید کچھ سننا نہیں چاہتا لیکن میرے بچے کا نام ”موریس“ کے علاوہ سوچنا بھی مت ورنہ تمہیں کھڑے کھڑے فارغ کردوں گا“۔ وہ بھنا کر بولا تھا۔ توتوں کی ٹائیں ٹائیں نے سوچوں کا ارتکاز توڑ دیا تھا۔ اس نے بھیگے چہرے کو صاف کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆☆

وہ ہاف بلاؤز ساڑھی پہنے جیکی کی منتظر تھی‘ نورالعین جانتی تھی کہ اس لباس میں اس کا متناسب سراپا جلوے بکھیر رہا تھا‘ اب کوئی روک ٹوک نہ تھی کوئی پرہیزگاری کی کڑوی کسیلی نصیحتیں نہ تھیں‘ شب و روز مستی میں گزر رہے تھے حسن کو سراہنے والا شوہر بھی موجود تھا‘ عینا نے آسودگی کے ساتھ دیوار پر لگی شادی کی فریم شدہ تصویر کو دیکھا۔

”سلام علینا“۔ ریٹا کی چہکتی ہوئی آواز کان میں پڑی تو اس نے مسکرا کر دیکھا اور پھر گلے ملی۔

”میری جان کیسی ہو تم؟“

”تمہارے سامنے ہوں‘ خوبصورت‘ خوشحال اور“۔

”عینا نے ایک ادا سے کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”اور خوش قسمت“۔ ریٹا نے ہنس کر بات مکمل کی۔

”بیٹھو“۔ عینا نے خوش دلی سے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

”اور سناؤ آنٹی انکل کیسے ہیں“۔

”سب لوگ فٹ فاٹ ہیں اور ممی تو تمہیں مس کررہی ہیں ارے عینا کیا تمہیں کبھی تمہاری امی یا بابا یاد نہیں آئے“۔ ریٹا کے لہجے میں کھوج تھی۔

”ارے نہیں“۔ عینا نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

”میں تو شکر ادا کرتی ہوں اس گھٹن زدہ ماحول سے نجات ملی“۔

”ہاں بالکل ایسا ہی ہے‘ تمہیں ہرگز بھی ان کو یاد نہیں کرنا چاہئے تمہاری امی نے ہمیشہ تم پر سختی کی قرآن نہ پڑھنے کی وجہ سے کیسے کیسے تمہیں سزائیں دیا کرتی تھیں‘ حالانکہ یہ کوئی ایسی بڑی بات تو نہیں تھی‘ پھر ہر وقت تقویٰ کا پنڈورا باکس‘ اف تمہاری جگہ اگر میں ہوتی تو مرجاتی‘ جانے تم نے وہاں کیسے گزارہ کیا“۔ ریٹا نے عینا کے دل میں موجود نفرت کو ہوا دی۔

”اچھا چھوڑو یار“۔ وہ بےزاری سے بولی۔

"تم بتاؤ کیا چلے گا ٹھنڈا یا گرم؟" ریٹا پوری طرح اسے بدگمان کرنے میں کامیاب ٹھہری تھی۔

☆☆☆☆

"یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟" نورالعین نے پریشان ہو کر جیکی کو دیکھا' رکشہ ایک تنگ سی گلی کے خستہ حال چھوٹے سے مکان کے سامنے جارکا تھا۔

"یہ سوال جواب پھر کر لینا فی الحال یہ بیگ مجھے پکڑاؤ اور اترو"۔ جیکی نے تلملا کر کہا' اور رکشے سے اتر کر کرایہ دینے لگا' عینا جیکی کے بدلے ہوئے رویئے پر حیران تھی' رکشہ شور کرتا واپس جا چکا تھا اور جیکی زنگ آلود چابی سے تالے کو کھولنے لگا' چھوٹا سا آہنی دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا عینا نے بھی اس کی پیروی کی۔ چھوٹا سا صحن اور ایک کمرا کمرے کے سامنے مختصر سا برآمدہ جس کا فرش ٹوٹا پھوٹا تھا' ایک طرف ڈربہ نما کچن اور اس سے ملحق واش روم جیکی بیگ اٹھا کر کمرے میں لے گیا تھا۔

"آ جاؤ' کیا وہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے؟"

عینا سٹپٹا کر کمرے میں داخل ہوئی جہاں ایک پلنگ نما جھلنگا سا چارپائی پر جیکی دراز تھا' جالے اور گرد سے اٹا ہوا کمرا دیکھ کر عینا کی طبیعت اوب گئی' سامنے دیوار پر مریم اور مسیح کی تصویریں لگی تھیں۔

"یہ سب کیا ہے جیکی؟"

"ہمارا گھر"۔ اس کے جواب نے عینا کے بدن میں آگ لگا دی' اس کی نظروں میں شاندار سی کوٹھی گھوم گئی۔

"ہمارا گھر"۔ وہ بڑبڑائی۔

"پھر وہ کس کا گھر تھا' جہاں تم مجھے بیاہ کر لے گئے تھے"۔ وہ چپ رہا تو عینا نے دیوانگی سے اس کے بازو پکڑ لئے۔

"تم مذاق کر رہے ہو ناں؟"

"نہیں"۔ وہ سختی سے بولا۔

"وہ گھر میرے دوست کا تھا' اور یہ سارا ڈراما تمہیں پانے اور تمہارے ماں باپ کو نیچا دکھانے کے لئے کیا گیا تھا' ہونہہ بہت سمجھتے تھے ناں وہ خود کو' اب اس احساس سے مر جائیں گے کہ ان کے جسم کا ٹکڑا ناپاک مرد کے ساتھ جڑ چکا ہے' اور ہاں اگر تمہیں اس گھر میں رہنا منظور ہے تو ٹھیک ورنہ واپسی کے دروازے کھلے ہیں"۔ عینا کا وجود سنسنا کر رہ گیا' آج تو حقیقت سے نقاب اتر چکا تھا' اور وہ خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی بس ایک خاموشی تھی۔

☆☆☆☆

"اللہ اکبر' اللہ اکبر"۔ موذن کی دل نشیں آواز میں بیان کی گئی خدا کی عظمت والی صدا عینا کے دل میں اتر گئی تھی' زندگی میں پہلی بار اس نے فجر کی اذان کو غور سے سنا تھا' وہ ان کلمات کے معنی نہیں جانتی تھی مگر یہ کلمات سماعتوں میں رس گھول رہے تھے' مولوی احمد علی بھی تو ایسی ہی اذان دیتے ہوں گے' مگر تب نورالعین کو یہ سب شور سنائی دیتا تھا' اس نے ملگجے اندھیرے کو نکلتے صبح صادق کا منظر دلچسپی سے دیکھا' موذن نے جب اذان مکمل کر کے صلوٰۃ و سلام اور کلمہ پڑھا تو غیر شعوری طور پر عینا کے لب ہلنے لگے۔

☆☆☆☆

جیکب کام پر گیا ہوا تھا' عینا گھر کے جھمیلوں سے فارغ ہو کر سلائی مشین لے کر بیٹھ گئی جیکی کی تنخواہ میں گزارا مشکل تھا' پانچ سالہ ڈیزی کو اسکول میں داخل کروانے کے بعد اخراجات میں اضافہ ہوا تھا' اور مہنگائی کا عفریت بھی سر پر سوار تھا' موریس بھی تین سال کا ہو چکا تھا' کچھ اس کی ضرورتیں بھی بڑھ رہی تھیں سلائی کڑھائی سے دور بھاگنے والی عینا نے محلے کی کسی خاتون کی منت کر کے کپڑے سلائی کرنا سیکھ لئے تھے اور اب فارغ وقت میں لوگوں کے کپڑے سینے لگی تھی ابھی اس نے ٹانکا ٹھیک کیا ہی تھا کہ موریس رونے لگا۔

"کیا ہوا بیٹا؟" موریس نے فیڈر فرش پر پھینکا۔

"یہ دودھ پھیکا ہے' اس میں چینی ڈالیں"۔ عینا نے اسے گود میں لے لیا۔

"لیکن چینی تو ختم ہو گئی ہے شام میں تمہارے پاپا آئیں گے تو ہم ان سے کہیں گے کہ اور چینی لے آئیں"۔ عینا نے فیڈر اٹھا کر موریس کے منہ میں لگانا چاہا۔

"فی الحال میرا بیٹا تنگ کئے بغیر یہی دودھ پئے گا"۔

"نہیں پیوں گا"۔ موریس نے فیڈر ہٹایا' عینا نے بے بس ہو کر اسے بازو پر اٹھایا اور کچن سے کپ لے کر پڑوس میں موجود "بی بی خالہ" کے گھر گئی' بی بی خالہ کا گھر محلے میں موجود تمام گھروں سے خوشحال گھرانہ تھا' بی بی خالہ نہایت دیندار' خوش اخلاق اور نیک خاتون تھیں' ہر آڑے وقت میں محلے والوں کے کام آنا ان کا خاصا تھا' عینا بھی کئی بار مجبور ہو کر ان سے مالی مدد لے لیتی تھی' رنگین ٹائلز سے مزین فرش پر مصلے بچھائے بی بی خالہ نماز پڑھنے میں مشغول تھیں وہ خاموشی سے جا کر برآمدے میں پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

خوبصورت آواز میں کی گئی قرأت کی آواز اس کے کانوں میں پڑی وہ جو کوئی بھی تھا اس کی گھمبیر اور پرسوز آواز عینا کے دل کے زنگ کو دھو رہی تھی' کچھ توقف کے بعد برابر والے کمرے سے وہی آواز دوبارہ ابھری۔

"اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے' اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے"۔ وہ ایک لمحے کو کانپ سی گئی' جیسے کوئی کسی بات کی وضاحت کر رہا تھا۔ کفار گروہ کا ذکر کرتے ہوئے اس آیت کریمہ میں ان کے عبرتناک انجام کے متعلق بتایا گیا ہے کہ دین حق کے مسلسل انکار کی وجہ سے ان کے دلوں میں حق بات قبول کرنے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے ان کے کان حق بات سننے پر آمادہ نہیں ہیں اور چاروں طرف پھیلی ہوئی قدرت کی واضح نشانیاں ان کی نگاہیں نہیں دیکھ سکتیں ان باتوں کے ہوتے ہوئے وہ ایمان کیونکر لا سکتے ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح ہم حد سے نکل جانے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ (یونس :74) جیسا کہ ہم حد سے بڑھنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں' دل پر مہر لگنے کا فلسفہ اس حدیث مبارکہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے مومن جب کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے' پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور اس گناہ سے باز آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیتا ہے تو اس دل سے وہ دھبہ صاف ہو جاتا ہے اور اگر اس کے گناہوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے تو اس کے دل پر پڑنے والے دھبوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ان کی سیاہی اس کے پورے دل میں چھا جاتی ہے (ترمذی) دلوں پر مہر لگانے کے الفاظ سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ یہ لوگ دولت ایمان سے محروم رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی تھی' نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے سامنے دعوت حق کو پیش کیا گیا لیکن انہوں نے اس کا انکار کیا اور پھر اپنے انکار کے حق میں بڑھتے ہی گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی قبولیت حق کی صلاحیت ختم کر دی آیت کے آخری حصہ میں ان کو ان کے انجام کے بارے میں خبردار کیا گیا ہے کہ ایسی متکبرانہ و کافرانہ زندگی بسر کرنے والے لوگوں کو عذاب عظیم کا سامنا ہو گا' ان کے لئے دنیا میں کوئی سکون و راحت نہیں اور اسی طرح بطور عذاب کے انہیں جہنم میں دھکیلا جائے گا (سورۃ بقرہ)

عینا کے وجود پہ جیسے کسی نے چابک مارا تھا۔ "عذاب عظیم"۔ اس کا جسم تن گیا اور دہشت سے رونگٹے کھڑے ہو گئے' دعوت حق اس نے بڑبڑاتے

ہوئے سلام پھیرتی ہوئی بی بی خالہ کو دیکھا اسے بی بی خالہ کے مشفق چہرے پر اپنی ماں کے مقدس چہرے کا گمان گزرا' وہ بھی تو نماز پڑھتے ہوئے یونہی دوپٹہ اوڑھتی تھیں۔

''عینا کیا بات ہے بیٹا؟'' انہوں نے مصلے پر بیٹھے بیٹھے نرمی سے پوچھا وہ جیسے کسی خواب سے جاگی۔

''آں سلام خالہ' وہ میں اصل میں مورس ضد کر رہا تھا کہ دودھ چینی ڈال کر پیئے گا چینی ختم ہو چکی تھی تو''۔ وہ غائب دماغی سے اپنی آمد کا مقصد بتا رہی تھی کہ بی بی خالہ نے مشکل آسان کر دی۔

''اچھا ٹھیک ہے میں سمجھ گئی''۔ وہ شفقت آمیز لہجے میں بولیں۔

''ابوبکر ادھر آؤ''۔ انہوں نے کمرے کی طرف رخ کر کے آواز دی۔

''جی ماں جی ابھی آیا یہ ذرا کلام پاک طاق میں رکھ دوں''۔ چند لمحوں بعد وہ سامنے تھا۔

''کیا بات ہے ماں جی؟''

''بیٹا تھوڑی زحمت کرو' کچن میں جاؤ اور سامنے والے کیبنٹ سے چینی کا پیکٹ لا کر عینا کو دے دو' میرے جوڑوں میں درد ہے ورنہ میں خود اٹھتی کیا کروں بار بار اٹھا نہیں جاتا''۔

''کوئی بات نہیں ماں جی''۔ وہ فرمانبرداری سے کہہ کر پیکٹ نکال لایا اور عینا کو تھما دیا۔

''مگر مجھے صرف ایک کپ''۔ عینا کی بات مکمل ہونے سے پہلے وہ بے رخی سے مڑ گیا' جیسے اس کے نزدیک عینا کی موجودگی اور بات غیر ضروری ہو' بی بی خالہ کے چہرے پر شرمندگی در آئی۔

''کوئی بات نہیں عینا' پھر کام آ جائے گی' خاموشی سے رکھ لو''۔

''شکریہ بی بی خالہ''۔ وہ واپسی کے لئے اٹھنے لگی تھی کہ بی بی خالہ نے اسے پکارا۔

''عینا مجھے معاف کرنا بیٹی' نجانے کیوں ابوبکر اتنے ناگوار انداز میں بغیر کچھ کہے چلا گیا ہے ورنہ وہ بہت نرم دل اور اچھا لڑکا ہے''۔

''کوئی بات نہیں بی بی خالہ ایسا''۔ ابھی بات اس کے منہ میں تھی کہ برابر والے کمرے کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکلا' اور عینا کے سامنے آ رکا۔ اس کی چبھتی ہوئی نظروں کی تپش سے مجبور ہو کر عینا نے نظریں اٹھا کر دیکھا' وہ نہایت خوبرو مرد تھا' عینا بے خود سی تھی' لیکن عینا کے ارتکاز کو ابوبکر کے قہر بار لہجے نے توڑ دیا۔

''ماں جی آپ کو معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے' میں نے جو مناسب سمجھا وہی سلوک کیا بلکہ پھر بھی نرمی دکھائی ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ انہیں قتل کر دیتا' کیونکہ میرے نبیؐ نے حکم دیا ہے کہ۔

''جس نے اپنا دین بدل لیا اسے قتل کر دو''۔ اور انہوں نے اپنا دین بدل لیا ہے' مسلم معاشرے کا سر شرم سے جھکا دیا ہے' کیا انہیں خبر نہ تھی کہ اسلام ہی اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین ہے اور اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین قبول نہیں کیا جائے گا''۔ ابوبکر کی باتیں عینا کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اتری تھیں' ذلت کے شدید احساس سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ سرخ چہرے کے ساتھ وہاں سے ہٹ گئی' بی بی خالہ پکارتی رہ گئیں' مگر اسے مزید رکنا گوارہ نہ تھی وہ جانتی تھی کہ بی بی خالہ اس کے یوں چلے آنے پر پریشان ہیں اور ابوبکر کو بھی ضرور ڈانٹیں گی گھر آتے ہی مورس کو دودھ میں چینی حل کر دینے کے بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی' ابوبکر نے تو آج کوئی لگی لپٹی نہ رکھی تھی اس سے پہلے بھی تو کئی بار آمنا سامنا ہوا تھا' وہ محض تنفر سے دیکھ کر راہ بدل جاتا' عینا ابوبکر کے اس انداز کو تقویٰ ہی سمجھتی تھی' لیکن آج پتہ چلا کہ ابوبکر کے گریز کی وجہ عینا سے نفرت بھی ہے' وہ جو ابوبکر صدیق کی دل نشین آواز

کے ذریعے بدل رہی تھی اپنا محاسبہ کرنے لگی تھی یہ جان کر ڈھے سی گئی تھی کہ وہ شخص اس سے انتہا کی نفرت کرتا تھا۔

☆☆☆☆

اگلے دو دن تک عینا کے دماغ پر ابوبکر کی باتیں کوڑے کی طرح برستی رہی تھیں' بی بی خالہ کی معذرت کے باوجود وہ خود کو دوبارہ وہاں جانے پر آمادہ نہیں کر سکی تھی' حالانکہ اس کے گھر کی دیوار سے دیوار ملی تھی مگر اسے ابوبکر کا اہانت آمیز انداز بھول کر نہیں دیتا تھا' ابوبکر کی ترش روئی سے آگاہ ہو جانے کے بعد بھی اس کے کان نزدیکی مسجد سے پانچ وقت ابھرنے والی آواز ''حی علی الفلاح'' کے منتظر رہتے تھے یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ جس آواز نے مسحور کر دیا تھا وہ آواز بی بی خالہ کے اکلوتے سپوت حافظ ابوبکر کی تھی جو نزدیکی جامع مسجد کا پیش امام اور اس سے ملحقہ مدرسہ کا مہتمم اعلیٰ بھی تھا' کیا اسے ابوبکر سے محبت ہو گئی تھی؟

''ہن' نہیں''۔ اس نے سختی سے اپنے خیال کی تردید کر دی' لیکن کسی کے اتنے سخت رویے اور تذلیل بھرے خیالات کے بعد بھی اگر اس سے نفرت نہ ہو' غصہ نہ آئے تو یہ محبت کے سوا اور کیا ہے' ورنہ ابوبکر کو کیا حق پہنچتا تھا کہ وہ کسی کی ذاتیات میں دخل اندازی کرتا' وہ جو انتہائی ہٹ دھرم اور منہ لحاظ تھی اپنے والدین کو بھی فوراً جواب دیتی تھی' ابوبکر کے سامنے کیسے خاموش رہ گئی تھی کیوں کر زبان سہل گئی تھی' عینا کا دماغ پھٹنے لگا تھا' اگر ابوبکر سے مجھے محبت ہو گئی ہے تو جیکی سے شادی کیا معنی رکھتی ہے؟ جیکی سے محبت کے دعویٰ کیا ہوئے؟ اس نے ایک نظر جھولے میں لیٹے مورس اور ہوم ورک کرتی ڈیزی کو دیکھا' کیا یہ محبت یہاں تک محدود تھی' یا پھر سفید فراک پہننے کی خواہش کا نتیجہ تھی پر آسائش آزاد زندگی کی طلب تھی یا دین سے دوری کا خمیازہ تھی۔

''یہ عذاب تھی کہ ثواب؟'' اچانک اٹھنے والے سوال نے اسے مزید الجھا دیا۔

''ایسی متکبرانہ و کافرانہ زندگی بسر کرنے والے لوگوں کو عذاب عظیم کا سامنا کرنا ہو گا' ان کے لئے دنیا میں کوئی سکون و راحت نہیں اور اسی طرح آخرت میں بطور عذاب کے انہیں جہنم میں دھکیلا جائے گا''۔ ابوبکر کا لہجہ سماعتوں کو گرم کر گیا تھا' وہ تھرتھرا اٹھی۔

''نہیں وہ جھوٹ بولتا ہے ایسا کچھ نہیں ہے' میں آج بھی جیکی سے پیار کرتی ہوں یہ پیار محض مادی نہیں تھا بلکہ اب بھی وہ مجھے پہلے کی طرح عزیز ہے''۔ وہ زیرلب بول کر خود کو یقین دلانے لگی اور دوڑ کر ماں مریم کی تصویر کے سامنے کھڑے ہو کر دائیں بائیں کاندھوں کو انگلیوں سے چھو کر ماتھے تک لے جا کر سلام کرنے لگی۔

''شرک ہے''۔ کوئی پوری قوت سے چلایا تھا' عین اسی وقت جامع مسجد کے اسپیکر میں خطبے کے بعد ابوبکر کا خطاب شروع تھا' سورہ بقرہ کی آیت نمبر 21 تا 22 میں اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

''اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے والے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار بنو وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی کے ذریعے تمہارے لئے پھل نکالے جو تمہارے لئے رزق ہیں پس تم اللہ کے ساتھ جانتے بوجھتے شریک نہ بناؤ''۔ سامعین اسی طرح اللہ پاک اپنی توحید کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ۔

''کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہے' وہ بے نیاز ہے نہ کسی نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا اس کا کوئی ہمسر نہیں وہ اکیلا ہے''۔ گرامی قدر حضرات۔

عبادت الٰہی کا حکم دینے اور اس کا مقصد بیان کرنے کے بعد یہ بھی باور کرادیا گیا ہے کہ میری نعمتوں کے استعمال کرنے کے باعث میرے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ اس لئے کہ آسمان سے بارش برسانا' زمین سے دانے کو اگانا یہ میرے علاوہ کوئی بھی نہیں کرسکتا' یہاں یہ بات بھی واضح کردی گئی ہے کہ دنیا کی ہر نعمت' بشمول زمین و آسمان انسان کی خدمت کے لئے بنائی گئی ہے' اور ان کو حاجت روا بنانا' یا خدا کی ہمسری میں کسی کو شریک ٹھہرانا اسے اولاد والا سمجھنا یا اسے کسی سے جنا گیا سمجھنا ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق ''بے شک شرک ظلم عظیم ہے'' اور ان شرکتوں کو کیا ہوا کہ گھاٹے کا سودا کر کے لگے اور ان کی چالیں ان پر ہی الٹ دیتا ہے' اللہ فرماتا ہے ان کے دلوں میں بیماری ہے' اللہ نے ان کی بیماری کو مزید بڑھا دیا ہے' بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں' یہ نہیں لوٹیں گے' اللہ فرماتا ہے' اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں اور وہ آگ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے وہ بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور وہ اس سے صرف فاسق لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور ان کو کیا ہوا کہ زمین میں فساد پیدا کرتے ہیں' وہی لوگ گھاٹے والے ہیں' اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے سامعین قرآن کی آیات حسنات سے واضح ہوگیا کہ وہ اللہ واحد ہے اولاد سے پاک ہے' صرف وہی اللہ ہے اور زمین و آسمان میں سب سے بھاری گناہ شرک ہے''۔ عینا نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں' مگر برابر آواز آتی رہی۔

''گرامی قدر حضرات یہ مشرک لوگ حق بات کہنے' دیکھنے اور سننے کے معاملے میں معذور ہیں' جب ان کی تینوں قوتیں ختم ہوچکی ہیں تو ان سے حق کی طرف لوٹ کر آنا یا راہ راست پر آنے کی توقع رکھنا فضول ہے وہ نور ہدایت کی طرف لوٹ کر آنے والے نہیں ہیں جب ان سے کوئی حق بات کہی جاتی ہے تو وہ کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں' آخر میں خبردار کیا گیا کہ تمہاری یہ چالبازیاں اللہ سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں اللہ عنقریب ان کافروں کو گھیرنے والا ہے''۔ عینا نے لاچاری کے ساتھ انگلیاں کانوں سے نکال لیں' اسے لگا کہ ابوبکر نے محض اسے سنایا ہے' وہ بے چارگی کے عالم میں ہونٹ کاٹنے لگی۔

☆☆☆☆

وہ سکون کی تلاش میں در بدر ہوگئی تھی' ضمیر کی آواز اور ماضی کی یادیں چین نہ لینے دیتی تھیں' اس پر طرہ یہ کہ ابوبکر صدیق کے ہر جمعۃ المبارک کو محلے کی مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے نشر ہونے والے بیانات تازیانہ بن کر برستے تھے' زندگی تنگ ہوگئی تھی اور وہ چپ چاپ جیکب مسیح کا گھر چھوڑ گئی تھی۔ یہ آبادی سے دور افتادہ کسی بزرگ کا مزار تھا' اسے یہاں آئے ہوئے دو ہفتے ہوچکے تھے نہ جانے اسے کسی نے ڈھونڈنے کی کوشش بھی کی تھی یا نہیں' اس کی اہمیت تو ایک ملازمہ کی سی رہ گئی تھی۔ کئی بار جی چاہا کہ واپس جا کر نجم الدین سے معافی مانگ لے لیکن وہ مولوی احمد علی کا سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہ پاتی تھی اس مزار کے مجاور شریف حسین ضعیف العمر اور مشفق آدمی تھے' مزار سے پچھواڑے ان کا گھر تھا انہوں نے کئی مرتبہ اسے اپنے گھر پر رہنے کی پیشکش کی تھی جہاں ان کے بیوی بچے بھی تھے' لیکن وہ رضا مند نہ ہوئی اسے جس سکون کی تلاش تھی وہ یہاں مل چکا تھا' اس نے شریف حسین سے کچھ بھی نہ چھپایا تھا' وہ ان کے روپ میں اپنے باپ کا عکس پاتی تھی اور انہیں بابا کہہ کر پکارتی تھی بابا شریف حسین بھی اسے اپنی بیٹی سمجھتے تھے اور غیر محسوس انداز سے اس کے دل کا زنگ دھو رہے تھے نہ جانے کیسا اثر تھا کہ وہ مزاحمت نہ کرپاتی تھی' خدا کے نیک بزرگ کی صحبت اور صاحب مزار کی برکتوں سے اس کا دل دوبارہ اپنے اصل کی

طرف مائل ہوچکا تھا' عائشہ بی بی کی سختیوں کے باوجود قرآن کی تعلیم سے بے بہرہ رہ جانے والی نور العین نے بابا شریف حسین سے ناظرہ قرآن کی تعلیم لینا شروع کردی تھی' اب اسے نماز کلمے سب ازبر تھے اور زبان کی لکنت ختم ہوچکی تھی وہ جوں جوں قرآن کا درس لیتی ایک بے خودی اور شوق کی انتہا کو چھو لیتی' بابا شریف حسین جب بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور ان پر مسلط کیے گئے عذاب کا تذکرہ کرتے تو اس کی آنکھیں جل تھل ہوجاتیں' وہ یہ سوچ کر لرز جاتی کہ اس کا رویہ بھی بنی اسرائیلیوں کا سا تھا' پھر وہ سجدے میں گر کر رب سے معافیاں مانگتی' بابا شریف حسین سے دعاؤں کی درخواست کرتی' وہ اس کی دلجوئی کرتے تو وہ پوچھتی کہ کیا خدا اسے معاف کردے گا؟ بابا شریف حسین اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے کہتے۔

''ضرور بیٹا' تمہارا قلب نور ایمانی سے چمک چکا ہے' حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے امید رکھے گا میں تجھے بخشتا رہوں گا چاہے تجھ سے کتنے ہی گناہ سرزد ہوں مجھے پرواہ نہیں' اے ابن آدمؑ! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں تجھے بخش دوں گا' اللہ سورہ نساء میں فرماتا ہے۔

''اور جو شخص برا عمل کرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا' نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جب کوئی آدمی گناہ کر بیٹھتا ہے تو پھر اللہ سے عرض کرتا ہے' ترجمہ۔ اے میرے رب مجھ سے گناہ سرزد ہوگیا ہے پس مجھے معاف کردے' اللہ فرماتا ہے۔

''میرے بندے کو معلوم ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ معاف کرنے پر قادر ہے' اور سزا بھی دے سکتا ہے میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا''۔ لہٰذا بیٹی مایوس نہیں ہوتے' تمہاری پشیمانی اور یہ آنسو گواہی دیتے ہیں کہ خدا تم پر مہربان ہے' تمہاری توبہ قبول کرچکا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو تم میرے سامنے بیٹھی اپنے گناہوں پر نادم ہو کر کبھی بھی استغفار نہ کرتیں' میری بچی ہمیشہ خدا کے سامنے جھکو' وہ بہتر جاننے اور عطا کرنے والا ہے''۔ بابا شریف حسین کی باتیں رہنمائی کا کام دیتی تھیں اور وہ پہلے سے زیادہ خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت میں مصروف ہوجاتی۔

☆☆☆☆

مزار سے ملحق چھوٹا سا حجرہ نور العین کی رہائش گاہ بن چکا تھا' وہ اپنے حجرے میں صلوۃ التسبیح ادا کرنے کے بعد دربار عالیہ کی صفائی کررہی تھی۔ آج دل بہت گھبرا رہا تھا' صفائی کرنے کے بعد وہ دربار میں ہی بیٹھ گئی تھی' اس کے شعور میں ایک منظر ابھرا تھا۔

''خدا کے لئے ایک بار میری بات سن لیں ابوبکر'' وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر بی بی خالہ کے گھر آئی تھی' بی بی خالہ ظہر کی نماز کے بعد قیلولہ کررہی تھیں جبکہ ابوبکر برآمدے میں بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا' یہ اتفاق ہی تھا کہ وہ اسے تنہا مل گیا تھا۔

''میں تمہاری کوئی بات نہیں سننا چاہتا' اور ہاں پلیز تم اپنے منہ سے خدا کا نام مت لو' بھلا نہیں لگتا پہلے اس نام کی عظمت کو سمجھ لو پھر واسطے دے دینا''۔ عینا اس کی چبھتی ہوئی بات کو نظر انداز کرکے ابوبکر صدیق کے پیروں میں آگری تھی۔

''آپ جو مرضی کہیں ابوبکر میں ہرگز برا نہیں مانوں گی میں مشرف بہ اسلام ہونا چاہتی ہوں''۔ ابوبکر صدیق نے تنفر سے پاؤں جھٹکے تھے' اور زہر خند لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''اس کایا پلٹ کی وجہ جان سکتا ہوں؟''

"میں ہمیشہ سے مشرک تو نہ تھی' میں مولوی احمد علی کی بیٹی ہوں میرے اندر اسلام کی کچھ خوبو تو موجود ہے ناں"۔

"ہونہہ"۔ اس نے استہزائیہ سے کہا۔

"مت لو اپنی زبان سے مولوی احمد علی کا نام' تم میں اگر اسلام کی خوبو موجود ہوتی تو آج عیسائی کی بیوی بننے سے پہلے خودکشی کر چکی ہوتیں' چلو مان لیا تم مسلمان ہو جاؤ گی' کچھ سوچا ہے اس کے بعد تمہاری منزل کیا ہے' ظاہر ہے مسلمان ہونے کے بعد جیکب تمہیں گھر نہیں رکھے گا' تمہارے ان بچوں کا کیا ہوگا جو نان مسلم کی اولاد ہیں' تم کہاں جاؤ گی؟"

"میں کچھ بھی نہیں جانتی کہ بعد میں کیا ہوگا' لیکن میں اب کافرانہ زندگی نہیں گزار سکتی"۔ وہ اٹل لہجے میں بولی۔

"جاؤ بی بی اپنا کام کرو' جو لڑکی نفسانی خواہشات اور مادی اشیاء کے بدلے ہدایت ترک کر کے عیسائی کے ساتھ شادی کر سکتی ہے' اس سے بھلے کی کیا امید رکھی جا سکتی ہے' عین ممکن ہے آج جو تم دوبارہ مسلمان ہونا چاہتی ہو تمہارا دل کسی مسلم پر آ گیا ہو"۔ وہ کانپ ہی تو گئی تھی' وہ شخص کتنی نفرت کرتا تھا' کتنا بدگمان تھا کہ مسلسل تضحیک کر رہا تھا' اور وہ اپنی عزت نفس کو بھلا کر کہہ بیٹھی تھی۔

"ابوبکر صدیق مجھے آپ سے محبت ہوگئی ہے لیکن مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ محبت ہرگز نہیں ہے' میری بات کو سمجھیں' آپ مجھے نہ اپنائیں تب بھی میں مسلمان ہو کر رہوں گی مجھے احساس ہو گیا ہے کہ"۔

"شٹ اپ"۔ ابوبکر صدیق کا بھاری ہاتھ اس کے رخسار کو سرخ کر گیا۔

"چالباز عورت دفع ہو جاؤ یہاں سے' اس سے پہلے کہ میں کچھ کر بیٹھوں' اپنی اصلیت خود اپنی زبان سے تم نے کھول دی ناں' بس اب چلی جاؤ' اور اس کو میرا احسان ماننا کہ جو باتیں تم میرے ساتھ کر رہی ہو یہ راز ہی رہیں گی' مگر آئندہ مجھے اپنی صورت نہ دکھانا"۔ نور العین گال پر ہاتھ رکھے آنسو بھری آنکھوں میں بے یقینی لئے واپس مڑ گئی تھی۔

☆☆☆☆

"ابوبکر"۔ وہ اسے دربار پر اپنے مقابل پا کر حیران رہ گئی تھی' خود ابوبکر کی کیفیت بھی مختلف نہ تھی' مگر جلد ہی اس نے فاتحہ پڑھنا شروع کر دی' دعا مانگ کر وہ اس کی جانب متوجہ ہوا تھا' جواب بے نیازی سے یٰسین پڑھ رہی تھی۔

"سنو"۔ نور العین نے یٰسین کو جزدان میں لپیٹا۔

"آج سے کئی سال پہلے تم نے اپنی محبت کی خاطر ماں باپ کو چھوڑا تھا اور اب اپنے بچوں کو چھوڑ آئی ہو' کیا یہ بات تمہاری فطرت میں داخل ہو چکی ہے اگر تمہارا دل مانے تو یہ ڈھونگ چھوڑ کر ایک بار معصوم بچوں کی خبر ضرور لینے آ جانا' جو تمہارے ساتھ کے علاوہ باپ کی چھاؤں سے بھی محروم ہو چکے ہیں"۔ ابوبکر صدیق نے طنزیہ کہہ کر لوٹنا چاہا' نور العین کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔

"میں جانتی ہی ہوں میرا دل اس سے مطمئن ہے کہ یہ ڈھونگ نہیں ہے' بچوں کا خدا وارث ہے"۔ وہ چاہ کر بھی نہ پوچھ سکی کہ اس کے آنے کے بعد کیا قیامت گزری تھی البتہ وہ پریشان ضرور ہوگئی تھی۔

"تمہاری مرضی ہے' مگر اطلاع کے لئے عرض ہے کہ تمہارا شوہر تمہارے گھر چھوڑ جانے کے اگلے دن ہی روڈ ایکسیڈنٹ میں مر گیا تھا' سو تمہیں کس نے تلاشنا تھا اس کے رشتہ داروں کو خبر دی گئی تو انہوں نے جیکب کا کفن دفن کیا' لیکن تمہارے بچوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا' پوری عیسائی کمیونٹی میں کوئی بھی انہیں قبول کرنے کو تیار نہ ہوا"۔ وہ ہر لفظ چبا کر بولا تھا۔ نور العین دنگ رہ گئی تھی۔

"کہاں ہیں میرے بچے؟" وہ تڑپ کر بولی۔

"شکر ہے تمہاری ممتا تو جاگ گئی' تمہارے بچے فی الحال ہمارے گھر ہیں' بچے تو معصوم ہوتے ہیں ناں ویسے بھی انسانیت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا' چلتا ہوں"۔ ابوبکر صدیق نے لوٹنا چاہا تو وہ اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

"میں آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہوں' اپنے بچوں کو دیکھنا چاہتی ہوں"۔ وہ چپ رہا' تو وہ مزید بولی۔

"میں ابھی آتی ہوں"۔ کہہ کر وہ بابا شریف حسین کے گھر پر اطلاع کر آئی انہوں نے بھی اس کا جانا فی الوقت مناسب سمجھا تھا' صبر کی تلقین اور دعا کے ساتھ وہ اسے ابوبکر صدیق کی گاڑی تک رخصت کرنے آئے تھے۔

☆☆☆☆

گھر آتے ہی وہ بی بی خالہ کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی بی بی خالہ بھی آبدیدہ ہو گئی تھیں' دیوانگی کے عالم میں وہ کبھی مورس اور کبھی ڈیزی کو سینے سے لگاتی' ابوبکر صدیق اس پر طنز بھری نظر ڈال کر کمرے میں جا چکا تھا' کچھ دنوں بعد وہ سنبھل گئی تو اس نے من وعن ساری بات قبول اسلام کی خوشخبری کے ساتھ گوش گزار کر دی تھی۔ بی بی خالہ نہایت خوش تھیں پورے محلے میں نیاز تقسیم کی تھی انہیں نور العین کے روپ میں دمساز' غمگسار' بیٹی مل گئی تھی' ابوبکر صدیق یہ سب دیکھ کر کڑھتا تھا' گو کہ اس کے دل میں نور العین کے لئے گرم گوشہ پیدا ہو چکا تھا' لیکن وہ چھپائے پھر رہا تھا اور بلاوجہ جھنجھلا جاتا تھا' اسے اپنی بدلی ہوئی کیفیت پر نامعلوم چڑ سی ہونے لگی تھی' البتہ وہ عینا کے بچوں سے بہت پیار سے پیش آتا تھا' مورس کا نام محمد اور ڈیزی کا نام منتہیٰ اس نے ہی تجویز کیا تھا' گزرتے روز و شب میں بی بی خالہ کے جی میں جانے کیا سمائی کہ انہوں نے ابوبکر صدیق کا پرپوزل عینا کے سامنے رکھ دیا اس روز وہ بہت روئی تھی اسے بابا شریف حسین کی بات یاد آئی۔

"بیٹا خدا کے سامنے جھک جاؤ' تو سب مل جاتا ہے کسی اور کے سامنے جھکنا نہیں پڑتا"۔

"کیا آپ ابوبکر سے اس سلسلے میں بات کر چکی ہیں؟" وہ خدشے کے تحت بولی۔

"ہاں بیٹی میں ابوبکر کی خواہش پر ہی تم سے بات کر رہی ہوں' مجھے اپنے بیٹے پر فخر ہے کہ اس نے تمہارا انتخاب کیا اور یوں تم میری نظروں کے سامنے بھی رہو گی' لیکن اسے زبردستی مت سمجھنا جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہوگا"۔ وہ شفقت سے بولیں۔

"مجھے قبول ہے؟" اس نے سر جھکا لیا' دل میں جلترنگ سے بج اٹھے تھے' اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا' اور ٹھان لی کہ دربار پر سلام کرنے بھی جائے گی' اس کے دل کا زنگ حقیقی معنوں میں وہیں دھلا تھا' اور دعا پوری ہوئی تھی' وہ دعا جو حیا کے سبب نوک زباں تک نہ آئی تھی بن مانگے خدا نے لاج رکھی تھی' بے شک وہ سننے اور جاننے والا ہے' بی بی خالہ نے اس کی پیشانی چومی اور ابوبکر کو یہ خوشخبری سنانے چلی گئیں۔

☆☆☆☆

آج نہایت سادگی سے وہ حافظ ابوبکر صدیق کی منکوحہ بن چکی تھی' ذہن میں وسوسے بے واجب تھے کچھ اندیشے بھی تھے' جو ابوبکر صدیق کی محبت بھری بانہوں میں اپنی موت آپ مر گئے۔

"اس کایا پلٹ کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟" وہ اس کے سینے سے لگی آہستگی سے پوچھ رہی تھی۔

"خوف خدا"۔ وہ شرارت سے بولا۔ عینا نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"نہیں بابا' اس کی وجہ تمہاری دعائیں ہیں' بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ تم نے اپنی خاموش دعاؤں سے مجھے جیت لیا"۔ وہ مسکرایا تھا' عینا کو اس کے بردبار چہرے پر مسکراہٹ بڑی بھلی لگی تھی۔

"اچھا اور اگر معاشرے نے میری وجہ سے آپ

پر کوئی اعتراض کیا تو' میرا مطلب ہے میں بیوہ بھی ہوں اور میرا ماضی' جبکہ آپ تو کنوارے ہیں''۔ وہ پریشانی سے بولی۔

''پہلی بات تو یہ کہ اسلام مطلقہ اور بیوہ عورتوں سے نکاح کا حکم دیتا ہے' اور اس کی روشن مثال ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ نے قائم کی ہے' اور دوسری بات یہ کہ میں لوگوں کے خوف سے اچھائی کا کام نہیں چھوڑتا' تیسری بات یہ کہ میں آج سے کنوارہ نہیں رہوں گا''۔ آخری بات میں شوخی پنہاں تھی' وہ شرما گئی تھی۔

''پتہ ہے کیا نور میں نہیں جانتا کہ میرے دل میں تمہاری محبت نے کب سر اٹھایا لیکن یہ ضروری جانتا ہوں کہ تم جتنے دن سے یہاں رہی ہو' میں نے تمہارا معمول دیکھ کر تمہیں سمجھ پایا ہے' تمہاری آنکھوں کی سچائی اور اس میں چھپی محبت سے میں ہرگز بے خبر نہیں ہوں' اور پھر مجھے وہ واقعہ یاد آ جاتا ہے جب ایک توبہ کرنے والی حضرت موسیٰؑ کے پاس آئی تو انہوں نے نفرت کا اظہار کیا' تب اللہ نے فرمایا اے موسیٰؑ تم نے توبہ کرنے والی کو دھتکار کر اچھا نہیں کیا سو نور مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا' میں اپنے گذشتہ رویئے پر تم سے معافی مانگتا ہوں''۔ وہ ہاتھ جوڑے کھڑا تھا نور العین نے اس کے ہاتھ کھول دیئے۔

''گزری ہوئی باتوں کو بھول جانا بہتر ہے جبکہ وہ باتیں تکلیف دہ بھی ہوں' آپ اپنے رویئے میں ایک طرح سے حق بجانب تھے' آپ میرے مجازی خدا ہیں یوں ہاتھ جوڑنا اچھا نہیں لگتا میں یقین دلاتی ہوں کہ آئندہ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہوگی''۔

''آئی لو یو عینا''۔ وہ شدت جذبات سے گویا ہوا۔

''آئی لو یو ٹو''۔ وہ جواباً اطمینان سے بولی تھی۔

☆☆☆☆

شادی کے تیسرے روز وہ اپنے والدین سے معافی مانگنے جا رہی تھی اس کے ساتھ ابوبکر صدیق بھی تھا' پرانے محلے میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ مولوی احمد علی اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے' اور اس کے چند روز بعد عائشہ بی بی بھی اللہ کو پیاری ہو چکی تھیں' گیٹ مقفل تھا' اس کے بھائی جانے کہاں ہوں گے' پوچھ گچھ پر بھی کچھ سراغ نہ مل سکا' وہ بوجھل دل اور خالی دامن لئے واپس چلی آئی تھی ابوبکر صدیق نے اس کا بہت ساتھ دیا تھا' وہ صحیح معنوں میں اس کا سہارا بنا تھا' بی بی خالہ بھی اس کے لئے ماں جیسا پیار رکھتی تھیں' کچھ عرصے بعد وہ بہل گئی تھی' ابوبکر صدیق کے سمجھانے پر وہ قرآن پڑھ پڑھ کر انہیں ایصال ثواب کرتی' تصور میں ان سے معافیاں مانگتی۔

☆☆☆☆

ان کی شادی کو ایک سال ہو چکا تھا' اور اذان علی کی آمد نے اس کی زندگیوں کو مزید پر بہار کر دیا تھا۔

بی بی خالہ' محمد' منتہیٰ کے ہاتھ چھوٹا سا کھلونا آ چکا تھا' ابوبکر صدیق خوشی سے پھولے نہ سما رہا تھا' شکرانے کے نوافل پڑھ کر وہ اس کے روبرو تھا۔

''شب قدر کی اس خوبصورت رات میں اتنے پیارے تحفے پر تمہارا شکریہ میری جان''۔ وہ مسکرایا تھا۔

''...بھی ...؟''

''آپ کی خوش الحان آواز میں کہی گئی ''اللہ اکبر'' کی صدا نے ہی مجھے شرک کی زندگی کا منکر بنایا تھا' میرے من میں موجود بتوں کو توڑا تھا' اور میں یہ کہنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا اور وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں''۔ آج سے کئی برس قبل میں نور ہدایت کی منکر ہو گئی تھی اور اب خدا کی مہربانی اور آپ کی کوشش سے میں کافرانہ زندگی سے تائب ہو کر مسلمان ہو چکی ہوں''۔ وہ کہہ کر چپ ہو گئی تو ابوبکر بولا۔

''خدا تمام مسلمانوں کا ایمان سلامت رکھے''۔

''آمین''۔ اس نے صدق دل سے کہہ کر آنکھیں موند لیں۔

☆......☆......☆

شہلا گل سحر

محبت ہر درد کا وظیفہ ہے

برہنہ درختوں نے نئے پیراہن پہننا شروع کیے، کڑاکے کی سردی نے سکھ کا سانس لیا اور اپنی شدتوں کو آنے والے مقررہ وقت کے لئے سنبھال لیا، بہار نے ہر ذی روح کو سرشاری بخشی، رائنہ تو ویسے بھی بہار کی دیوانی تھی، پچھلے ماہ ہی تو اس نے بہار کے پودے لگائے تھے جو اب کیاری میں تازہ تازہ کونپلوں کے ساتھ عجب بہار دکھا رہے تھے۔ آج تو اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا، دل پر بھی جیسے بہار کا موسم تھا۔ بی ایس سی کے بعد اس نے ایلیمنٹری کالج سے ''ڈپلومہ آف ایجوکیشن'' کیا تھا اور فرسٹ ATN ٹیسٹ میں



بھی اس نے نمایاں پوزیشن لی اور انٹرویو کے بعد اسے مقامی مڈل اسکول میں ہی جاب مل گئی جہاں کبھی وہ خود زیر تعلیم تھی، اس لئے خوشی کے مارے اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے، اماں، ابا، بھائی سب اس باؤلی کو خوش دیکھ کر خوش تھے۔

''جاتے ہوئے بتا دینا کہ تم ٹیچر ہو ورنہ سب سمجھیں گے کہ اسکول میں ایڈمیشن لینے آئی ہے''۔ اس کے دبلے پتلے وجود کو حیدر بھائی نے نشانہ بنایا تو آج اس نے منہ نہیں بسورا، بلکہ ساری باتیں خندہ پیشانی سے برداشت کرتی رہی کیونکہ وہ اسکول فریش جانا چاہتی تھی اور پھر اسے اپنی گیمز کی ٹیچر مس ماہ رخ سے بھی ملنا تھا کیونکہ وہ اسکول کی بیسٹ پلیئر بھی تھی اور مس ماہ رخ اس کی فیورٹ ٹیچر تھی۔ دبلی پتلی سانولی پرکشش لمبے لمبے بالوں والی، چہرہ میک اپ سے مبرا، زبردست ڈریسنگ مگر سادگی کا پیکر، چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ، نرم دل اور اسٹوڈنٹس کی ہر دلعزیز۔

نک سک سے تیار ہو کے وہ باہر آئی، ہلکی ہلکی رم جھم اسٹارٹ ہو چکی تھی، پتوں پر بارش کے قطرے، پھولوں پر تتلیاں اور خوشبو بھرے ہوا کے جھونکے اس کے دل کی راحت کا باعث بن رہے تھے۔

''چلو آج میں ڈراپ کر دوں کل سے انشاء اللہ تمہاری ڈیوٹی رکشے والا کرے گا، محلے کی دو بچیاں تمہارے اسکول میں ہی ہیں، بس تم بھی ان کے ساتھ ہی چلی جایا کرنا''۔ بھیا نے چابی اٹھاتے ہوئے اسے آگاہ کیا، سر ہلاتے ہوئے اس نے تائید کی اور پھر اماں کو سلام کرتے ہوئے پورچ میں آ گئی۔

ٹیچنگ کا شوق اسے مس ماہ رخ کو دیکھ کر ہی ہوا تھا اور آج وہ اس ادارے میں درس و تدریس کا شوق پورا کرنے جا رہی تھی جہاں خود اس نے اساتذہ کی انگلی تھام کے اچھے اور برے کی تمیز سیکھی تھی، شعور کی منزلیں طے کی تھیں، شرارتیں کیں، مستیاں کیں، مقابلوں میں حصہ لیا، کئی ٹرافیاں کئی میڈل جیتے۔

گہری سانس لے کر اس نے باہر سڑک پر نگاہ ڈالی، درخت زرد پتوں کا لباس اتار کے سبز مخمل کا لباس پہن کر اسے اس کے نئے مستقبل کی مبارکباد دیتے نظر آ رہے تھے، ایک عجیب سی سرشاری اس کے رگ و پے میں سرایت کر رہی تھی۔ گاڑی اسکول کے گیٹ کے سامنے رکی، تو وہ بری طرح چونک گئی، دل اسی رفتار سے دھڑکنے لگا جب فسٹ ٹائم وہ ادھر ایڈمیشن لینے آئی تھی۔

''چل رانی آ گئی تیری منزل''۔ حیدر نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

''آج تمہاری جاب کا پہلا دن ہے، بیسٹ آف لک، اور یہ میری طرف سے چھوٹا سا تحفہ''۔ خوبصورت کیس میں نازک بریسلٹ ٹائپ گھڑی حیدر نے اس کی ہتھیلی پر رکھی تو خوشی سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''تھینکس بھیا''۔ آنکھیں ٹشو سے صاف کرتے وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اتر گئی۔

اسکول میں داخل ہوتے ہی اردگرد بکھری ڈھیروں یادیں امربیل کی طرح اس کے وجود سے لپٹ گئیں۔

''رانی بارش میں چلو ناں بھیگتے ہیں''۔ کسی کونے سے سفید یونیفارم میں ملبوس بینش نکل آئی۔

''چل رانی باغیچے سے وہ پنک گلاب چراتے ہیں، میں ڈائری میں رکھتی ہوں''۔ ماہا پونی ہلاتی اس کے کان میں سرگوشی کرتی۔

''کوریڈور میں دوران پیریڈ کسی لڑکی کو بلاوجہ گھومتے دیکھا تو خیر نہیں''۔ یہ مس گلشن تھیں، ڈسپلن انچارج جس سے ان کا ''سکس اسٹار'' گروپ ڈانٹ ڈپٹ کھا کے ڈھیٹ ہو چکا تھا۔ یادوں کی پٹاری کیا کھلی رنگین دھاگوں سے بندھی چلبلی یادوں نے گویا اسے نرغے میں لے لیا۔

اسمبلی کی گھنٹی نے اسے واپس حال میں لا پٹخا، اسٹاف روم میں بیٹھی ٹیچرز نے اسے ویلکم کیا مگر اس کی نظریں اپنی ٹیچر کو ڈھونڈ رہی تھیں جن کی مرہون منت وہ آج اس مقام پر تھی مگر افسوس زیادہ تر نئے چہرے تھے۔ اسمبلی کے بعد پرنسپل کے آفس میں گئی۔ آفس بھی بہت اسٹیبلش ہو چکا تھا۔ پرنسپل کی سیٹ پر ان کی انگریزی کی ٹیچر مس زرینہ براجمان تھی، اس کے تعارف کرانے اور اسکول سے تعلق کی بناء پر پرنسپل نے کافی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔ اپنا پیریڈ ٹائم ٹیبل لے کر وہ باہر نکلی تو گراؤنڈ میں فربہی مائل جسم، تیز میک اپ، شولڈ کٹ بال اور تنگ پاجامے پر چست قمیض پہنے وہ چہرہ تھوڑا تھوڑا جانا پہچانا لگا تھا جو اسکول کی خالہ کے ساتھ کسی بات پر بحث و مباحثے میں مصروف تھا۔ بارش کی کن من اس کے دل کو گدگدا رہی تھی، اس کا پہلا اور پانچواں پیریڈ فری تھا سو اس نے اسٹاف روم کا رخ کیا۔ اسکول میں ڈسپلن ویسے ہی سخت تھا، اسٹاف روم میں آ کر وہ مس علینہ کے ساتھ بیٹھ گئی جو اس کی طرح نئی آئی تھیں۔

''بی ایس سی کے بعد ایم ایس سی کیوں نہیں کیا؟'' اس نے اس کی طرف دیکھا۔

''یونیورسٹی جانے کی اجازت نہیں تھی اور ارادہ ہے کہ پرائیویٹ مطالعہ پاکستان میں ماسٹرز کر لوں''۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

''اف یہ کلاس مجال ہے جو اپنی غلطی مان لے، اتنی ڈسٹ میرے روم میں، پتہ بھی ہے خالہ کو الرجی ہے مجھے ڈسٹ سے مگر ناں، ان لوگوں نے تو حرام ہی کمانا ہے ذرا جو ان کو اپنی ڈیوٹی کا احساس ہو، جس وقت دیکھو ٹیچرز کی ذاتی زندگی کی ٹوہ میں لگی رہتی ہیں''۔ وہ ٹیچر جو اسے گراؤنڈ میں نظر آئی تھی تیز تیز بولتی اسٹاف روم میں داخل ہوئی اور کرسی پر ٹک گئی۔

''مس ماہ رخ! میں آپ کی بات سے سو فیصد اتفاق کرتی ہوں، صبح میں نے کہا پائپ لگا کے گملوں کو پانی دیں مگر ایک اپنا کام دوسری پر ڈال رہی تھی''۔ ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ٹیچر نے آنے والی ٹیچر کی بھرپور تائید کی تو رائنہ کو عجیب سا جھٹکا لگا۔ مس ''ماہ رخ'' میک اپ سے نابلد، لمبے بالوں کی سادہ چٹیا، بہترین مگر سادہ لباس اور اب فیشن کا چلتا پھرتا بازار لگ رہی تھی۔

''اس قدر شخصیت میں تبدیلی''۔ رائنہ سے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ اسمارٹ فون کی ٹیون بجی۔

''اف ایک تو گھر والے ہاتھ دھو کے میرے پیچھے پڑ گئے ہیں''۔ اس نے بیزاری سے کال کاٹی۔

''کیوں کیا ہوا پھر؟'' ایک ٹیچر نے پوچھا۔

''بس یار میرا ایک کزن ڈنمارک سے آیا ہے ادھر بزنس ہے میری دو دفعہ ہی اس سے ملاقات ہوئی اور موصوف پیچھے ہی پڑ گئے کہ شادی کر کے ڈنمارک لے جاؤں گا''۔

''تو یہ تو بہت اچھی بات ہے، اگر اس عمر میں یہ رشتہ مل رہا ہے تو کفران نعمت مت کرو''۔ رجسٹر سے سر اٹھاتے ہوئے ایک اور ٹیچر نے مشورہ دیا۔

''خیر عمر کی بات مت کرو، اب بھی جوان لڑکیوں سے کم نہیں ہوں''۔ اس نے ادا سے بال جھٹکے تو کتنے چہروں پر تمسخر بھری ہنسی نظر آئی۔

''میں اپنی ماں اور بھائیوں کو چھوڑ کے اتنی دور نہیں جا سکتی یہ میرا اٹل فیصلہ ہے''۔ کہہ کر وہ رکی نہیں۔

''ڈنمارک... کزن''۔ ایک قہقہہ بلند ہوا۔

''پچھلی دفعہ اٹلی سے آیا ہوا اس کی بھابی کا کزن اس پر لٹو ہوا تھا اور اس سے پچھلی دفعہ... ڈیئر مت پوچھو بڑی لمبی لسٹ ہے''۔ ایک دوسری کے ہاتھ پر تالی بجاتی ہوئی ہنسی۔

''اسکول کی خالہ کہہ رہی تھی کہ گھر جا کے کمرے میں بند ہو جاتی ہے، کسی سے بات بھی نہیں کرتی، بھائی اور بھابیاں اس سے نالاں ہیں مگر عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے کوئی رشتہ ٹھہرتا ہی نہیں''۔

''نہیں ڈیئر گولڈن بال، تنگ لباس، تھوپا ہوا

میک اپ، کسی نوعمر لڑکی سے کم تو نہیں ہماری ماہ رخ''۔ کسی اور نے چٹکلہ چھوڑا اور پورا اسٹاف روم زعفران زار ہو گیا۔ رائنہ حیرانی اور دکھ کی ملی جلی کیفیت میں دم بخود بیٹھی تھی۔ اب خوبصورت موسم بھی اسے اٹریکٹ نہیں کر رہا تھا۔ دل پر جیسے خزاؤں نے ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ ماہ رخ کی عمر کا سورج ڈھل چکا تھا مگر مصنوعی سہاروں کی مدد سے وہ ایک تصوراتی زندگی گزار رہی تھی۔

تین پیریڈ اس نے کیا تعارف کروایا اور کیا پڑھایا اسے پتہ ہی نہ چلا، دل میں خزاؤں نے جیسے ڈیرے ڈال دیئے ہوں، پانچواں پیریڈ پھر فری تھا، ڈرتے ڈرتے اس نے ''مس ماہ رخ'' کے اسٹاف روم میں جھانکا جو پورے اسکول میں بیزار اور چڑچڑی مشہور تھی، سامنے گراؤنڈ میں پلیئرز لڑکیاں جونیئر پی ٹی آئی جو رائنہ کی ہم عمر لگ رہی تھیں چپکی ہوئی تھیں جیسے آج سے کئی سال پہلے وہ لوگ مس ماہ رخ سے چپکی ہوتی تھیں۔

اس نے ہلکی ناک کی اور روم میں داخل ہوئی، سامنے مس ماہ رخ کسی گہری سوچ میں تھی، گہری فاؤنڈیشن کے باوجود آنکھوں کے نیچے حلقے اور گالوں پر پڑتی جھریاں نمایاں تھیں، وہ اس تھکے ہارے مسافر کی طرح نظر آ رہی تھی جس کا طویل سفر بغیر کسی قیام اور بغیر منزل کے جاری ہو۔ ماہ رخ کی نظر اس پر پڑی تو ماتھے پر شکنیں گہری ہو گئیں، تب کرسی اس کے نزدیک کھینچ کر وہ بغیر اجازت کے بیٹھ گئی۔

''میم میں آپ کی اسٹوڈنٹ ہوں یہاں پڑھا ہے میں نے اور اسکول کی بیسٹ پلیئر بھی تھی۔ اب بطور ٹیچر یہاں میری اپائنٹمنٹ ہوئی ہے اور رات بھر مجھے خوشی سے نیند نہیں آ رہی تھی، کیونکہ آپ سے ملنے کی میری برسوں کی خواہش پوری ہو رہی تھی''۔ اس کی خالی خالی نظروں میں ہلکے ہلکے شناسائی کے رنگ ابھرنے لگے۔

''ارے یہ تو اچھی بات ہے کہ ہماری اپنی بچیاں ہمارے مدمقابل آ گئیں''۔ اس کا ہاتھ تھام کے اس نے شفقت سے کہا۔

''میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا، آپ میرا آئیڈیل تھیں، یہ پیشہ بھی میں نے آپ کی وجہ سے چنا، مجھے آپ جیسا ٹیچر بننا ہے، اسٹوڈنٹ کے لئے مشعل راہ بننا ہے، مجھے ابھی بھی آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے، کبھی کبھی میں آپ کے پاس آ جایا کروں؟'' اس نے سامنے چہرے کو دیکھا جہاں رعونت کی گرد ہٹ کر نرم چہرہ ابھر رہا تھا۔

''اور ہاں میم''۔ اس نے اپنا ہینڈ بیگ کھول کے وہ کیس نکالا اور گھڑی نکال کے مس ماہ رخ کو پہنا دی۔

''یہ میں آپ کے لئے لائی تھی''۔ چہرہ اب خوشی سے تمتما رہا تھا۔

''نصیب اوپر لکھا ہے جوڑیاں اوپر بنتی ہیں''۔ مگر خدارا ایسے لوگوں کے قریب جا کے ان کی تنہائی بانٹیں جو توجہ حاصل کرنے کے لئے عجیب سی حرکتیں کرتے ہیں کہ محبت ہی ہر مسئلے کا وظیفہ ہے اور توجہ اور اپنائیت ہی ہر غم کی دعا ہے۔

اس نے بھیا کا دیا ہوا گفٹ اسے دے کر اپنی محبت اس کے ساتھ بانٹی تھی، جہاں سرد رویوں اور تمسخر بھرے لہجوں نے ایک خاص ہستی کو نارسائی اور تصوراتی دنیا میں دھکیل دیا تھا۔ ''مس ماہ رخ'' اس سے شفقت بھرے لہجے میں بات کر رہی تھیں اور رائنہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی ''اے رب ہر بنی نوع کو تنہائی کے اژدھے سے بچا جو زندہ دل اور ٹیلنٹڈ لوگوں کو ہڑپ کر جاتا ہے، بس محبت اور خلوص کے سکوں سے ہر دامن بھر دے کہ کسی جگمگاتی آنکھوں کی جوت بجھ نہ پائے، آمین''۔

سچ میں محبت بانٹئے کہ بھوک صرف خوراک کی نہیں توجہ اور خلوص کی بھی ہوتی ہے، جسم کے ساتھ روح کی بھوک کو مٹایئے دوسروں کو خاص بنا کے اور ان کو خاص مقام دیں۔

☆............☆............☆

امبرین ناز



"صبا ایک تو اس لڑکی سے کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہوتا اگر ابھی میں نہیں آتی تو سارا دودھ ابل کر گر جاتا"۔ آسیہ بیگم نے کچن میں دودھ کا چولہا بند کرتے ہوئے ڈھکن کو زور سے پٹختے ہوئے کہا۔

"سوری امی! میں ابھی ہی تو گئی تھی وہ رمیز کا فون آ گیا تھا"۔ وہ شرمندہ شرمندہ سی کھڑی تھی۔

"شادی کر کے بھی چین نہ ملا رمیز کے بغیر دل ہی نہیں لگتا' اور یہ کیا کچن میں گند مچا رکھا ہے صاف کرو اسے"۔ انہوں نے ایک بوتل پانی کچن کے فرش پر انڈیلتے ہوئے اسے ہدایت کی' صبا نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"کھڑی کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو صاف کرو اسے"۔ انہوں نے پانی کی طرف اشارہ کیا صبا نے چپ چاپ وائپر کر دیا۔

اب تو یہ روز کا معمول بن گیا تھا رمیز کی ماں آسیہ بیگم کسی نہ کسی طرح اسے ستاتی رہتیں' کبھی کپڑے استری کر دو صبا کے نعرے لگتے کبھی اسے سست و کاہل کہہ کر واش بیسن اور واش روم دھلوائے جاتے۔

☆☆☆☆

رمیز اسے جی جان سے چاہتا تھا' مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کی ماں کو صبا سے اللہ واسطے کا بیر ہے کیونکہ بعض اوقات اس کے سامنے بھی وہ صبا کو لتاڑنا نہیں بھولتی تھیں۔ مگر رمیز ان شوہروں میں سے نہیں تھا جو بیوی کی طرف داری میں ماں کے ساتھ بدتمیزی پر اتر جاتے ہیں وہ ایک ایجوکیٹڈ اور سمجھدار شخصیت کا مالک تھا وہ نہ صرف خود صبر کرتا بلکہ صبا کو بھی صبر کی تلقین کرتا تھا۔

اس نے یہ پڑھ رکھا تھا کہ ماں باپ اگرچہ ظالم ہی کیوں نہ ہوں ان کی اطاعت اولاد پر فرض ہے' صبا بھی روہانسی ہو کر رمیز سے اس کی ماں کی شکایت کر دیتی تو وہ اسے نرمی و محبت سے سمجھاتا تھا' جب بھی امی تمہیں برا بھلا کہیں رشتہ داروں سے شکایت کریں تو تم کاغذ کا چھوٹا سا ٹکڑا منہ میں دبا لینا' وہ رمیز کی باتوں کا مطلب اچھی طرح سمجھتی تھی کاغذ منہ میں دبا لینے کا مطلب تھا خاموش رہنا"۔ بہر حال جیسا وہ کہتا وہ ویسا ہی کرتی تھی۔

☆☆☆☆

شگفتہ جہانزیب بھری جوانی میں ہی بیوہ ہو گئی تھیں' ان کے بھائیوں کے توسط سے گھر چلتا تھا عشرت نے گریجویشن کے بعد اسکول جاب کر کے گھر کے برے حالات میں مدد کی اس مہنگائی کے دور میں جہاں ہر کوئی مہنگائی کا رونا روتا ہے وہاں بیوہ ماں اور چار بہنوں کا خرچ ایک اسکول کی جاب سے کیسے پورا ہو سکتا تھا جبکہ کوئی بھائی بھی نہ ہو لیکن اللہ بڑا کارساز ہے۔

وہ اندھیرے میں بھی روشنی پیدا کر سکتا ہے غریبوں کے اس محلے میں جہاں لوگ پانی کی بوند بوند کو ترسے وہ وہاں اپنا کرشمہ اس طرح سے دکھاتا ہے کہ پتھر سے چشمہ پھوٹ کر میٹھا پانی جاری ہو جاتا ہے' وہ رب کریم کیسے کیسے اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے اس طرح اس نے رمیز کی صورت میں ان غریبوں کی مدد کی' صبا گھر میں ہی ہوم ٹیوشن لیا کرتی تھی پستہ قد مگر انتہائی خوبصورت نقوش کی مالک تھی رمیز اسے اور اس کی بہنوں کو پڑھانے گھر آتا تھا' فرسٹ ایئر سے گریجویشن تک اس نے رمیز سے ٹیوشن لے کر پرائیویٹ گریجویشن کر لیا تھا۔

☆☆☆☆

شگفتہ جہانگیر کی چار بیٹیاں تھیں سب سے بڑی عرشیہ کی شادی اس کے پھوپی زاد ولی سے ہوگئی تھی جبکہ نمرہ کے لئے شگفتہ جہانزیب کافی فکرمند تھیں کئی رشتے کرانے والیوں کو اس کام پر معمور کیا اللہ اللہ کرکے ایک رشتہ دونوں طرف کی باہمی رضامندی سے ہوگیا اور نمرہ بھی پیا گھر سدھار گئی۔

☆☆☆☆

صبا چار بہنوں میں تیسرے نمبر پر تھی اس سے چھوٹی فاخرہ ابھی میٹرک میں تھی رمیز روز شام کو دو گھنٹے انہیں ٹیوشن پڑھانے آیا کرتا تھا کب کیسے اسے رمیز دل دے بیٹھا' اور کس طرح اپنی ماں کو راضی کرکے صبا کے گھر رشتہ بھیج دیا رمیز کی ماں آسیہ بیگم بیٹے کی ضد کے آگے مجبور تھی بہت ہی بے دلی سے انہوں نے صبا کو بہو بنا تو لیا تھا' مگر ہر کسی کے سامنے وہ یہ ہی دکھڑا روتیں کہ کیسی کیسی لڑکیاں لڑکوں کو پھانس لیتی ہیں' رمیز کمپنی میں منیجر کے عہدے پر فائز ہوگیا تھا صبا سے شادی کے بعد اس کی چھوٹی بہن فزا کی مکمل پڑھائی اور شادی کی ذمہ داری رمیز نے لے لی تھی' شادی کے بعد کچھ بیٹھے پل گزار کر وہ صبح جاب پر جاتا تو شام کو گھر لوٹتا تھا۔

☆☆☆☆

آج سورج پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا گرمی کی شدت سے وہ نڈھال تھی مگر خالہ زینب کی اپنے بچوں کے ساتھ تشریف آوری پر نہ صرف گرمی میں کچن میں مصروف رہی بلکہ ساس کی فرمائش پر ان کے پیروں کو مالش بھی کردیا' برتن دھوتے دھوتے ایک شیشے کا کپ اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا' رمیز کی ماں نے مہمانوں کے سامنے بھی اسے بخشا گوارہ نہ کیا۔

''ارے یہ لڑکی تو کسی کام کی نہیں ہے جہیز کے نام پر لائی کیا ہے جو میرے گھر میں ہے اسے بھی رہنے نہ دے گی' طاقت ہی نہیں ہے ہاتھوں میں ماں باپ نے کچھ کھلایا پلایا نہیں ہے''۔ وہ بولتے بولتے نہ تھکتیں صبا کو تو اب عادت ہوگئی تھی مگر اس نے منہ پر خاموشی کا قفل لگالیا تھا۔ رمیز گھر آیا تو اس کی رونی صورت دیکھ کر ہی معاملہ سمجھنے میں اسے پانچ منٹ بھی نہ لگے۔

''میں جانتا ہوں صبا! تمہارے ساتھ زیادتی ہورہی ہے مجھے معاف کرنا صبا میں تمہارے حق میں بول کر ماں سے بدتمیزی تو کرسکتا ہوں مگر اس کے بعد نہ اس جہاں میں سکون نہ اس جہاں میں سکون سے رہ سکوں گا' صبر کرو ایک دن آئے گا جب امی کو اپنی زیادتی کا احساس خود ہوگا نفرت کو محبت سے جیتا جاسکتا ہے''۔ اس نے نرمی سے کہتے ہوئے صبا کے ہاتھ کو تھام لیا تو وہ بھی امید بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

☆☆☆☆

''امی! آئیں ناں ٹی وی پر کتنا اچھا ڈرامہ آرہا ہے''۔ اس نے آسیہ بیگم کو آتے دیکھا تو فٹافٹ ریموٹ ان کے ہاتھ میں تھمادیا' وہ جو منہ بسورتی آرہی تھیں ان کے ماتھے کے بلوں میں کمی آگئی۔

''آپ بیٹھیں امی! میں چائے لاتی ہوں''۔ پانچ منٹ میں اس نے ساس کو چائے کی پیالی تھمادی خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینے لگی اس طرح وہ ہر سخت لفظوں کا جواب نرمی و محبت سے دیتی آخرکار صرف ڈھائی سالوں میں ہی اس نے ساس کا دل جیت لیا' کبھی اس نے زبان دراز نہیں کی اس لئے آج وہ رمیز کے دل کے ساتھ اس کے گھر میں بھی راج کررہی تھی' دونوں ساس بہو میں ماں بیٹی سا دپیار تھا' رمیز اکثر اسے چھیڑتا۔

''تم نے تو میری ماں کو چھین لیا ہے''۔ اور وہ محبت سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہتی۔

''نہ آپ کی نہ میری یہ ہماری ماں ہیں''۔ اور وہ محبت سے اس کے گال تھپتھپا دیتیں۔

وہ گھر جو جنگ کا میدان بنا رہتا ہے اگر زبان پر قفل لگالیں تو وہ گھر بھی محبت کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

☆......☆......☆

شازیہ مصطفیٰ عمران

سلسلے وار ناول

زندگی پھول محبت خوشبو

(نوٹ: قارئین اس ناول کا کچھ حصہ شائع نہیں ہو سکا تھا اس لیے یہ قسط دوبارہ شائع کی جا رہی ہے)

''ایسا کچھ نہیں کرے گا اس کی تو خود ہنسی گل ہے چپ چپ ہی تھا وہ کیا تمہیں ڈرائے گا بلکہ تم سے ڈر رہا



ہوگا کہیں تم انکل کو سب کچھ نہ بتا دو جو اس نے تمہارے ساتھ حرکتیں کی ہیں۔'' شہوار کہنے لگی۔

''نہیں میں ایسا کچھ نہیں کروں گی ابو کو پہلے ہی اپنی بیگم کی فکر ہے جوان سے بات نہیں کر رہی ہیں۔''

''ہوں ایسا تو کریں گی وہ۔'' شہوار نے سر ہلایا۔

زبیدہ خالہ نیل فر کے میلے کپڑے سمیٹ رہی تھیں جوان کی توجہ ان دونوں کی طرف نہیں تھی۔

''السلام وعلیکم!'' ضیاء کے سلام پر دونوں اچھل گئیں جب کہ شہوار نے اپنا سر مئی آنچل سمیٹا اور سمٹ گئی۔

''جیتے رہو بیٹا کیسے ہو۔'' زبیدہ خالہ نے پوچھا۔

''جی سب ٹھیک تم سناؤ نیل فر طبیعت کیسی ہے۔'' ضیاء کی اچٹتی نگاہ شہوار پر بھی پڑی دو تین دفعہ دونوں کی تلخ کلامی ہو گئی تھی اس لیے شہوار لب بھینچ کے بیٹھی تھی۔

قسط نمبر 19



حمزہ ان لوگوں کے لیے فریش جوس لے کے آیا شکیل احمد بھی آ گئے۔ ہوسپٹل میں یہ ٹائم ملنے کا تھا اس لیے سب ہی اسے دیکھنے آ رہے تھے۔

''ضیاء تم انہیں گھر تک ڈراپ کر کے آنا۔'' شکیل احمد نے یہ ذمے داری اس کے سپرد کی وہ سر ہلا کے رہ گیا۔ حمزہ کی خوش گپیوں نے افسردہ ماحول کو شوخ کر دیا تھا۔

☆......☆

شادی کا دن تو ایسے گزرا تھا اسے احساس ہی نہیں ہوا روم میں آئی تو اس کی آنکھ لگ گئی اور صبح کھلی تھی صبح ہی ثمرہ اور اس کی کزن اسے لے کے چلی گئی تھیں۔ رات میں ولیمہ تھا وہیں سے ہی وہ پارلر چلی گئی۔ حنین کا اور اس کا سامنا ابھی تک نہیں ہوا تھا شب عروسی کے لمحات آریکہ کی نیند کی نظر ہو گئے تھے وہ اسے دیکھ ہی کب رہی تھی۔

ولیمے کے لیے وہ تیار ہو چکا تھا خوب صورت سے بینکویٹ میں ان کا ولیمہ تھا وہ امی اور حسن کو لے کے پہنچ گیا تھا حرا آریکہ کے ساتھ تھی۔

حنین کا دوست رضا بھی آیا تھا شادی میں اس کی بیوی کے ڈلیوری ہوئی تھی وہ اسی میں لگا تھا۔ مہمان آنا شروع ہو گئے تھے دس بجے آریکہ بھی اپنے برائیڈل ڈریس میں ملبوس جیولری میک اپ میں کزنز کی ہمراہی نگاہیں جھکائے چلی آ رہی تھی۔ نگاہوں میں حجاب شرم اور جھجک موجود تھی حنین بلیک ڈنر سوٹ میں ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔

پورا وقت وہ اس کی توجہ کا مرکز بنی رہی تھی اس نے سوچ لیا تھا آریکہ کو آج تو اپنی من مانی نہیں کرنے دے گا۔ ولیمے کی تقریب اختتام پذیر ہوئی تو بارہ بجے کے قریب فراغت ملی تھی۔

آریکہ کی کوشش تھی جلدی سے روم میں جا کے وہ چینج کر لے تاکہ حنین کو آج بھی اس سے بات کرنے کا موقع نہیں ملے۔

''حسن مین گیٹ چیک کر لینا یار کل رات بھی کھلا رہا تھا۔'' وہ حسن کو ہدایت دے رہا تھا۔ اس کی ساس کھانے پینے کے لوازمات ٹرے میں رکھ کے روم میں لے آئی تھی آریکہ بیڈ پر خاموش بیٹھی تھی۔

''بیٹا! تکلف نہیں کیا کرو کھایا کرو کل رات بھی سارا کچھ ایسے ہی پڑا تھا تم نے کھایا نہیں۔'' وہ مسکرا کے کہہ رہی تھیں۔

''جی وہ اصل میں......'' شرم و حجاب نے اسے آگے بولنے ہی نہیں دیا۔

وہ ہنسنے لگی تھیں۔

''وہ وارڈروب کی چابیاں نہیں مل رہیں ہیں۔'' اس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

''چابیاں وہ اسی میں لگی تھیں۔'' انہوں نے وارڈروب پر نگاہ ڈالی جہاں واقعی چابیاں نہیں تھیں۔ حنین کے قدم اندر آ چکے تھے۔

''ارے حنین چابیاں کہاں ہیں؟'' آریکہ کا تو دم ہی خشک ہو گیا آج تو وہ پہلے ہی روم میں آ گیا تھا۔ کل رات تو وہ مہمانوں کو رخصت کرنے میں ایسا لگا تھا کہ ٹائم کا احساس نہیں ہوا تھا۔

''ہیں چابیاں میں لگا دوں گا۔'' اس نے اچٹتی نگاہ آریکہ پر ڈالی فیروزی اور گولڈن کنٹراس برائیڈل میکسی میں کل سے اور زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔'' وہ کھڑی ہو گئی تھیں روم اصلی پھولوں سے سجایا تھا جو کل کی نسبت تھوڑے مرجھا گئے تھے مگر بھینی بھینی پھولوں کی خوشبو ماحول کو معنی خیز اور فسوں خیز بنا رہی تھی۔

حنین نے دروازہ خاصے دھماکے سے بند کیا اس کا دل حلق میں ہی آ گیا پورے جسم میں لرزہ طاری ہونے لگا کل تو اس کا سامنا نہیں ہوا تھا آج وہ سامنے تھا۔

''وارڈروب کی چابیاں کیوں چاہیے۔'' وہ اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ کے استفسار کرنے لگا اور اس کے وجود سے تو نگاہ ہٹنا گوارہ نہیں کر رہی تھی۔

''مجھے چینج کرنا ہے۔'' منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ حنین کے وجود سے مسحور کن پرفیوم کی مہک اس کے حواسوں پر طاری ہونے لگی تھی۔

''تمہارے چینج کرنے والے کپڑے باتھ روم میں آل ریڈی موجود ہیں۔'' اس نے مسکرا کے معنی خیزی سے کہا۔

اور خود بھی اپنا کوٹ اتار کے ہینگر کرنے لگا بڑا سا روم تھا فرنیچر بھی اس کا جدید طرز کا جو اس نے خود کہہ کر منگوایا تھا۔

وہ وزنی میکسی سنبھالے اٹھی تو ماحول میں چوڑیوں کی کھنک اور اس کے وجود کی مہک حنین کو دیوانہ ہی بنا رہی تھی۔

وہ باتھ روم میں گئی تو کرنٹ کھا کے رہ گئی وہاں پنک نائٹی ہینگر کیے ہوئے لٹکی تھی شرم سے پانی پانی ہونے لگی۔

''نن......نہیں ہیں میرے کپڑے۔'' وہ جان بوجھ کے انجان بنی اور حنین کی شرارت خوب سمجھ گئی تھی۔

''اپنی آنکھوں کا علاج کرو ہینگر میں وہاں کچھ لٹکا ہوا ہے۔'' وہ اس کے قریب چلا آیا۔

وہ دو قدم بدک کے پیچھے ہی ہو گئی۔

''جسے آپ کپڑے کہہ رہے ہیں آپ اپنی آنکھوں کا علاج کروائیں۔'' اس نے سوچ لیا تھا اس سے دبے گی تو ذرا بھی نہیں کیا سمجھ رکھا ہے اپنے دل بہلانے کا ذریعہ ایسے تو ہونے نہیں دے گی۔

''یہ دیکھو تمہارا ارات کا لباس۔'' باتھ روم سے وہ ہینگر کی ہوئی نائٹی لے کے آیا۔

''یہ واہیات لباس میں قطعی نہیں پہنوں گی۔'' وہ تو بھنا کے غصے میں ہی آ گئی۔

''پہننا تو تمہیں یہ ہی پڑے گا اور میں کوئی نامحرم نہیں ہوں تمہارا شوہر ہوں ایسے لباس میرے سامنے پہن سکتی ہو مگر صرف اس کمرے کی چار دیواری میں۔'' اس نے اپنی اہمیت کو جتایا۔

''نہیں اس کمرے میں بھی نہیں پہنوں گی۔'' اسے بھی ضد تھی۔ حنین کی وہ کسی صورت اپنے معاملے میں چلنے ہی نہیں دے گی جس نے اس کی ہر موقع پر تضحیک اور توہین ہی تو کی تھی اور پھر یہ شادی بھی اپنی غرض کے لیے کی صرف کام کرنے والی چاہیے تھی۔

''دیکھو اب تم ضد کر رہی ہو جو کہہ رہا ہوں مان لو کیونکہ کل رات تم نے جو کچھ جان کے کیا ہے وہ میں سمجھتا ہوں۔'' اس کی معنی خیز اور بے باک نگاہیں آریکہ کے وجود کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ جو مسلسل اپنے لپ اسٹک سے مزین لبوں کو بے دردی سے کچل رہی تھی۔

"جب میں آپ کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تو یہ سارے ارمان بھی آپ کے کیوں پورے کروں۔" وہ بل کھا کے مڑی تھی۔ چہرہ اس کا اتنا خوب صورت لگ رہا تھا وہ بے ساختہ بیڈ سے اٹھ کے اس کے قریب ہی آ گیا۔

آریکہ اس کی تو لگتا تھا نبض ڈوبنے لگی ہو حنین کی قربت اور مسحور کن مہک اسے بے ہوش کرنے کو کافی تھی۔

"اہمیت کا چکر بھی نکال لیا تم نے چلو یہ تم نے ٹھیک کہا میرے ارمان کیوں پورے کرو یہ تو تمہیں پورے کرنے ہوں گے کیونکہ جائز حقوق اور اختیارات کا قانونی اور شرعی لیٹر جو مل گیا ہے۔" آواز بھی اس کی مخمور تھی اور انداز تو ترنگ لیے ہوئے تھا آریکہ کی آنکھوں میں بے باکی سے دیکھ رہا تھا جو اس وقت ڈری سہمی چڑیا کی طرح ہی لگ رہی تھی مگر خود میں اعتماد رکھنے کی بھی ناکام کوششوں میں لگی ہوئی تھی۔

"دیکھیے آپ شرافت سے وارڈروب کی چابی دے دیں مجھے کپڑے نکالنے ہیں۔" وہ بھی ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھی۔

"اگر ضد تمہیں ہے تو مجھے بھی تمہیں وہی پہننا ہوگی۔" لبوں پر دل جلانے والی مسکراہٹ لیے اس کے گالوں کو لبوں سے چھو گیا۔ آریکہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی اس کی بے باکیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

"کیا بدتمیزی ہے؟"

"جائز حق ہے جس سے تم محروم تو کر رہی ہو دیکھو کافی ٹائم ہو گیا اپنا اور میرا وقت برباد کر رہی ہو بہتری اسی میں ہے رضامندی دے دو تمہارے لیے بہت اچھا ہوگا۔" وہ اسے وارن کرنے لگا۔

"دل بہلانے کے لیے یہ سب بھی چاہیے۔" بولے بنا رہ نہ سکی۔

"کیا چاہیے بولو؟" اس نے کمر میں بازو حمائل کیا اور خود سے قریب کیا کب سے دل مچل رہا تھا اسے محسوس کرنے کو مگر وہ تو غصے اور غلط فہمی میں اس کی پرواہ کر ہی نہیں رہی تھی کتنا ہی چاہا کہ جو وہ سمجھ رہی ہے ایسا نہیں ہے مگر اس نے تو یقین نہ کرنے کی ٹھانی ہوئی تھی۔

"چھوڑیں مجھے۔" اس کی کلائی میں پڑی گھنگرو موتی سے مزین چوڑیاں حنین کے آستین میں الجھ گئیں تھیں۔

"چھوڑوں گا تو ساری زندگی نہیں چاہے میرے دس بارہ بچوں کی ماں بن جاؤ۔" پھر شرارت سے لقمہ دیا۔

وہ شرم حجاب سے نگاہیں ادھر ادھر کرنے لگی پہلے تو وہ کچھ لحاظ کر لیتا تھا مگر اب تو وہ کسی چیز کا لحاظ نہیں کر رہا تھا۔ اختیارات جو رکھتا تھا۔

"میں ایسی نوبت ہی نہیں آنے دوں گی۔" اپنا آپ چھڑایا۔

"یہ تو تم مجھے چیلنج کر رہی ہو۔" وہ چتون سکیڑ کے دونوں ہاتھ پشت پر جما کے گویا ہوا۔

"پلیز فضول کوئی بات نہیں کریں، نہ دیں چابی، میں ایسے ہی بیٹھی رہوں گی۔" وہ صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔

"بیٹھی رہو صبح تک تو کیا تمہیں اس وقت تک چابی نہیں دوں گا جب تک میری نہیں مانو گی اور پھر صبح امی تم سے پوچھیں گی ان کپڑوں میں کیوں ہو سوچ لو تمہارے لیے مسئلہ ہوگا۔" لہجہ معنی خیز تھا۔ آریکہ نے بے بس نگاہوں سے اسے دیکھا اور جھٹکے سے اٹھی ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی ہوئی چوڑیاں جیولری سب اتارنے لگی۔ دوپٹہ میکسی کی زپ پر پنوں سے سیٹ تھا وہ نہیں نکل رہا تھا۔

حنین کو ہنسی آئی اس کے غصے کا بھی اندازہ تھا چلتا ہوا اس تک آیا۔

"لاؤ میں نکال دوں۔"

"نن..... نہیں۔" شرم جو آئی۔

"یہ تم سے تو نکلے گا نہیں۔" آریکہ کے ہاتھ ہٹائے اور پنیں نکال دیں۔

آریکہ سیدھی ہو گئی۔ "میں باقی نکال لوں گی۔" وہ جیسے ہتھیار ڈال چکی تھی سیدھی باتھ روم میں گئی اور مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق وہی بے باک نائٹی پہنی دوپٹہ اوڑھ کے وجود کو چھپا لیا باہر آئی تو مرکزی فانوس کی مدھم مدھم روشنی پورے کمرے میں پھیلی تھی اور وہ فتح مند مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ یہ نہیں سمجھیے گا آپ کے دباؤ میں آ گئی ہوں مجھے اس ڈریس سے الجھن ہو رہی تھی۔" اس نے دبے دبے لہجے میں وضاحت دی۔

"یہ دوپٹہ بھی اتار کے پھینکو۔" اس نے قریب آ کر زبردستی دوپٹہ اس کا کھینچا جو اتار نہیں رہی تھی۔

"پلیز نہیں کریں۔" اب تو اس کی برداشت کی حد ہو گئی وہ چہرہ چھپا کے رو دی۔

حنین تو گڑبڑانے کے ساتھ بوکھلا ہی گیا۔

"آریکہ آریکہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔"

"آپ کو میں جان گئی ہوں آپ نفس کے غلام ہیں۔"

"واٹ....." اتنی بڑی بات حنین کے آگ لگ گئی۔

"ہٹ جائیں میرے سامنے سے بے بس اور مجبور ہوں جب تو ساری اپنی مرضی کریں گے میرا پل پل مذاق اڑانے والے میں آپ کو کبھی اجازت نہیں دوں گی اپنا وجود چھونے کی۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ افسردہ ہو گیا آریکہ اس سے کافی بدظن اور خائف کیوں تھی چلتا ہوا روم سے باہر نکل گیا۔

آریکہ نے تو باقاعدہ رونا شروع کر دیا تھا کیونکہ نجانے کیوں اسے حنین کی آنکھوں میں اپنے لیے ہوس ہی نظر آئی تھی۔ اس نے ایک بار بھی محبت کا یقین نہیں دلایا تھا اور یہ نائٹی اسے اس سے گھن آ رہی تھی مجبوری میں وہ پہنے ہوئے تھی صوفے پر سکڑ کر بیٹھ گئی تھی دو بج گئے تھے اور حنین اب تک نہیں آیا تھا۔

☆......☆

وہ پریشانی اور فکر میں ہوسٹل کے روم میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ آج اسے ڈسچارج ہو جانا تھا شہوار نے اس کا سارا سامان پیک کر دیا تھا پنک کاٹن کا ایمبرائیڈ سوٹ بھی زیب تن کروا دیا تھا۔ زہرہ بھی آ گئی تھیں اور شوخ و شنگ سی پکار حمزہ کی واضح تھی۔

"زہرہ میں جلد اپنی بیٹی کو لے جاؤں گا۔"

"بھائی صاحب آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں نیل فر صرف آپ کی ہی بیٹی ہے یہ میری بھی بھتیجی ہی نہیں بیٹی ہے۔" انہوں نے پیار بھری نگاہوں سے دیکھا نیل فر انہیں پہلی ہی نظر میں پسند آئی تھی خاموش خاموش ڈری سہمی سرخ و سفید سی اس کے نین نقش بھی منفرد تھے اس کے بال دراز تھے لائٹ براؤن کلر کے۔

"ارے بھئی یہ رونے دھونے والے سین تو کریں نہیں۔" حمزہ نے نیل فر کا بھی چہرہ اداس دیکھ لیا تھا۔

Ridadigest.com

سارا سامان گاڑی میں حمزہ اور مہاد رکھ آئے تھے شہوار اس کے ساتھ ہی تھے۔

''چلو بیٹا!'' زہرہ نے نیل فر کی پشت پر تھپکی دی۔ سر پر اس کے بینڈیج ابھی بندھی ہوئی تھی زخم ابھی بھرا نہیں تھا مگر وہ مکمل طور پر ٹھیک تھی شکیل احمد نے اسے خود ہی زیادہ سے زیادہ ہوسپٹل میں اس لیے بھی رکھا گھر میں وہ دیکھ بھال نہیں ہو سکتی تھی۔

وہ چپ چاپ ان سب کی ہمراہی میں چل رہی تھی۔ نیچے ضیاء بھی گاڑی میں موجود تھا اور فہر الگ گاڑی لے کے آیا ہوا تھا۔ جس میں بیٹھ کے اسے جانا تھا فہر کو دیکھ کر اسے وہ تلخ اور تکلیف دہ لمحہ یاد آ گیا دانت پیس کے ناگواری سے منہ پھیر لیا۔

''ابو میں آپ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھوں گی۔'' اس فہر کو گویا اگنور ہی کیا۔

''چلو کوئی بات نہیں جا تو ایک ہی جگہ رہے ہیں۔'' زہرہ فہر کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھیں۔

وہ سارا قافلہ زہرہ کے گھر پہنچ گیا تھا جہاں کنول پہلے سے موجود تھیں۔

فہر سیدھا اپنے روم میں چلا گیا تھا کنول نے اس کا تنا ہوا چہرہ دیکھ لیا تھا۔

''ارے بھئی کنول چائے وغیرہ کا انتظام کیا۔''

''امی نے سب اہتمام کیا ہے۔'' نیل فر بڑے صوفے پر ٹیک لگا کے بیٹھی تھی اور شہوار اس کے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔ قسمت بھی دیکھو کیسے اسباب بنے اور وہ یہاں تک آ گئی تھی۔ صاف ستھرا کشادہ ڈیکوریٹ کیا گھر تھا نیل فر کو اچھا لگا تھا۔

''فہر کہاں گیا۔'' چائے وغیرہ سب لگ گئی تو فہر کی غیر موجودگی ضیاء کو چونکا گئی۔

''کمرے میں چلا گیا ہے۔'' زہرہ نے بتایا۔ نیل فر اور شہوار ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھنے لگی تھیں۔

''ارے بھئی یہ سب کچھ ایسے ہی رکھا ہے شروع کریں۔'' کنول نے ملازمہ کو ساتھ لگاتے چائے کے ساتھ لوازمات بھی سینٹرل ٹیبل پر لگا دیے۔

''ضیاء کو اور فہر کو بلاؤ۔'' کنول نے مہاد سے کہا۔

''بھائی صاحب آپ تو بس اپنی بیٹی کو دیکھے جا رہے ہیں۔ ہم بھی یہاں ہیں۔'' عثمان علی نے بے ساختہ کہا اور خود ہی مسکرانے بھی لگے جب کہ شکیل احمد جھینپ گئے۔ کنول نے نیل فر کے لیے پلیٹ بنائی اور اسے دی۔

''اتنا نہیں کھا سکوں گی۔'' چکن پیسز دیکھ کے وہ گھبرا کے بولی۔

''بیٹا کھاؤ پیو ڈاکٹر نے کیا کہا ہے اس وقت صرف خوراک کی ضرورت ہے چلو شاباش۔'' زہرہ نے اس کی سنی ہی نہیں۔

شہوار اور زبیدہ خالہ کو بھی کنول لوازمات سرو کر رہی تھی فہر اور ضیاء بھی آ گئے تھے فہر نیل فر کو دیکھنے سے گریز کر رہا تھا مگر کنول اس کی یہ گھبراہٹ سمجھ رہی تھیں۔

نیل فر نے بس اچٹتی نگاہ ڈالی اور چائے کے سپ لینے لگی۔

''پھپھو آپ نے آپی کا روم تو بڑا زبردست سیٹ کیا ہے۔'' حمزہ روم کا تفصیلی جائزہ لے کے آیا تھا۔

''انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لیے یہ روم یہیں سیٹ ہو جائے گا۔'' فہر نے دل سے دعا ہی کی۔

''میں نے کہا بچی پہلی دفعہ آ رہی ہے ذرا اچھا ہی کروں۔'' زہرہ خوش ہو کے گویا ہوئیں۔ ضیاء اور فہر بھی اپنی اپنی گفتگو میں لگے تھے۔

''زہرہ میری بیٹی کا خیال رکھنا تمہیں تکلیف تو دے رہا ہوں۔'' شکیل احمد نے ان سے کہا۔

''بھائی صاحب یہ میری بھی بیٹی ہے۔'' نیل فر کو اپنا ہی مسلسل موضوع گفتگو بنے رہنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''ابو میں آرام کروں گی۔'' اس نے شکیل احمد سے سرگوشی میں کہا۔

''ہاں آؤ چلو روم میں۔'' وہ کھڑے ہو گئے۔ شہوار بھی اس کے ساتھ ہی اٹھی تھی اصل میں وہ فہر کے سامنے مزید بیٹھنا نہیں چاہتی تھی۔

روم کشادہ تھا وسیع و عریض بیڈ رائٹنگ ٹیبل اور ایک طرف صوفہ سیٹ پڑا تھا دبیز پردے پڑے تھے۔ لان میں کھلنے والی کھڑکی پر۔

''بیٹا! تم اداس نہیں ہونا میں روز آؤں گا۔'' وہ اسے اطمینان دلا رہے تھے۔

''آپ میری وجہ سے اپنی وائف سے جھگڑا نہیں کیجیے گا۔'' وہ رک رک کے منمناتے گویا ہوئی۔

''جھگڑا تو اس عورت نے مجھ سے آج تک کیا ہی نہیں اور میں تو کروں گا بھی نہیں۔'' وہ کچھ حسرت اور افسردگی سے بھی گویا ہوئے تھے۔

''آپ ابو کی وائف کہہ کر کیوں بات کرتی ہیں۔ ہماری طرح امی بولیں۔'' حمزہ اس کی سن کے درمیان میں بول اٹھا۔

''جب وہ مجھے تسلیم کر لیں گی تو میں بھی تم لوگوں کی طرح امی کہنے لگوں گی میں ان پر زبردستی مسلط نہیں ہونا چاہتی وہ دل سے مجھے قبول کر لیں گی تو ہی رشتے کا مزا بھی آئے گا۔'' اتنی گہری اور پرسوچ ہو رہی تھی شکیل احمد تو متحیر زدہ رہ گئے ان کی بیٹی بہت حساس اور نازک جذبات رکھتی تھی۔

''آپ سچے دل سے بتائیں چاہتی نہیں امی کہیں؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''ماں کو کھویا ہے اور ماں کے کھونے کا درد کیا ہوتا ہے مجھ سے بہتر کون جانے گا اور اگر دوبارہ سے مجھے ماں مل جائے تو یہ میری خوش نصیبی ہوگی۔'' لہجے میں اداسی حسرت دکھ و کرب تھا وہ آج تک اپنی ماں کو یاد ہی کرتی تھی کب سے اکیلی زندگی گزار رہی تھی۔ چند سال قبل وہ پاکستان آئی تھی وہ بھی دل کی خواہش تھی شکیل احمد کو انگلینڈ کے چکر لگانے پڑتے تھے جس سے وہ بہت ڈسٹرب ہونے لگے تھے۔ رانی نے یہ ہی سوچ کے پاکستان جانے کی ضد کی تھی۔

''میری امی بہت اچھی ہیں وہ غصہ نہیں کرتی ہیں مگر انہیں چپ لگ گئی ہے۔'' حمزہ بھی اداسی سے بولا تھا۔

''ان کا غصہ کرنا حق بنتا ہے کیونکہ تم لوگوں کی لائف میں، میں اور میری ماں تو بلاوجہ آ گئے۔''

''نیل فر میرے بچے ایسی بات نہیں کرو تمہیں اللہ نے اسی طرح دنیا میں لانا تھا اور تمہاری ماں کے نصیب میں، میں ہی لکھا تھا کیونکہ جوڑیاں اوپر والا بناتا ہے اسے ہی خبر ہے کیا کچھ ہونے والا ہے۔''

''ہوں شاید۔'' اس نے سر ہلایا۔

''اور آپ یہ بھی دیکھیے مجھے ہمیشہ بہن کی خواہش ہوتی تھی کاش میری بھی کوئی بہن ہوتی دیکھیے اللہ

نے یہ قبول کرلی۔" حمزہ تو اسے پا کے بہت خوش تھا وہ ہر دفعہ راستے میں ملی تھی اور اسے حسرت سے ہی دیکھتا ہے کاش یہ میری سگی بہن ہوتی شائد یہ خون کی کشش تھی جو اسے ہر دفعہ متوجہ کرلیتی تھی۔

"ابو آپ تو اداس ہوگئے ہیں۔" نیل فر نے ان کے ہاتھ تھامے۔

"تمہارا باپ اس وقت ایسی پوزیشن میں ہے تمہیں ایک لمحے کو بھی انہیں نگاہوں سے دور نہیں کرنا چاہتا۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئے۔

"ارے بھئی ماموں جان یہ شہوار اور زبیدہ آنٹی جارہی ہیں۔" کنول نے انہیں آ کے اطلاع دی۔ پیچھے پیچھے وہ دونوں بھی تھیں۔

"انکل بہت دیر ہوگئی ہے۔" شہوار کاسنی کاٹن کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس کچھ ان سب کے درمیان جھجک سی گئی تھی۔

"ہاں ہاں ضیاء آپ لوگوں کو ڈراپ کرے گا۔"

"ابو یہ ذمہ داری بھائی کے ذمے ہی کیوں۔" حمزہ نے نقطۂ اعتراض اٹھایا۔

"تمہیں تو ملنہیں سکتا ڈرائیونگ آتی نہیں ہے۔" وہ بھی جھٹ گویا ہوئے۔

"یہ بھی ٹھیک کہا ہے میں سیکھنے والا ہوں۔" وہ بھی ارادہ باندھ چکا تھا۔

"تم اپنی پڑھائی پر توجہ دو اور صرف اسپورٹس بائیک چلاؤ گاڑی کے خواب نہیں دیکھو۔" شکیل احمد اسے ویسے بھی اتنی جلدی گاڑی تو ہاتھ میں دے نہیں سکتے تھے ابھی بیس کا بھی نہیں ہوا تھا ویسے ہی ٹریفک کا انتارش اچھا خاصا نارمل گاڑی چلانے والا بندہ حواس باختہ ہوجاتا تھا۔

"اچھا نیل فر ہم چلتے ہیں بیٹا! الٹی سیدھی سوچیں نہیں رکھنا آتے رہیں گے ہم ملنے۔" زبیدہ خالہ نے اسے ساتھ لگا کے پیار کیا اور سمجھایا بھی۔

وہ سب سے ہی سلام ودعا کے بعد رخصت ہوئیں ضیاء ان کے ساتھ فہر بھی جارہا تھا۔

"ابو آپ بھی جایئے بہت وقت گزر گیا ہے۔" نیل فر کو ان کی بھی فکر تھی جو انتظار میں ہوں گی۔

"ماموں جان ہم بہت اچھی طرح ان کا خیال رکھیں گے۔" کنول نے ان کے ماتھے کی شکنوں کو پرسوچ انداز میں دیکھا وہ کچھ متفکر لگ رہے تھے۔

"آج کی رات تو میں بھی یہیں ہوں پھر کچھ دن بعد نیل فر کو میں اپنے گھر لے جاؤں گی اچھا ہم مل کر انجوائے کریں گے کیوں نیل فر۔" کنول نے مسکراتے لہجے میں تائیدی انداز میں اسے دیکھا۔

وہ صرف مسکرانے پر اکتفا کرسکی ایک تو اسے فہر کی بھی پریشانی تھی وہ اس سے لاتعلق ہی نظر آرہا تھا مگر ایسے لوگوں کی خاموشی خطرناک بھی ہوتی ہے۔

شکیل احمد بھی اسے ڈھیروں ہدایت دے کے رخصت ہوئے تھے حمزہ کو تو نیل فر کو گھر لانے کی جلدی تھی۔

☆......☆

آفس سے واپسی پر وہ اس کے ساتھ ہی تھے اور وہ چہرے پر دنیا جہان کی سنجیدگی لیے گاڑی ڈرائیو کررہا تھا۔ بلیک پینٹ پر ہاف وائٹ لائنوں والی شرٹ میں ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔ بلاوجہ تو وہ کسی سے مخاطب ہی نہیں ہوتا تھا اور بہت لیے دیے رہنے والی شخصیت تھی یا پھر اس کے ساتھ جو کچھ گزرا یہ اس کا اثر تھا۔

منیب احمد کو ہمیشہ سے یہ ہی لگا شہزیل خود کو ان سب کے درمیان اجنبی ہی محسوس کرتا ہے اور وجہ ان کی ماں تھیں جنہوں نے کبھی اپنائیت سے مخاطب ہی نہیں کیا اور شہزیل اپنی ذات میں ہی گم ہوگیا پڑھائی مکمل کی تو منیب احمد نے اسے اپنے بزنس میں انوالو کرلیا حالانکہ اس نے کہا بھی وہ جاب کرلے گا مگر منیب احمد نے اس کی سنی ہی نہیں اور معقول تنخواہ پر ان کے آفس میں آگیا وہ تنخواہ وغیرہ لیتا ہی نہیں تھا کیونکہ وہ خود کو ان کے احسانوں تلے دبا ہوا محسوس کرتا تھا جنہوں نے پرورش کی تربیت کی اور پڑھایا لکھا کے اس قابل کردیا تھا وہ آج اپنے پیروں پر کھڑا تھا وہ غلط ہاتھوں میں پڑا نہیں تھا یہ اس کے ماں باپ کی کوئی نیکی تھی جو اچھے گھرانے میں وہ پروان چڑھا تھا نگاہوں میں مزاج میں ہمیشہ اس نے عاجزی ہی رکھی کبھی سامنے والے کو حقیر نہیں سمجھا جس کسی سے بھی ملتا خندہ پیشانی اور انکساری سے ملتا تھا۔

شاید اس کی یہ ہی شخصیت کی خوبیاں ان کی بیٹی کے دل میں اتر گئی تھیں اور وہ اسے چاہنے لگی تھی انہیں فخر بھی تھا ان کا ہونے والا داماد اچھے گنوں کا تھا۔

راستہ خاصا خاموشی اور سوچوں کی نظر ہوگیا تھا منیب احمد نے ریسٹورینٹ کے باہر گاڑی روکنے کو کہا۔

"آپ کو کسی سے ملنا ہے؟" شہزیل حیران ہوا کیونکہ اکثر ان کے کلائنٹ میٹنگ کے لیے ریسٹورنٹ میں آتے تھے۔

"نہیں آج میرا موڈ کہہ رہا ہے تم اور میں ڈنر باہر کریں خوب اچھا سا۔" منیب احمد مسکراتے پرجوش اور فریش لہجے میں گویا ہوئے۔

وہ حیرت وانبساط میں بتلا ہوگیا منیب احمد نے آج سے پہلے کبھی ایسا کہا جو نہیں تھا ڈنر وغیرہ باہر بہت کم کرتے وہ بھی بزنس ڈیلنگ کے سلسلے میں ورنہ انہیں باہر کے کھانے پسند نہیں تھے۔

"انکل آپ تو پسند نہیں کرتے ہیں۔" شہزیل نے گاڑی پارکنگ ایریے میں پارک کی۔

وہ پھر ان کی ہمراہی میں مشہور ومعروف ریسٹورنٹ میں آیا۔

منیب احمد نے سائیڈ کی ٹیبل کا انتخاب کیا ویٹر بھی آگیا آرڈر کیا اور شہزیل سے بھی کہا۔

"آپ جو آرڈر کررہے ہیں وہی ٹھیک ہے۔" وہ آستین فولڈ کرتے ہوئے جھجک کے ہی بولا تھا۔

"ارے برخوردار میں نے اپنی عمر کے لحاظ سے آرڈر کیا تمہیں جو پسند ہو وہ آرڈر کرو۔" انہوں نے گویا اسے ڈانٹا ہو۔

شہزیل نے مسکراتے ہوئے اپنی پسند کا آرڈر کردیا ڈنر لگ گیا تھا۔ منیب احمد بھی کھانے سے پورا پورا انصاف کررہے تھے۔ شہزیل مجھے تم سے اہم باتیں کرنی ہیں جو گھر پر تو مشکل تھا میں علیحدہ میں تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔" ڈنر کے بعد ان کا عقدہ بھی کھل گیا وہ ایسے ہی تو یہاں نہیں آسکتے، اس نے وہ مودب ہوکے سر ہلایا۔

"دیکھو بیٹا! مجھے خودغرض نہیں سمجھنا میں جو تم سے کہنے جارہا ہوں۔" انہوں نے زیادہ لمبی تمہید باندھنے سے گریز کیا۔

"جی انکل۔" وہ کچھ کچھ سمجھ رہا تھا جو وہ کہنے والے تھے۔

"شہزیل تمہارا شادی کا کب تک ارادہ ہے۔"

"میں نے آپ کو بتایا تو تھا اگر آپ جلدی چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے

جھٹ سعادت مندی کا ثبوت دیا۔

''دیکھو بیٹا فیصلے دل کی رضا مندی سے ہوتے ہیں اور مجھے خبر ہے تم نے ماہا کو بھی صرف میری خاطر قبول کیا ہے۔''

''انکل آپ سب لوگ میرے لیے احترام کا درجہ رکھتے ہیں پھر ماہا میں ایسی کوئی برائی بھی نہیں ہیں کیوں انکار کرتا آپ نے کچھ سوچ سمجھ کے ہی یہ رشتہ کیا ہے آپ میرے ماں باپ کی جگہ ہیں آپ کو اختیار ہے فیصلہ کرنے کا۔'' اس نے جھٹ وضاحت بھی دی۔

''بیٹا! تمہارے ماں باپ کا یہ حق ہے جو میں نے استعمال کرلیا۔''

''آپ ایسے نہ کہیں میرے ماں باپ مل بھی جائیں گے تو آپ میرے لیے پہلے اہم ہوں گے۔'' شہزیل ان کی دل و جان سے عزت اور قدر کرتا تھا۔

''آپ کا جب ارادہ ہو میں انکار نہیں کروں گا۔''

''تمہاری وہ شرط کے تمہارے ماں باپ مل جائیں گے شادی جب ہی کرو گے۔'' وہ جانچتی نگاہوں سے شہزیل کو ٹٹول رہے تھے۔

''میری قسمت میں کیا ہے مجھے کچھ خبر نہیں مگر یہ ماہا کے ساتھ ناانصافی ہوگی کب تک وہ انتظار کرے گی۔'' لہجے کی اداسی لفظوں میں عیاں تھی منیب احمد نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''دادی جان کو یہ رشتہ پسند نہیں ہے وہ ماہا کے لیے مجھے مناسب نہیں سمجھتی ہیں ظاہر ہے میرے خاندان کا پتہ نہیں اور کہتے ہیں خاندان اچھا نہ ہو تو اچھی نسل نہیں پیدا ہوتی۔''

منیب احمد کو اس کی بات چونکا گئی انہیں لگا شہزیل کے دل کو ٹھیس پہنچی ہے اس دن ماں جی کے الفاظ وہ بھی نہیں بھولے تھے۔

''خاندان تمہارا اچھا ہے کیونکہ تم نے اپنے انداز گفتگو سے واضح کیا ہے کیونکہ تمہارا خمیر صحیح جگہ کا ہے ورنہ تم اپنی شخصیت کے خلاف بھی جا سکتے تھے۔''

''یہ تو آپ سب کی تربیت اور پرورش ہے جو میری ہوئی ہے آپ لوگوں نے مجھے سنبھالا۔'' وہ گویا ہوا۔

''اللہ نے تمہاری تربیت اور پرورش ہمارے گھرانے میں لکھی تھی اس لیے تم یہاں آئے۔''

''پتہ نہیں۔'' لہجے میں محرومی اور مایوسی بھی تھی۔

''شہزیل تم زبردستی کا فیصلہ نہیں کرنا مجھے تمہاری خوشی بھی عزیز ہے۔''

''خوشی، خوشی تو میرے لیے آپ سب ہیں اب تو میرا آنے والا کل بھی آپ ہیں۔''

''بیٹا اتنے اداس اور ملول کیوں ہو رہے ہو۔'' انہیں شہزیل کے اندر خالی پن محسوس ہو رہا تھا۔

''نہیں تو۔'' اس نے جھٹ نفی کی۔ اچھا میں تمہاری آنٹی سے اور ذکر کرلوں پھر ہی آگے کے مراحل پر آئیں گے۔''

''جیسے آپ کی مرضی۔'' شہزیل کے دل میں نہ خوشیاں پھوٹیں نہ ہی شادیانے اسے تو اپنے گھر والوں کے نہ ملنے کا غم تھا آخری امیدیں تک دم توڑ گئی تھیں۔ شادی کو کب تک روکے گا ماہا کی تعلیم بھی پوری ہو جائے گی پھر دادی جان کے سوالات کب تک وہ ان سب کو ٹالے گا کیا ہوا اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے اپنی زندگی وقف کردے منیب انکل کے احسانوں کا اور اس گھر کے احسانوں کا بدلہ تو اترے۔

گاڑی ڈرائیو کرتے وقت اس کی سوچیں صرف اپنے گرد تھیں۔

گھر آکے وہ سیدھا اپنے روم میں آگیا تھا فضول تو وہ کہیں بیٹھتا ہی نہیں تھا کوشش کرتا تھا کھانا بھی اکیلے میں کھائے دادی جان کا سامنا کم سے کم ہو۔ آج تو ڈنر بھی باہر کیا تھا باہر جانے کا سوال نہیں تھا مگر شہیر کو جانتا تھا وہ رات میں اپنے روم میں جانے سے پہلے اس کے پاس ضرور آتا تھا۔ اور اس وقت اس کا شہیر سے بھی ملنے کا موڈ نہیں تھا۔

اسے فکر و گھبراہٹ اور پریشانی تھی ماہا کو فیس کرنا تھا جو اتنی ضدی طبیعت کی مالک تھی خبر تو تھی وہ بھی ایسے تو ذرا بھی راضی نہیں ہوگی شادی کے لیے اسے روکھا پھیکا شہزیل نہیں چاہیے ہوگا وہ ماہا کو سمجھتا اور جانتا تھا۔

اس کے دل کی خوشیاں بھی کہیں کھو گئی تھیں۔ ماہا کو وہ چاہنے ہی لگا تھا یا پھر یہ رشتے کی نوعیت تھی جب سے ایک دوسرے سے منسوب ہوئے تھے دل میں اللہ تعالیٰ نے اس کے محبت ڈال دی تھی ورنہ وہ تو ماہا کو ذرا بھی نہیں دیکھتا تھا مگر حیران بھی تھا ماہا کو وہ کب اچھا لگنے لگا جو وہ اپنی جان سے ہی گزرنے جا رہی تھی اس وقت بھی اسے کیا ہو گئی تھی وہ تو شکر تھا شہیر منیب انکل اور بشریٰ کو خبر تھی ورنہ تو وہ دادی جان کے مزید طنزیہ جملوں کو شاید برداشت نہ کرتا اور یہاں سے بھی چلا جاتا اس کا سوچ سوچ کے سر دکھنے لگا تھا۔

☆......☆

شادی کے دس پندرہ دن اپنے گھر کی رونقوں میں وہ سب بھول گئی مگر حنین کا رویہ اس سے بے نیازی والا بھی نہیں تھا۔ وہ نارمل تھا مگر اپنی طنزیہ گفتگو سے باز نہیں آتا تھا۔ آریکہ نے خود کو اس گھر میں ایڈجسٹ کرلیا تھا پھر کون سے غیر لوگ تھے جانے پہچانے تھے اس لیے بھی وہ ریلیکس ہو گئی تھی۔

انیسہ نے اسے کام کرنے سے منع کیا تھا نئی نئی دلہن ہے ابھی سے نہ تو اپنے ناز نخرے اٹھوا لے۔

''آپ پھر کچن میں آگئیں جائیے ٹی وی دیکھیں جا کے۔'' حرا ناشتے کے لیے آٹا گوندھ رہی تھی۔ آریکہ سے انیسہ کوئی بھی گھر کا کام نہیں کروا رہی تھیں۔ وہ اسے کسی مہمان کی طرح رکھ رہی تھیں۔

''مجھ سے ٹی وی نہیں دیکھا جاتا اور رہی شوق سے دیکھتی بھی نہیں ہوں پھوپو آج سے میں کچن کا کام کروں گی۔'' وہ تو گھبرا گئی۔

''مجھ سے اتنے دنوں سے کوئی کام نہیں ہو رہا تو مجھے ایسا لگ رہا ہے کے میں بیمار ہونے لگی ہوں۔''

''ارے یہ تم کیا کرنے لگی ہو چھوڑ و اسے میں روٹی بنالوں گی تم جا کے حنین کو دیکھو آگیا ہے آفس سے۔''

''آنٹی آپ ایسے تو نہیں کریں۔''

''یہ مجھے آنٹی تو بالکل نہیں کہنا امی کہو سمجھیں اور ہاں تم سے میں کام کرواؤں گی پہلے میٹھا بنواؤں گی پھر کام کرواؤں گی۔'' وہ اسے ہٹا رہی تھیں۔

''یہ کوئی بات نہ ہوئی ضروری ہے میٹھا بنے گا تو کام ہوگا۔'' وہ بولی۔

''آپ بھائی کو دیکھیں پوچھیے چائے پئیں گے تو وہ میں بنا دوں گی۔'' حرا اس کا دھیان ہٹانے کو بولی تھی۔

''چائے وغیرہ میں خود بناؤں گی۔''

''ابھی تم اپنے میاں کو دیکھو جا کے۔'' انیسہ نے اسے مسکرا کے معنی خیزی سے چھیڑا وہ جھینپ گئی۔

آریکہ کا دل جانے کیوں حنین کے سامنے دھڑ دھڑ کرنے لگتا تھا ہاتھ پیروں میں پسینہ آنے لگتا تھا اس کا ولیمے کے روز جارحانہ انداز غصہ دیکھ کے وہ ڈر گئی تھی تیں دن ہو گئے تھے وہ اس سے بات تو دور کی بات اس کی جانب دیکھنے تک سے گریز کر رہا تھا۔

روم میں آئی تو دیکھا حنین کا بیگ اور جوتے پڑے تھے واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی وہ لگتا تھا نہا رہا تھا۔

آریکہ دھانی پرنٹڈ ایمبر ایپڈ کپڑوں میں شادی کے بعد اور ہی حسین ہو گئی تھی یہ ثمرہ نے اسے کہا تھا اپنا سراپا ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ اسی وقت وہ بلیو ٹراؤزر میں ملبوس گلے میں تولیہ ڈالے باہر آیا۔ وہ سٹپٹا کے آئینے کے آگے سے ہٹ گئی اور وہ ہنوز ناراضی خفگی لیے اپنے گیلے بالوں کو رگڑ رہا تھا پانی کی بوندیں آریکہ کے چہرے کو بھی چھو گئی تھیں۔

اس کا بیگ اٹھا کے [illegible] رکھا جوتے بھی اٹھائے اور ڈریسنگ روم میں رکھ آئی۔

''پلیز آئندہ میر [illegible] اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اسے اچھا نہیں لگا آریکہ اس کے جوتے اٹھائے۔

''کیوں بیوی اور پیر کی جوتی [illegible] فرق ہے۔'' طنز کے ساتھ تیر پھینکا۔

''شٹ اپ۔'' تولیہ زور سے بیڈ پر پھینکا [illegible] میں غصے کی چنگاریاں تھیں جو آریکہ کے چہرے کو دہکانے لگیں وہ درمیاں میں حائل تھا۔

آریکہ سہم سی گئی اس کی دھاڑ ہی اتنی خطرناک [illegible] تھی۔ پراعتماد بننے کی بہت کوشش کرتی مگر پھر اس کے سامنے آتے ہی وہ بھربھری مٹی بن جاتی تھی۔

''تم یہ جوتے اٹھا کے نہیں رکھ رہی تھیں بلکہ طنزیہ باتوں کے [illegible] مارتی رہتی ہو۔'' وہ لب بھینچ کے رہ گئی۔

وارڈ روب سے ٹی شرٹ نکالی اور اپنے کسرتی جسم پر زیب تن کر لی۔

''بھابی چائے بن گئی ہے۔'' حرا کی آواز آئی۔

وہ دونوں ہی چونک گئے۔

''کیا ہوا زبان بند ہو گئی ہے یا الفاظ گم ہو گئے ہیں۔''

اس نے آریکہ کے سرخ و سپید چہرے پر اچٹتی نگاہ ڈالی۔

دروازے پر ناک ہوئی۔

''بھائی میں چائے لائی ہوں۔''

''کیوں تم کیوں لائی ہو تمہاری بھابی نے کام کرنے سے انکار کر دیا ہے۔'' اب اس کی باری تھی طنز کرنے کی۔

''نہیں تو ہمیں تو انہیں روکنا پڑ رہا ہے یہ تو کام کرنا چاہ رہی ہیں۔'' حرا نے ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھی۔

آریکہ کا تو اہانت سے برا حال تھا۔ وہ حرا کے سامنے کوئی بھی تلخ کلامی نہیں چاہتی تھی کہ حرا کو احساس ہو اس میں اور حنین میں ان بن چل رہی ہے اگر انیسہ کو خبر ہوئی تو وہ تو فکر مند ہو جائیں گی۔

''میں نے پڑوس میں کہہ دیا ہے ماسی کا انتظام بھی ہو جائے گا اور انہیں کام بھی کرنا نہیں پڑے گا۔''

[illegible] طنز اس پر تھا وہ پہلو بدل کے رہ گئی۔

''میں نے کام کرنے سے منع تو نہیں کیا۔'' وہ جھٹ گویا ہوئی۔

''مگر میں سمجھتا ہوں اس گھر میں بہت پہلے ہی ماسی کو لگا دینا چاہیے تھا کیونکہ لوگوں کا پتا نہیں وہ تمہیں کہہ دیں کام کے لیے شادی کی ہے۔''

حرا تو ہونقوں کی طرح اپنے بھائی کی مبہم سی باتوں کو نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھے جا رہی تھی۔

آریکہ کو اس کے سامنے اچھا نہیں لگ رہا تھا وہ کہیں کچھ اور ہی نہ سمجھ لے۔

''بھائی ایسا تو کسی نے بھی نہیں کہا۔'' اس نے معصومیت سے کہا۔

حنین چائے کے ساتھ سلائس بھی کھا رہا تھا۔

''تم فضول باتوں پر دھیان کم دیا کرو جاؤ۔'' اس نے حرا کو سرزنش کی۔

''ڈانٹ کیوں رہے ہیں۔'' وہ منہ بسور کے منمنائی۔

''سوری بیٹا بھوک [illegible] ہے تو کچھ غصہ آ گیا۔'' جھٹ اپنے کہے کا احساس ہوا تو اس نے معذرت [illegible] کی۔

حرا، حنین کو مسکرا کے دیکھتے [illegible]

''آپ اس کے سامنے کیوں ظاہر [illegible] ہے ہیں۔'' آریکہ نے حرا کے جانے کے بعد کہا۔

''ایک نہ ایک دن تو ظاہر ہو ہی جائے گا [illegible] کے سپ لینے لگا۔

وہ اس کے سامنے بیڈ پر ہی بیٹھی جب کہ رات [illegible] فاصلوں پر ہی سوتے تھے۔ حنین تو ایسی کوئی [illegible] کت کر ہی نہیں رہا تھا جو اسے موقع ملے سنانے کا۔

''آپ ظاہر کریں گے تو ہو گا۔'' وہ اس کے تنے ہو [illegible] کو بغور دیکھنے لگی جو چائے پینے کے بعد سیدھا ہو کے لیٹ گیا۔ پورے دن کی تھکن سے اس کے اعصاب [illegible] جسم تک تھک جاتا تھا۔

وہ چپ چاپ بیٹھی تھی اور حنین آنکھیں بند کیے اس کی موجودگی کی مہک [illegible] اتار رہا تھا۔ جس [illegible] سے زندگی میں شامل ہوئی تھی اسے یہی احساس خوشی دیتا تھا وہ اس کی ہے مگر [illegible] دماغ [illegible] غلط فہمی بیٹھالی تھی وہ کتنی دفعہ دور کرنی چاہی مگر وہ مان کے نہیں دی اور پھر وہ بھی جیسے [illegible] وہ [illegible] یب تو تھی مگر فاصلوں پر رہ کر مخاطب ہوتی تھی۔ اندر کی مردانگی پکار پکار کے کہتی اپنا حق وصول کر لے [illegible] ب تک وہ کنارے پر بیٹھا رہے گا۔

مگر نہیں وہ ایسا کچھ نہیں کرنا چاہ رہا تھا جو آریکہ کو اور زیادہ بدظن کر دے اور وہ اسے اپنے مزید بدظن [illegible] یسے برداشت کر سکے گا وہ اس سے سپاٹ اور سنجیدہ لہجے میں ہی مخاطب ہوتا تھا غصہ بھی ہنوز برقرار رکھا ہوا [illegible] ۔ اولین شادی کی شب اس نے برباد ہی کر دی تھی۔ اس کے ارمانوں کا خون ہی کیا تھا یہ اسے برداشت [illegible] ہیں ہوتا تھا۔

''چپ بیٹھی ہے یہ نہیں میرے قریب آ کے میرے سر میں اپنی انگلیاں ہی چلا دے۔'' یہ خواہشیں اندر سے بیدار ہوتی رہتی تھیں۔

''میں گھر چلی جاؤں۔'' یکدم ہی وہ گویا ہوئی۔

Ridadigest.com

حنین کا تخیلاتی عمل رک گیا اور آنکھیں پٹ سے کھول دی تھیں۔
''امی بلا رہی تھیں۔'' اس نے بتایا۔
''آپ کی امی بلا رہی ہیں مگر کیوں۔'' وہ اس سے بات سے بات نکال کے زیادہ سے زیادہ ا... قریب رکھنا چاہتا تھا۔
''جب سے شادی ہوئی ہے میں رکنے گئی نہیں ہوں۔'' اس نے حنین کی آنکھوں میں دیکھا وہ اسے ... بغور دیکھ رہا تھا۔ فوراً ہی نگاہ جھکالی اس کے سامنے تو اس کے اوسان خطا ہوتے تھے مگر پھر بھی خود کو پر اعتما... کے سامنے ڈٹی رہتی اور طنزیہ تیر بھی مار دیتی تھی۔
''شادی کے بعد تو لڑکیوں کا رکنا ختم ہی ہو جاتا ہے اور پھر تمہیں رکنے جانے کی کیا ضرورت ہے ر... جا کے گھنٹے دو گھنٹے رک کے مل آیا کرو۔'' اس نے نارمل انداز میں گویا اسے مشورہ ہی دیا۔
آریکہ نے سلگ کے گرم گرم گھونٹ اندر اتارے۔
''شادی کے وقت ہمارا کوئی ایگریمنٹ نہیں ہوا تھا کہ میں اپنے میکے رکنے نہیں جا سکتی۔''
''ایگریمنٹ تو اس کا بھی نہیں ہوا تھا کہ میری شادی کی رات خراب کی جائے میری تو پہلی پہلی شادی تھی۔'' لاجواب کرنے میں تو وہ ماہر تھا۔
وہ تو مارے حیا اور شرم کے جھینپ کے لب بھینچ لیے۔ حنین کے ہونٹوں پر مبہم معنی خیز مسکراہٹ تھی جو اس کا دل جلانے کو کافی تھی۔
''میری کون سی دوسری شادی تھی۔'' ... نے کہا۔
''پھر تو یہ تمہارے ساتھ بھی ظلم ہوا چچ چچ۔''
''پلیز مجھ سے یہ بے ہودہ گفتگو تو کیجیے نہیں۔'' ... کر لیا۔
اس نے کروٹ آریکہ کی جانب کی جو غصے میں پی ہوئی تھی۔
''بے ہودہ گفتگو میں نے کب کی ہے صرف شادی کی رات کا ذکر کیا ہے اس سے آگے کی کہانی تو ہماری کچھ اور ہی تھی یہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔''
''میں جب آپ کے لیے اہمیت اور حیثیت نہیں رکھتی ہوں تو پھر یہ سب ... گنجائش نہیں نکلتی۔'' نخوت اور ناگواری کا اظہار کیا۔
''اہمیت اور حیثیت رکھتی ہو جب ہی میری ماں نے تمہارا انتخاب کیا ورنہ میں اپنی پسند بھی بتا سکتا تھا۔''
''کیوں اپنی ماں کے انتخاب پر سر جھکایا، کر لیتے اپنی پسند سے۔'' اسے تو رونا ہی آ گیا دشمن جان کسی اور ہی کی بات کر کے اسے ڈی گریٹ کر رہا تھا۔
''زبردستی کے رشتے پائیدار نہیں رہتے۔''
''یہ تمہیں لگتا ہے زبردستی کا رشتہ ورنہ میں نے دل و جان سے سچے دل سے یہ رشتہ قائم کیا ہے۔''
''جھوٹ تو بہت اچھا بول لیتے ہیں۔ مجھے کیا آپ کی وہ ساری نفرت انگیز باتیں یاد نہیں مجھے دیکھ کر آپ کے سارے کام خراب ہوتے ہیں۔ میں منحوس ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو ہی آنے لگے۔
''تم میرے مذاق کو اتنا دل پر لوگی مجھے اندازہ نہیں تھا۔ ورنہ میں یہ شادی ہی نہیں کرتا۔'' اس نے دیکھا آریکہ کی آنکھوں میں آنسو نظر آ رہے تھے۔ دل کر رہا تھا اپنے ہونٹوں سے یہ آنسو چن لے مگر یہ دشمن جان تو

...یرنی بنی ہوئی تھی پاس آنے تک تو دیتی نہیں۔
''کیوں کی یہ شادی میری زندگی برباد کر دی۔''
''شٹ اپ۔ آواز کو دبا کے بولو۔ امی نے سن لیا تو اچھا نہیں ہوگا۔'' وہ ذرا درشت لہجے میں ڈپٹ کے ہی بولا تھا۔
''تمہاری غلط فہمیوں کو میں چاہ کے بھی ساری زندگی دور نہیں کر سکتا کیونکہ زندگی میں نہیں تم خود خراب کر رہی ہو۔ بہتری اسی میں ہے کہ صلح کر لو۔'' اس نے ہی ہتھیار ڈال دیے۔
''اونہہ اپنی امی کے کیے گئے رشتے کو زبردستی نبھانا چاہتے ہیں۔''
''سچ ایسا نہیں ہے آریکہ تم سمجھنے کی کوشش کرو۔'' وہ بے زاری کے ساتھ روہانسا بھی ہو رہا تھا۔
''میں آپ کو اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔''
''ٹھیک جو تمہارے دل میں آئے کرو۔'' وہ اٹھا کیونکہ اسے غصہ ہی بہت آنے لگا تھا۔
''تم نے تہیہ کر لیا ہے ہماری زندگی مجھے اذیت دو گی ایسا میں ہونے نہیں دوں گا اگر تم چاہتی ہو تو میں یہ رشتہ ختم کرنے کو تیار ہوں۔'' وہ ایسا سخت گیر بن گیا۔
آریکہ تو حواس باختہ ہی ہوئی چہرے کا رنگ فق ہو گیا یہ کیا کہہ رہا تھا اتنی آسانی سے رشتہ ختم کرنے کو کہہ رہا ہے۔
''میں نے اپنے مطلب کے لیے شادی ... کام کرنے والی چاہیے تھی۔'' وہ پھر بولا۔
''جو تمہارا فیصلہ ہو بتا دینا اور جتنا دل چاہے امی کی طرف رک کے آؤ میری تم پابند نہیں ہو اگر میں زبردستی کروں گا تو بھی تمہیں مجھ پر شک ہوگا۔ اپنے ... کے لیے ... کر رہا ہوں۔'' وہ بھنا کے روم سے ہی نکل گیا۔
یہ دیکھے بغیر آریکہ کے دل و دماغ کی بنیادیں ہلا گیا تھا۔ ایسے ... اپنی زندگی سے بے دخل کر سکتا ہے وہ تو اس کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی چپکے چپکے اسے چاہ رہی تھی اب جب ... بنا دیا گیا تھا۔ دل کو وہ خوشی نہیں تھی کہ حنین کی وہ پسندیدہ نہیں ہے وہ روئے جا رہی تھی۔

☆......☆

ثریا کو چپکی لگ گئی تھی۔ شکیل احمد سے وہ ایک بار بھی مخاطب نہیں ہوئی تھیں۔ ضیاء اور حمزہ سے وہ بات کر رہی تھیں مگر شکیل احمد سے لاتعلقی نہیں دکھا رہی تھیں ان کے کام بھی کر رہی تھیں۔
''ضیاء تم آفس میں کہیں بھی شہوار کو سیٹ کر دو۔''
''کیوں ابو۔'' وہ جیسے سمجھا نہیں۔
''وہ جاب کرنا چاہ رہی ہے میں نہیں چاہتا وہ اِدھر اُدھر کہیں بھی کرے۔'' ان کی نگاہ ٹی وی پر بھی تھی۔
ثریا ان دونوں کے لیے چائے بنا کے لائی تھیں وہ بھی سننے لگی تھیں۔ ذکر در شہوار کا تھا اور یہ بھی علم تھا ...ل فر کی فرینڈ ہے۔
''ابو آفس میں کہیں گنجائش نہیں نکلتی جو نیو اپائنٹ کیا جائے۔'' اس نے بھی صاف گوئی سے کہا۔
''نہیں نکلتی تو نکالو میں جو کہہ رہا ہوں تمہیں سمجھ نہیں آ رہی۔'' وہ تیز لہجے میں گویا ہوئے۔
ضیاء خفیف سا ہو گیا وہ یکدم غصے میں جو آ گئے تھے۔

''ابو معذرت چاہتا ہوں مجھے کچھ کہنا ہے۔'' وہ ڈرتے ڈرتے پھر گویا ہوا۔

ثریا کو شکیل احمد کے بدلتے رویے پر بھی حیرانگی تھی جو بیٹی کے آنے سے ہر وقت کھوئے کھوئے رہتے تھے۔

''اسے ضرورت کیا ہے جاب کی۔''

''شوق ہے چند دن کرنے دو پھر میں نے بھی سوچ لیا ہے۔ اس کا بندوبست کرنا ہے۔'' انداز پرسوچ تھا۔ ضیاء پہلو بدل کے رہ گیا۔

''آپ دونوں کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' ثریا کو مداخلت کرنی ہی پڑی۔

شکیل احمد نے کپ اٹھالیا تھا جب کہ ضیاء کسی گہری سوچ میں تھا شہوار کو وہ آفس میں رکھنا نہیں چاہتا تھا مگر ابو کی ضد کے آگے چپ ہو گیا۔

''صبح میں اس سے بات کر کے تمہیں بتا دوں گا تم اگر انٹرویو لینا چاہو تو لے لینا۔'' انہوں نے کہا۔

ضیاء اپنا چائے کا کپ لے کے کھڑا ہو گیا تھا۔

''یہ فارملیٹیز کی ضرورت کیا ہے جب اسے رکھنا ہے تو ٹھیک ہے۔'' وہ بھی رکھائی سے کہتا ہوا چلا گیا۔

ثریا نے فکرمندی سے دونوں باپ بیٹے کی گفتگو سنی تھی کبھی کبھی شکیل احمد اپنی چلاتے تھے ضیاء چڑ کے چپ ہو جاتا تھا۔

وہ بھی افسردگی سے اٹھنے لگیں۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں بیٹھیے۔'' چائے پی کے کپ ٹرے میں رکھا۔

''بیٹھ کے کیا کروں گی آپ کے لیے میری موجودگی کوئی معنی نہیں رکھتی۔'' لہجے کی افسردگی مایوسی اور خفگی عیاں تھی۔

''یہ تمہاری سوچ ہے ورنہ ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''ہاں یہ میری سوچ ہے ورنہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے میں ہی پاگل ہوں۔'' ان کی آواز بھرا سی گئی۔

''ثریا دیکھو تم مجھ پر غصہ ہوا کرو یہ تمہارا حق ہے مگر میں بھی مجبور تھا۔'' وہ اسے [illegible] تھے۔ ان کی سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ اپنی بیوی کو کیسے سمجھائیں۔

مجبور تھے آپ کو کب ایسا لگا میں آپ کے قابل نہیں اور میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکا۔''

''ثریا میں نے دھوکا نہیں کیا ہے تمہیں ساری کہانی بتائی ہے۔''

''کیسے یقین کرلوں یہ سچ ہے۔''

''میری بیٹی سے پوچھ لو۔'' وہ پھر گویا ہوئے۔

''مجھے ضرورت نہیں آپ کی بیٹی سے پوچھنے کی۔'' آنکھوں کی نمی آنچل کے کونے سے خشک کی۔

''آپ نے مجھے کبھی اس قابل ہی نہیں سمجھا جو کچھ بتاتے۔''

''کیا بتاتا میں نے شادی کرلی ہے تم کیا خوش ہوتیں بلکہ تم مجھے اور ضیاء کو چھوڑ کے چلی جاتیں۔'' انہوں نے کہا۔

''مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔''

''پلیز ثریا سمجھنے کی کوشش کرو میرا کوئی اس عورت سے جذباتی لگاؤ تو نہیں تھا۔'' وہ انہیں یقین دلانے کی

ہر ممکن کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔

''جذباتی لگاؤ کے بغیر اتنا سب کچھ نہیں ہو جاتا۔'' اشارہ ان کا نیل فر کی طرف تھا۔

''میں نے اس عورت سے نکاح کیا اور جو نکاح کے بعد کے تقاضے تھے صرف اسے یہ یقین دلانے کے لیے ادا کیے میں کوئی بد کردار نہیں ہوں، عزت دی ہے تو عزت رکھ بھی رہا ہوں۔''

ثریا لب کچل رہی تھیں یہ حقیقت تھی شکیل احمد کی توجہ اور محبت میں کوئی کمی نہیں تھی مگر اچانک سے کبھی کبھی ملک سے چلے جاتے تھے ثریا پریشان ہو جاتی تھیں۔ مگر پھر شکیل احمد انہیں سمجھا کے منا لیتے تھے۔

''جس وقت رانی نے مجھے امید سے ہونے کی خبر دی میں بہت پریشان ہو گیا تھا وہ بہت خوش تھی کیونکہ ایک عزت دار شریف آدمی کے بچے کی ماں بننے جا رہی تھی۔''

''پلیز مجھے نیند آ رہی ہے میں سونے جا رہی ہوں۔''

ان کے دل پر تو دکھوں کے پہاڑ گر رہے تھے۔

انہیں اس انجانی عورت سے حسد محسوس نہیں ہو رہا تھا جب کہ وہ اس دنیا میں بھی نہیں تھی۔ صرف انہیں شکیل احمد کے اتنا بڑا راز چھپانے پر دکھ ہو رہا تھا۔ انہیں اس قابل ہی نہیں سمجھا تھا جو انہیں کچھ بتاتے۔

شکیل احمد نے ایک [illegible] نگاہ ڈالی ان کی دماغ کی شریانیں پھڑپھڑا رہی تھیں۔ اتنا پریشان تو وہ رانی کے دنیا سے جانے پر نہیں [illegible] تھے جتنا ثریا کی ناراضی پر ہو رہے تھے۔

''ثریا مجھے یہ سزا نہیں دو۔ میری بیٹی ساری زندگی تمہاری نظروں کے سامنے نہیں آئے گی میں اسے الگ رکھوں گا۔'' وہ بھی ان کے پیچھے روم میں آ گئے۔

''یہ آپ کی بیٹی کا بھی گھر ہے آپ میری وجہ سے [illegible] پابندی عائد نہیں کریں، اپنی مرضی اس گھر میں رکھیں یا کہیں اور۔''

''مجھے خبر ہے سوتن کی بیٹی کو تم کیسے برداشت کرو گی۔''

''یہ آپ کی سوچ ہے کیونکہ آپ نے پہلے مجھ سے کب پوچھا۔ [illegible] کہہ رہے تھے جواب اتنی اہمیت دے رہے ہیں۔'' انہوں نے کٹیلا طنز ہی کیا۔

''میں اپنے بھائی کے پاس کینیڈا چلی جاؤں گی۔'' یکدم ہی انہوں نے فیصلہ [illegible]

''کیا کہہ رہی ہو ضیاء اور حمزہ کا سوچا ہے۔'' وہ سن کے گھبرا گئے۔

''ضیاء اور حمزہ کوئی بچے نہیں رہے سمجھ دار ہو گئے ہیں اور ضیاء کی بھی شادی ہو جائے گی سب سیٹ ہو جائے گا۔'' کتنی آسانی سے وہ بولتی جا رہی تھیں۔

''ثریا پلیز اس عمر میں مجھے یہ غم تو نہیں دو۔'' انہوں نے مجرموں کی طرح سر جھکا کے ان سے کہا۔

''غم کے لیے کسی بھی عمر کا ہونا ضروری تو نہیں۔'' اتنی گہری بات وہ بھی طنزیہ۔

شکیل احمد لاجواب ہی ہو گئے تھے۔

''ایسا کیوں کر رہی ہو۔'' انہوں نے ان کی ان سنی کی۔

''میں سمجھتی ہوں مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے آپ کی پراسرار شخصیت نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔'' وہ بیڈ پر بیٹھ گئی تھیں۔ شکیل احمد کی جانب دیکھنے سے گریز ہی کر رہی تھیں۔ وہ اتنے حواس باختہ اور پریشان ہو رہے تھے ثریا کو ان کے دل کی کیفیت کا بھی اندازہ تھا۔

''میری شخصیت تو تمہارے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے۔''
''یہ آپ کو لگتا ہے ورنہ حقیقت تو کچھ اور ہی تھی۔''
''ثریا میرے گناہ کی سزا اتنی بڑی نہیں دینا کہ تم پھر بعد میں مجھے ڈھونڈتی پھرو تمہارا جو فیصلہ ہے میں تمہیں نہیں روکوں گا زبردستی بھی نہیں کروں گا کہ تم میرے ساتھ زندگی گزارو۔ میری بھی کون سی لمبی زندگی ہے کب کہاں رک جائے۔''
ثریا تو تڑپ ہی گئیں ایسا تو وہ ہرگز ہرگز بھی نہیں چاہتیں تھیں۔
''میری بیٹی کی زندگی میں محرومیاں ہی ہیں وہ ویسے بھی مجھ سے یہی کہہ رہی ہے میں تمہیں مجبور نہیں کروں اسے قبول کرو، وہ تمہارے سامنے تک نہیں آئے گی۔'' لہجے میں اتنا درد اور محرومی تھی وہ روم سے ہی چلے گئے۔

ان کا دل بڑا تھا انہیں نیل فر سے کوئی حسد نفرت نہیں تھی اس کی جو کہانی سنی انہیں افسوس ہی ہوا مگر دکھ تو شکیل احمد نے دیکھا تھا [illegible] پاس ہو کے بھی وہ ان کے پاس نہیں تھے ہر وقت عجلت میں سوچوں میں گھرا ہی دیکھا تھا اچانک سے [illegible] گھنٹوں کے لیے غائب ہو جاتے تھے یہ انہیں اذیت ناک سزا لگتی تھی۔

☆......☆

اسے یہاں آئے ہوئے ایک ہفتہ [illegible] اس کے سر کی بینڈیج بھی کھل گئی تھی۔ حمزہ اور شکیل احمد روز ہی آتے تھے۔
حمزہ تو اکثر رات گئے تک جاتا تھا۔
نیل فر کا دل گھبرا رہا تھا وہ روم سے نکل آئی تھی [illegible] جائزہ لے رہی تھی کاسنی پرنٹڈ کپڑوں میں سرخ وسپید وہ کوئی اپسرا ہی لگ رہی تھی۔ فہر کے آنے کے بعد تو وہ روم میں آجاتی تھی کوشش کرتی کم سے کم اس کا سامنا ہو۔ اب اسے فہر سے ڈر تو نہیں لگ رہا تھا مگر اس کی [illegible] نگاہیں جانے کیوں کسی طوفان کا پیش خیمہ لگتی تھیں۔ وہ اس کی جانب دیکھنے تک سے گریز کرتی [illegible] سامنا ہو ہی جاتا تھا۔
وہ سوچنے لگی کچن میں جائے دیکھے زہرہ کیا کر رہی ہیں۔ عموماً وہ ملازمہ کے ساتھ چھبجے کچن میں ہی ہوتی تھیں۔
''مجھے تو بھائی صاحب نے نہیں بتایا۔''
زہرہ کی حیرانگی سے بھری آواز آئی نیل فر کے قدم کچن کے باہر ہی رک گئے۔
''ماموں جان آپ کو بتا کے پریشان نہیں کرنا چاہتے ہوں گے یہ تو مجھے ضیاء نے بتایا ہے۔''
فہر انہیں جانے کس بارے میں بتا رہا تھا نیل فر تجسس کے مارے متوجہ ہو گئی کیونکہ ذکر اس کے باپ کا تھا۔
''بھابی کو ہو کیا گیا ہے۔''
''ضیاء کہہ رہا تھا مامی ماموں جان سے سخت ناراض ہیں اور وہ کہہ رہی تھیں وہ اپنے بھائی کے پاس کینیڈا میں ہی رہیں گی۔''
''بھابی سے میں خود بات کرتی ہوں یہ تو بھائی صاحب کے ساتھ بھی ظلم ہے اور بچوں کے ساتھ بھی۔ وہ

نیل فر کو قبول نہیں کرتیں نہ کریں مگر اس عمر میں بھائی کو رسوا تو کر کے نہ جائیں۔'' زہرہ کو دکھ و افسوس ہو رہا تھا۔
''کیا ابو کی وائف کینیڈا جا رہی ہیں۔'' وہ تو سن کے پریشان ہونے لگی۔
ایسا تو وہ قطعی نہیں چاہے گی اس کی وجہ سے باپ اور بھائیوں کو دکھ ملے۔
''آپ ان سے کوئی بات نہیں کیجیے گا۔'' فہر نے کہا۔
''ارے ایسے کیسے چھوڑ دوں اس میں نیل فر کا بھی کیا قصور ہے ماں تو اس کی دنیا سے چلی گئی اور باپ کی محبت بھی وہ ترس ترس کے لے رہی ہے۔'' انہیں بھتیجی سے بھی محبت تھی۔
''آپ نیل فر کے سامنے کچھ نہیں کہیے گا۔''
نیل فر نے قدم موڑ لیے تھے اس کی بے چینی بڑھ گئی تھی یہ کیا ہونے والا تھا اسے کچھ تو کرنا ہوگا ورنہ وہ تو چلی جائیں گی اور پھر وہ ضیاء اور حمزہ کو ماں سے محروم رہیں ماں کی محرومی کا غم کوئی اس سے پوچھے کیا ہوتا ہے۔ باپ بھائی [illegible] مہمانوں کی طرح ملنے آتے تھے اس کو ہمیشہ اس کی کمی کا بھی احساس رہتا تھا اور آج جب کہ اسے سب [illegible] گیا تھا مگر وہ خوشی ابھی تک نہیں ملی تھی اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں دے سکتی وہ خود یہاں سے چلی جائے گی۔'' اس نے یہ فیصلہ بھی لمحوں میں کر لیا تھا۔
دروازے پر ناک ہوئی تو چونک گئی۔
''کون ہے آجائے۔'' زہرہ کے [illegible] وقت کوئی ہو بھی نہیں سکتا تھا وہ سنبھل گئی۔
لاک گھما کے فہر کا چہرہ نمودار ہوا وہ چونک گئی [illegible] اری کا اظہار بھی کیا۔
''آپ کو امی بلا رہی ہیں اور ہاں چوری چوری [illegible] تیں نہیں سننی چاہیے۔'' فہر نے اسے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔
نیل فر جزبزسی ہو گئی مگر اس کی جانب دیکھنے سے گریز کیا۔
''میں نے کسی کی کوئی باتیں نہیں سنی۔'' تڑخ کے رکھائی زدہ لہجے میں کہا۔
''نیل فر میں نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔'' وہ چوکھٹ میں ایستادہ تھا اور وہ اسے [illegible] بنا کے دیکھ رہی تھی۔ اس ظالم کا ہی تو کیا دھرا تھا جو آج اس کے در پر آگئی تھی۔ جانے قسمت اس کے [illegible] اور کیا کچھ کرنے والی تھی۔
''آجاؤ امی بلا رہی ہیں۔'' مسکرا کے کہہ کے وہ نکل گیا تھا۔
نیل فر نے دانت ہی پیسے فہر سے جانے کیوں بیر ہی ہو گیا تھا جتنا وہ اس سے بچتی تھی آج اسی کے در پر وہ بیٹھی تھی۔
''پھوپو آپ نے بلایا۔'' اس نے دیکھا وہ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی تھیں۔ لوازمات سے ٹیبل سجی تھی۔
فہر اپنی چیئر سنبھال کے بیٹھ گیا تھا۔ کن انکھیوں سے اس کے تاثرات جاننے کی بھی کوشش کی۔
''ہاں بیٹھو میں نے کباب تلے ہیں رائتے اور چٹنی کے ساتھ کھاؤ تمہارے منہ کا مزہ بھی ٹھیک ہو جائے گا بیماری میں پھیکے کھانے کھا کھا کے منہ کا ذائقہ خراب ہو جاتا ہے۔''
''پھوپو اس وقت دل نہیں کر رہا۔'' وہ فہر کے سامنے بیٹھنا نہیں چاہتی تھی وہ کباب رائتے میں ڈبو کے مزے لے لے کے کھا رہا تھا۔

''ارے کیا تکلفات میں پڑی رہتی ہو بیٹھو اور کھاؤ دیکھو کیسی کمزور ہوتی جا رہی ہو۔''
''کمزور تو یہ پہلے بھی تھیں۔'' زیرلب منمنا کے بولا جو صرف نیل فر نے سنا۔
''تم نے کب دیکھا پہلے۔'' زہرہ نے سن لیا تھا وہ حیرانگی سے پوچھنے ہی لگی تھیں۔
''پہلے سے مطلب ہوسپٹل میں۔'' وہ گڑبڑا گیا اور نیل فر بھی گھبرا گئی۔
''ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو ہوسپٹل میں زیادہ کمزور لگ رہی تھی۔ یہاں ایک ہفتہ ہو گیا ہے ذرا صحت ٹھیک ہو رہی ہے۔'' انہوں نے گویا ستائش کہا۔
''امی پلیز چائے صابرہ سے تو قطعی نہیں بنوایئے گا۔'' وہ منہ بسور کے بولا۔
''میں نے بنائی ہے لے کے آتی ہوں۔ نیل فر بیٹا کھانا شروع کرو۔'' انہوں نے پلیٹ بنا کے اس کے آگے کی تھی اور خود چائے لینے چلی گئی تھیں۔
''اتنا کیوں سوچ رہی ہو کھاؤ صحت تو ٹھیک کرو مستقبل قریب، میں میرے بچے بھی پالنے ہیں۔'' بے باکی تھی ہمیشہ [illegible] طرح ابھی بھی اس کے لہجے میں وہ تو کانوں کی لوؤں تک سرخ ہو گئی مگر غصے سے اسے گھورا جو مسکرا رہا تھا۔
''شٹ اپ۔''
''کچھ بھی کہو یہ میری [illegible] سچائی ہے جو تم آج میرے سامنے میرے گھر میں بیٹھی ہو۔ ایک دن ہمیشہ کے لیے میرے پہلو میں بھی آ جاؤ گی۔''
وہ جھٹکے سے کھڑی ہو گئی ایکسیڈنٹ کے بعد [illegible] کچھ زیادہ ہی حساس ہو گئی تھی۔
''بیٹھ جاؤ ابھی تمہارا زخم ٹھیک نہیں ہے [illegible] کرو۔''
''میں مر جاؤں گی مگر آپ سے؟'' آگے بو[illegible] گئی۔
''کیا آپ سے شادی نہیں کروں گی یہی کہنے والی تھیں [illegible] اسے سلگائے جا رہا تھا اور وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ زہرہ چائے کی ٹرے لے آئی تھی۔
''ارے لڑکی تم نے کھانا ہی نہیں کھایا۔''
''پھوپو سچ کہہ رہی ہوں دل نہیں کر رہا۔'' اور واقعی فہر کی ایسی بے باکانہ [illegible] تو اس کا کھانے کا دل ہی نہیں کر رہا تھا۔ وہ اٹھنے لگی۔
''آپ تو بھاگنے پر تلی رہتی ہیں۔ روم سے نکل کے بھی بیٹھا کریں۔'' فہر اپنی عادت سے باز نہیں آیا۔
زہرہ نے اسے ہاتھ پکڑ کے بٹھا دیا۔
''فہر ٹھیک کہہ رہا ہے ہر وقت کمرے میں نہیں رہا کرو بیٹا یہ تمہارا ہی گھر ہے۔''
نیل فر کو زبردستی کھانا پڑ رہا تھا اور وہ اس کی حالت سے مزے لے رہا تھا یہاں آنے کے بعد پہلی بار اس نے نیل فر کو ایسے مخاطب کیا اور چھیڑا بھی۔
اس نے کباب کو زبردستی ہی نگلا ذہن اس کا پہلے ہی الجھا ہوا تھا۔ شکیل احمد کی فکر ضیاء اور حمزہ کی فکر ان کی ماں ان کو چھوڑ کے جا رہی تھی۔
''تھوڑا اگر میری ماں کا ہاتھ بٹا دیں تو ہرج تو نہیں۔''
''فہر کیا ہو گیا ہے وہ مہمان ہے اور بیمار بھی ہے ہاتھ بٹانے کی ضرورت نہیں ملازمہ رکھی ہوئی ہے۔''

انہوں نے فہر کو خشمگیں نگاہوں سے گھورا تھا۔
نیل فر خفیف سی ہو گئی فہر کی پہلے ٹون دوسری تھی اور اب وہ اپنے گھر میں زیادہ ہی اکڑ بھی رہا تھا۔
''جاؤ آرام کرو۔'' انہوں نے اس کے رخسار پر تھپکی دی وہ تیزی سے اٹھی اور چلی گئی۔
دل کر رہا تھا فہر کا منہ نوچ لے جو اس سے مسلسل جلانے والی باتیں ہی کر رہا تھا۔
''مستقبل قریب میں میرے بچے پالنے ہیں۔'' یہ جملہ اس کے کان میں بازگشت بن کے گونج رہا تھا۔ اسے تو شرم و غصے سے پسینے ہی آ رہے تھے مزید وہ یہاں رہی تو اس کی بے باکیاں بڑھتی ہی جائیں گی اور ایسے میں یہاں سے جانے کی ضد کی تو شکیل احمد کو نئی پریشانی لاحق ہو جائے گی اور سب ہی سوال اٹھائیں گے کیوں جا رہی ہے وہ پھر سب کو کیا بتائے گی۔
''نہیں ابھی [illegible] ایسا کچھ نہیں کرے گی اور فہر سے ڈر کے کیوں جائے ڈرانے کی باری تو اس کی ہے۔'' اس کے دماغ نے [illegible] سوچ لیا تھا۔
''ویسے فہر ٹھیک [illegible] اسے زہرہ کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔'' وہ لان میں کھلنے والی کھڑکی میں کھڑی تھی اور باہر لان میں دیکھ رہی تھی [illegible] دھیرے دھیرے ہو رہی تھی۔ لائٹس بھی آن تھیں اس کا دل بہت اداس اور ویران ہو گیا اس کے پاس جانے [illegible] آنے سے پہلے روٹھ کیوں جاتی ہیں۔ دنیا میں آنے کی اسے اتنی بڑی سزا کیوں مل رہی تھی۔
''کاش امی آپ اتنی جلدی نہیں جاتیں میر[illegible] کچھ بھی نہیں ہے کوئی رشتہ بھی میرا نہیں ہے۔''
رنجور اور ملول سی ہو رہی تھی۔
چند دنوں پہلے اس کی زندگی کیا تھی اور کیا تبدیلی [illegible] لے نے اسے آزمائش میں رکھا ہوا تھا کہیں تو کوئی کوتاہی کوئی گناہ تو ہوا ہے ورنہ سزا ایسے تو کبھی نہیں ملتی۔ آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے تھے۔ چہرہ اس کا مرجھا کے رہ گیا تھا۔ [illegible] فر سے چند دن بعد کی نیل فر مختلف تھی۔
''مجھے ایسا کچھ کرنا ہے جو سب خوش رہیں۔'' اس نے مصمم ارادہ باندھ لیا تھا۔ حمزہ [illegible] ساتھ وہ گھر جا کے ثریا سے گڑگڑا کے کہے گی وہ نہ جائیں اتنی بڑی سزا دے کے نہ جائیں وہ خود کو ہی سب کی نظروں سے ہٹا لے گی۔
''میری قسمت میں اگر یہ ہی ہے تو پھر مجھے وہی کرنا ہے جو مجھے ٹھیک لگ رہا ہے۔'' کھڑکی سے وہ ہٹ گئی تھی اور صرف وہی سوچ تھی جو اسے کرنا تھا۔

☆......☆

وہ یونیورسٹی جانے کے لیے تیار کھڑی تھی آخری کلاسز اس کی چل رہی تھیں اس کے بعد اس کے ایگزام ہو جانے تھے اس نے سوچ لیا تھا رزلٹ کے بعد وہ کسی کالج میں لیکچرار کی جاب کرے گی۔
''امی فواد سے کہیں مجھے یونیورسٹی ڈراپ کر دے۔'' وہ بشریٰ سے کہہ رہی تھی۔
''فواد کو اٹھانے کے لیے ایک بندہ چاہیے جو اسے بار بار جگاتا رہے دس گھنٹے میں اٹھے گا تم شہزیل کے ساتھ کیوں نہیں جا رہی ہو۔''
''مجھے اس کے ساتھ نہیں جانا۔'' اس نے سوچ لیا تھا وہ شہزیل سے کم مخاطب ہو گی تاکہ اس کے دل

اور آنکھوں میں جو ناگواریت نظر آتی ہے وہ کسی طرح تو ختم ہو۔

''آیئے۔'' اس نے ماہا کو بلایا۔ بلیک پینٹ پر گرے شرٹ میں ملبوس وہ چارمنگ لگ رہا تھا۔ ماہا نے نگاہ چرالی۔

''میں فواد کے ساتھ جا رہی ہوں۔'' نروٹھے پن سے کہا۔

''فضول کے نخرے نہیں کرو جاؤ۔'' بشریٰ نے ڈپٹ کے کہا۔

شہزیل باہر نکل گیا تھا اور وہ جلبلا کے رہ گئی۔

''آپ کیوں مجھے اس کے ساتھ بھیج رہی ہیں۔''

''روز جاتی ہو۔'' انہوں نے کہا۔

''دیکھو ہر بات پر غصہ اچھا نہیں ہوتا ہے اور اس کو کیوں دکھاتی رہتی ہو۔''

''اس لیے کہ وہ مجھے لاابالی سمجھتا ہے۔''

''خود کو بدلو۔'' انہوں نے پھر کہا۔

ماہا پیر پٹختی ہوئی چلی گئی فرنٹ ڈور کھولا اور دھڑ سے بیٹھ گئی شہزیل نے اس کے تیور دیکھے جو خاصے خطرناک لگ رہے تھے۔ بھڑکی ہوئی بہت ہی لگتی تھی اس وقت تو اس کا حسن اور جگمگا رہا تھا پنک سوٹ میں غازوں پر سرخ سرخ لالی آنکھوں میں غصہ ہی تھا۔ شہزیل نے اس کو خاصی گہری نگاہوں سے ہونٹوں پر مبہم سا تبسم لیے دیکھا منیب احمد نے جب سے شادی کی بات کی تھی شہزیل نے خود کو ذہنی طور پر تیار ہی کر لیا تھا اور ماہا کو سوچنا شروع کر دیا تھا اس کی خاموش محبت تھی اس لڑکی سے جانے کب لگاؤ ہو گیا اپنی تمام تر بے وقوفانہ حرکتوں سمیت اسے وہ معصوم سی چھوٹی بچی لگتی جو ہر وقت اپنی پسندیدہ چیز حاصل کرنے کے لیے ضدیں کرنا رونا دھونا شروع کر دیتی تھی اور اس نے شہزیل کو بھی اسی طرح حاصل کر لیا تھا۔ مگر شہزیل نے کبھی اپنے جذبات اور محسوسات سے اسے آگاہ ہی نہیں دی تھی جب کہ ماہا ہمیشہ اپنے جذبات اس پر عیاں کرتی رہی تھی اور ابھی بھی بچوں کی طرح اسے غصہ ہی دکھا رہی تھی مگر سمجھ نہیں پا رہا تھا کیوں غصہ آ رہا ہے۔ ''آپ ہر وقت غصے میں کیوں رہنے لگی ہیں۔'' اس نے استفہامیہ سوال اٹھایا۔

ماہا نے چتون سکیڑ کے اس پر نگاہ ڈالی اور پھر نخوت سے واپس ونڈ اسکرین سے باہر کر لی۔

''میں تم سے بات تک نہیں کرنا چاہتی۔'' ''اب میرا کیا قصور ہو گیا۔'' وہ ہنسا۔

''سارے قصور تمہاری طرف ہی نکلتے ہیں۔'' دانت پیسے۔

''میں سمجھا نہیں۔'' گاڑی وہ بڑی مہارت سے ڈرائیو کرتا تھا ماہا نے اس کی اس خوبی کو دل میں سراہا تھا۔

''چپ چاپ ڈرائیو کرو۔''

''دیکھیں سارے فیصلے آپ کی مرضی کے مطابق ہو رہے ہیں ابھی بھی مجھ پر غصہ ہے۔''

''کون سے فیصلے۔'' وہ چونک کے گھومی۔

''شادی کر تو رہا ہوں پھر بھی آپ مجھ سے ناراض ہیں۔''

''سنو شہزیل مجھے تم سے ایسے زبردستی شادی نہیں کرنی تم بابا کے دباؤ میں آ کے رضامندی دے دو جب کہ تم نے خود کہا تھا تمہارے گھر والے جب تک تمہیں ملے گیں تم اس وقت تک شادی نہیں کرو گے۔'' وہ گویا ہوئی۔

شہزیل نے گاڑی سائیڈ پر لا کے روک دی۔

''میرے گھر والوں کا کوئی اتا پتہ نہیں چل رہا کب تک میں آپ کو اٹکا کے رکھوں گا۔ دادی جان کو الگ پریشانی ہے۔'' اس کے لہجے میں افسردگی تھی۔

''دادی جان کی باتوں کا تم نے اتنا اثر لیا اور ایک دم فیصلہ کر لیا۔'' ماہا کو ایسے تو شادی کرنی ہی نہیں تھی شہزیل دوسروں کی مرضی کے آگے سر جھکا رہا تھا اس کے دل میں محبت تو نہیں ہوئی وہ اپنے لیے شہزیل کی آنکھوں میں محبت دیکھنا چاہتی تھی اس کی سمجھ آ گیا تھا بغیر محبت کے زندگی خوب صورت نہیں ہو سکتی۔ ساری زندگی وہ شہزیل کا انتظار کر سکتی تھی لیکن کسی اور سے قطعی شادی نہیں کرے گی۔

''میں نے بہت سوچ سمجھ کے فیصلہ کیا ہے۔''

''کیا سوچ سمجھ کے فیصلہ کیا میں بھی تو سنوں۔'' ماہا کا لہجہ فہمائشی اور طنزیہ ہو گیا۔

''میرے گھر والوں کا کچھ اتا پتہ نہیں ہے آپ کب تک انتظار کریں گی آپ کے ماں و باپ کو آپ کی بہت فکر ہے۔''

''تمہارے کہنے کا مطلب ہے میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور میں بوجھ بن رہی ہوں اپنے ماں و باپ کے لیے۔'' وہ تو الٹا ہی چل گئی۔

شہزیل تو جھٹکا کھا کے رہ گیا ماہا تو بہت کڑوی ہو رہی تھی جو منہ آیا بولتی گئی۔

''آپ میری ہر بات کا غلط مطلب کیوں نکالتی ہو۔'' اسے بھی غصہ آ گیا۔ ماہا پہلو بدل کے رہ گئی۔ ''تم بول ہی ایسے رہے ہو۔''

''آپ کان کھول کے سن لیں آپ کی مرضی کے مطابق میں نے فیصلہ کر لیا ہے میں شادی کر رہا ہوں۔'' آنکھوں میں غصہ اور لہجے میں اس کے مصمم ارادہ تھا۔

''مجھے ایسے شادی کرنی ہی نہیں ہے اور پلیز گاڑی چلاؤ میرا لیٹ ہو رہا ہے۔'' وہ تو تنک ہی گئی۔

شہزیل نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور وہ منہ گھما کے بیٹھ گئی وہ مسلسل اسے دیکھے جا رہا تھا۔

یونیورسٹی آ گئی تھی وہ اس سے بات کیے بغیر ہی اتر گئی۔

''واپسی میں، میں لینے آؤں گا۔''

''شکریہ اس کی ضرورت نہیں میں فواد کو بلا لوں گی۔'' نخوت سے کہا۔

''میں نے جو کہا وہ سنیں میں لینے آؤں گا۔'' وہ سنجیدہ اور درشت آواز میں گویا ہوا۔

ماہا پیر پٹختی ہوئی اندر چلی گئی اس نے تفکر زدہ انداز میں اسے دیکھا تھا۔

ماہا کی سمجھ نہیں آ رہا تھا آخر وہ چاہتی کیا ہے۔ شادی کرنا چاہ رہا ہے تو بھی اسے اعتراض ہے جب کہ اس نے تو بہت سوچنے کے بعد رضامندی دے دی تھی منیب احمد باپ تھے اور ہر باپ کو اپنی بیٹی کی ایسے ہی فکر ہوتی ہے۔

شہزیل کو بھی اپنی بہن یاد آ گئی جو ماہا کی عمر کی ہو گی جانے کیسے ہو گی شادی ہوئی ہو گی یا نہیں، ثمرہ اس سے بھی چھوٹی تھی وہ گاڑی چلا رہا تھا مگر خیالوں میں بھی گم تھا اس کی شخصیت بکھر کے رہ گئی تھی۔

(جاری ہے)

سلمیٰ غزل

تشنہ آرزو

دن بھر کا تھکا ہارا کاشان جب بستر پر لیٹا تو جسم تھکن سے چور تھا۔ ذہنی مریضوں نے اسے خود بھی آدھا مریض بنا دیا تھا۔ شروع شروع میں تو اس کو اپنے مریضوں سے بڑی ہمدردی ہوتی تھی مگر آہستہ آہستہ اس کے اعصاب جواب دینے لگے اور چڑچڑاہٹ اور جھنجھلاہٹ اس پر حاوی ہونے لگی۔ ایسی المناک داستانیں سننا پڑتیں کہ وہ کانپ جاتا کہ انسان انسانیت کی معراج سے کتنا گر گیا ہے۔ اس کے مریض انسانوں [illegible] خوردہ تھے اور ان کے ذہنوں کو انسانوں کی [illegible] نے ذہنی مریض بنا دیا تھا۔ کوئی ماں باپ کے اختلافات [illegible] لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے محرومی کا شکار تھا تو [illegible] نے دکھ دیا تھا اور وہ ہر لڑکی سے نفرت کرنے لگا [illegible] کو حالات کی تلخیوں، معاشی ناہمواریوں اور زمانے [illegible] بے ثباتی نے اذیت پسند اور جنونی بنا ڈالا تھا ان غمناک داستانوں نے اس کی روح تک کو زخمی کر ڈالا تھا کبھی کبھی تو وہ ساری رات جاگ کر ان درد بھری داستانوں کا عنوان تلاش کرنے لگتا اور نیند نہ پوری ہونے کی وجہ سے مریضوں کی شامت آجاتی پھر خود ہی شرمندہ ہو کر ان سے معذرت کرنے لگتا۔ بھلا ان مریضوں کا کیا قصور؟ وہ تو خود زمانے کے ٹھکرائے ہوئے حالات کے ستائے ہوئے ہیں۔ ایک عمر رسیدہ ملازم مستقل اس کے ساتھ تھا۔ جو اس کا مزاج آشنا بھی تھا اور ہمدرد بھی۔ وہ سونے کے لیے بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا جب لاؤنج کا فون بول اٹھا باہر خادم حسن کسی سے بات کر رہا تھا اور بتا رہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب سو چکے ہیں مگر شاید کوئی ایسی ایمرجنسی تھی کہ وہ دروازہ نوک کر کے اندر آ گیا۔

''معاف کیجیے گا صاحب! میں نے انہیں آپ کے سونے کا بتا دیا تھا مگر شاید ان کی بیوی کے ساتھ کوئی ایمرجنسی ہو گئی ہے۔ وہ بری طرح گڑگڑا رہے تھے آپ سے ملنے کے لیے۔'' خادم حسن شرمندگی سے بولا۔

''اچھا ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے میں چینج کر کے آتا ہوں۔''

☆......☆

کاشان ڈیفنس کے بنگلے کے بڑے سے گیٹ پر پہنچا تو وہ صاحب جو شاید اس کے انتظار میں گیٹ پر ہی ٹہل رہے تھے تیزی سے آگے بڑھے۔

''معاف کیجیے گا آپ کو بے وقت تکلیف دی۔'' کاشان کے ذہن میں لڑکے کا تصور تھا جو بیوی کے لیے [illegible] تو عمر رسیدہ انسان تھا۔

''مگر آپ [illegible] تکلیف سنی تھی کہ میں بلانے پر مجبور ہو گیا۔ عرصہ [illegible] ہیں مسکان کوئی جسمانی عارضہ نہیں ہر ٹیسٹ [illegible] ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ ذہنی دباؤ کی وجہ سے ہوش و حواس کھو بیٹھتی ہیں اور ڈپریشن میں چلی جاتی ہیں آپ پلیز چل کر دیکھ لیں۔'' بے حد پرآسائش اور پرتعیش بیڈروم میں کوئی خاتون لیٹی ہوئی تھیں۔ اس کے قدم زمین میں گڑ گئے اور دماغ سن ہو گیا۔ اس کو دل کی دھڑکن کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔ اس نے خود کو سنبھالا اور بلڈ پریشر چیک کرنے لگا۔

”سب ٹھیک ہے؟“ شوہر نے بے چینی سے پوچھا جس کا نام التمش تھا۔

”گھبرانے کی کوئی بات نہیں میں انجکشن لگا رہا ہوں جلد ہی ہوش آجائے گا۔“ کاشان نے خود پر قابو پاتے ہوئے سکون سے کہا پھر پوچھنے لگا۔

”آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟“ وہ جانتا تھا مگر اپنے کرب آمیز لمحات کو سمیٹنا چاہتا تھا۔

”پانچ سال۔“ اب وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئے تھے۔ تاکہ مریضہ ڈسٹرب نہ ہو۔

”ان [illegible] کا آغاز کب ہوا تھا؟“ کاشان نے سوال کیا۔

”شادی کے [illegible] سال بعد ایک دن بیٹھے بیٹھے رونے لگیں پھر بے ہوش [illegible]۔“

”گویا شادی کے دو سال بعد [illegible]“ کاشان نے سوچتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں بالکل اس سے پہلے بالکل [illegible] تھیں ویسے بھی گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں [illegible] مسائل ہیں اور مسکان میں تو میری جان ہے۔ وہ میری بیوی ہی نہیں دوست بھی ہے۔“ التمش کے لہجے میں فخر اور مان تھا۔

”اور آپ کی ازدواجی زندگی......“ کاشان نے ضبط کرتے ہوئے سوال کیا۔

”لاجواب بہترین مگر مسکان زود رنج اور حساس بہت ہے چھوٹی سی بات دل پر لے لیتی ہے میں تو سمجھا سمجھا کر تھک گیا ہوں۔“ التمش دکھ سے بولے۔

”گویا آپ سے بہت محبت کرتی ہیں۔“ اس کا دل چاہا جواب نا میں ہو کیونکہ خیال رکھنا اور محبت کرنا دو علیحدہ چیزیں ہیں مگر التمش کا جواب تھا۔

”میرے خیال میں تو بہت زیادہ توقعات سے بھی بڑھ کر۔“ التمش کیا کیا کہتے رہے مگر کاشان ماضی کے دھند میں گم ہو چکے تھے التمش کیا کہہ رہے تھے انہیں کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

☆......☆

”آج سے دس سال پہلے جب اس کی مسکان سے ملاقات ہوئی تو وہ میڈیکل میں تھا اور مسکان Bsc کر رہی تھی ان دونوں کی ملاقات اتفاقاً مسکان کی ایک دوست کے توسط سے ہوئی تھی جو میڈیکل کالج میں اس سے جونیئر تھی انٹر تک دونوں نے ساتھ ہی پڑھا تھا پھر یہ ایک ملاقات بہت ساری ملاقاتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اور دونوں بے خبری میں ہی ایک دوسرے کے قریب آگئے۔ ان ملاقاتوں کا انجام کیا ہوگا؟ دونوں انجام سے بے خبر دو دل ایک ساتھ دھڑکنے لگے۔ مسکان کا تعلق صوبہ سندھ کے ایک گاؤں سے تھا۔ لیکن علم حاصل کرنے کے لیے اس کے ابو بمعہ بیوی بچوں کے کراچی شفٹ ہوگئے تھے انہیں بچوں کو پڑھانے کا شوق تھا مگر ان کو اپنی روایات بھی عزیز تھیں۔ جن کا وہ بار بار بچوں کے سامنے ذکر کرتے رہتے تھے۔ مسکان کے دو بھائی پڑھنے باہر گئے تو وہیں سیٹل بھی ہوگئے شادیاں بھی کر [illegible] کا ماں باپ کو بے حد دکھ تھا اب ان کی توجہ کا محور [illegible] مسکان تھی۔ مسکان حسین ہونے کے ساتھ شوخ اور [illegible] تھی اور اس کی یہ ہی خوبی کاشان کے دل میں اتر [illegible] کاشان اپنے حلقہ احباب میں انتہائی بورنگ اور خشک [illegible] تھا کلاس فیلوز اسے غیر رومانی اور کتابی کیڑا کہتے تھے مگر نہ جانے کس طرح مسکان اس کے دل و دماغ پر اس طرح چھائی کہ وہ بے بس ہو گیا اور اسے یقین تھا کہ یہ دوستانہ ملاقاتیں گہرے روابط کا پیش خیمہ ثابت ہوں گی۔ جوں ہی اس کا میڈیکل مکمل ہوا اس نے رشتہ لانے کی خواہش ظاہر کی اور مسکان کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

”یہ ناممکن ہے۔“ وہ بمشکل تمام کہہ پائی۔

”کیا ناممکن ہے؟“ وہ جھنجلا کر بولا۔

”کیا اب تک تم مجھ سے مذاق کر رہی تھیں۔ یہ فلرٹ تھا یا تم مجھے بے وقوف بنا رہی تھیں۔“ وہ غصے سے دھاڑا پھر مسکان کی آنکھوں میں آنسو آر کانپتے ہوئے لرزیدہ بدن کو دیکھ کر نرمی سے گویا ہوا۔

”مسکان! میں جانتا ہوں تم سندھی ہو اور میں پنجابی مگر ہیں تو ایک خدا کو ماننے والے مسلمان بے شک میرے آباؤ اجداد وڈیرے نہیں مگر ہم لوگ تعلیم کی دولت سے مالا مال ہیں روپے پیسے کی بھی کمی نہیں۔ پاکستان کی بنیادوں میں ہمارے بزرگوں کا لہو شامل ہے مجھے فخر ہے کہ میرے دادا جنگ آزادی کے شہیدوں میں شامل تھے۔ یقیناً تم نے اس بات کو محسوس کیا [illegible] مجھے تم سے سچی محبت ہے میں دل و جان سے [illegible] اپنانا چاہتا ہوں اور اس کے لیے تم جو کہو گی وہ کرنے کو [illegible] رہوں گا مگر خدارا منہ سے کچھ تو بولو۔“ آخر میں اس کا لہجہ ملتجیانہ ہو گیا اور مسکان پھٹ پڑی۔

”کاشان! غلطی تمہاری نہیں [illegible] تمہاری محبت کی پذیرائی کرنے سے پہلے [illegible] بار سوچنا چاہیے تھا کہ میں اس کی اہل بھی ہوں یا نہیں مگر میں بھی کیا کروں محبت سوچ سمجھ کر نہیں کی جاتی بس ہو جاتی ہے اور یہ ہی میری غلطی ہے پہلے دن ہی مجھے اپنے قدموں کو روک لینا چاہیے تھا کہ میری یہ اوقات نہیں میں اس قابل ہی نہیں کیونکہ ہماری روایات میں پڑھا لکھا ہونا یا آن بان شان کا ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا بے شک بوڑھا ہو بچہ ہو ان پڑھ جاہل ہو یا نابالغ بس سید ہو اور خاندان کا ہونا ضروری ہے۔ ہماری شادی قرآن سے ہو سکتی ہے ”ہمیں کاری“ کیا جا سکتا ہے ہم ”ونی“ ہو سکتے ہیں لیکن ایک ”غیر سید زادے“ سے ہماری شادی نہیں ہو سکتی۔“ وہ بری طرح رونے لگی۔

”یہ تم کس زمانے کی بات کر رہی ہو؟“ کاشان کے لہجے میں حیرت در آئی۔

”اس زمانے کی جس میں ہم تم رہے ہیں۔ ہماری روایات نہیں بدلیں حالانکہ زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہم آج بھی کنوئیں کے مینڈک ہیں۔“ مسکان کا لہجہ خود بخود تلخ ہو گیا۔

”اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے جو تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کا خواب دیکھا تھا وہ شرمندہ تعبیر نہ ہوگا میں بے نیل و مراد ہی رہوں گا۔“ کاشان کا منہ اتر گیا۔

”میرا سوچو میں تم سے جدا ہونے کا سوچتی ہوں تو میری سانس بند ہونے لگتی ہے لگتا ہے میں مر گئی ہوں مگر میں مجبور اور بے بس ہوں اپنے باپ کی عزت و ناموس کو داؤ پر نہیں لگا سکتی۔ ورنہ سارا الزام میری تعلیم پر آئے گا اور کوئی باپ اپنی بیٹی کے لیے اعلیٰ تعلیم کے بارے میں سوچے گا بھی نہیں اس لیے آج سے ہمارے راستے جدا ہیں تم میرے سامنے اب کبھی مت آنا ورنہ میں ڈگمگا جاؤں گی میرے قدم لڑکھڑا جائیں گے۔ تم کسی اچھی لڑکی کو دیکھ کر شادی کر لینا اور میرے حق میں دعا کرنا۔“ مسکان روتی [illegible] واپس پلٹ گئی اور کاشان بے بسی سے ہاتھ ملتا رہ گیا۔

☆......☆

پھر کاشان نے [illegible] مسکان کی کسی ”سید زادے“ سے شادی ہو گئی یہ [illegible] اس کی برداشت سے باہر تھا۔ اس لیے وہ چلا گیا اور اب اس کی محبت کسی اور کی بیوی کے روپ میں اس کے سامنے تھی اس کو اپنی مسکان سے وہ آخری ملاقات یاد تھی۔

”مسکان مجھے ایک مرتبہ کوشش تو کر لینے دو یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے تو کچھ نہیں ہوگا۔“ کاشان بے حد دلگرفتہ تھا۔

”بے کار ہے۔“ مسکان مایوسی سے بولی۔

”ان تلوں میں تیل نہیں میں اپنے گھر والوں کو تم سے زیادہ جانتی ہوں میں تم سے یہ ہی کہنے آئی تھی کہ تم کسی اچھی سی لڑکی سے شادی کر لینا اپنی خوشیوں اور ماں باپ کے ارمانوں کا خون نہ کرنا۔“

’’مجھے چھوڑو تم اپنی فکر کرو۔ دیکھو مسکان! یہ دنیا انسانوں کی نہیں بھیڑیوں اور درندوں کا جنگل ہے جہاں نہ عورت کی کوئی عزت ہے نہ مقام۔ یہ ہوس زدہ نفسانی خواہشات میں لپٹا ہوا معاشرہ عورت کو مفت کا مال سمجھ کر ہضم کر جاتا ہے۔ کب تک تم میری یادوں کے سہارے زندگی گزارو گی جب کہ تمہاری روایات تو تمہیں گھر سے نکل کر اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی اجازت بھی نہیں دیں گی تو کیا یہ بہتر نہیں کہ تم وہ کرو جو تمہارے والدین چاہتے ہیں اور جو تمہاری روایات کا تقاضا بھی ہے۔‘‘ کاشان کو وہ آخری ملاقات اچھی طرح یاد تھی۔

’’میں آپ سے ایک پرسنل سوال کرسکتا ہوں۔‘‘ کاشان نے سنجیدگی سے پوچھا اور التمش کے جواب پر گویا ہوا۔

’’آپ کے بچے نہیں ہیں؟‘‘

’’ہم دونوں میاں بیوی کو بچے پسند نہیں اور یہ بڑا ایشو نہیں کہ جس کو ڈسکس کیا جائے۔‘‘ التمش کا لہجہ روکھا اور خشک ہوگیا اور کاشان کو حیرت ہونے لگی کاشان جانتا تھا کہ مسکان بچوں کی دیوانی تھی کیونکہ گھر میں وہ خود سب سے چھوٹی تھی۔

’’آپ چاہیں تو بیگم صاحبہ کو میرے کلینک لے آئیں یا پھر میں کل آجاؤں گا۔‘‘

’’زیادہ بہتر ہے کہ یہ زحمت آپ کرلیں کیونکہ ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے مسکان تیار ہی نہیں ہوتی۔ میں کل ضروری کام سے گھر سے باہر ہوں گا ہوسکتا ہے میری موجودگی میں وہ کچھ کہنے سے قاصر ہو کل آپ تنہائی میں اس سے ضرور پوچھیے گا میں اپنی بیوی کی طرف سے بے حد پریشان ہوں۔‘‘

☆......☆

دوسرے دن کاشان پہنچا تو مسکان کافی بہتر تھی اس کو دیکھ کر وہ چونک پڑی۔

’’کاشان۔‘‘ اس کی چیخ ایک دم سرگوشی میں بدل گئی۔

’’تم یہاں کیسے اور کیوں آئے ہو؟‘‘

’’میں آیا نہیں لایا گیا ہوں بحیثیت ایک ڈاکٹر تمہارے شوہر تمہاری طرف سے سخت فکر مند ہیں۔‘‘

’’ان کو تو عادت ہے بلاوجہ پریشان ہونے کی اب میں ٹھیک ہوں پلیز تم جاؤ مجھے کسی علاج کی ضرورت نہیں۔‘‘ مسکان نے بے رخی سے کہا تو کاشان کے ہونٹوں پر بے جان مسکراہٹ آگئی۔

’’یہ معالج کو پتہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر کی مریض کو کب اور کہاں ضرورت ہے۔ تم اگر یہاں بہتر محسوس نہیں کر رہیں تو کل میرے کلینک آجانا۔‘‘ کاشان نے خلوص سے کہا۔

’’ڈاکٹر صاحب! آپ کو سمجھ نہیں آرہی کہ مجھے علاج نہیں کرانا۔‘‘ مسکان کو غصہ آگیا۔

’’لیکن کیوں؟ دیکھو تمہارے شوہر بے حد پریشان ہیں فی الحال تو میں تمہیں سکون کا انجکشن لگا رہا ہوں پھر......‘‘

’’کیا انجکشن سے بھی سکون ملا ہے۔‘‘ وہ طنزیہ مسکرائی۔

’’ان انجکشنز میں کیا سکون فروخت ہوتا ہے۔‘‘ مسکان کے لہجے میں کڑواہٹ در آئی۔

’’یقیناً کیونکہ یہ سائنس کا دور ہے۔‘‘ کاشان نے سکون سے جواب دیا پھر سوال کیا۔

’’مسٹر التمش نے بتایا کہ آپ کو بچے پسند نہیں جو میرے لیے حیران کن ہے آپ نے کبھی اپنا معائنہ کرایا۔ بچے آپ دونوں کی خوشیوں کے لیے اہم ہیں۔‘‘

’’بچہ وہ کیسے ہوسکتا ہے۔‘‘ مسکان دکھ سے مسکرائی۔

کیا مطلب؟‘‘ کاشان کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

’’ڈاکٹر صاحب کہنے کو تو آپ ماہر نفسیات ہیں مگر آپ کو عورت کی نفسیات کی الف، ب بھی نہیں آتی

جو لڑکی کسی اور شخص کی پوجا کرتی رہی ہو جس کا جسم کسی اور کی امانت ہو جس کی روح گھائل ہو وہ ماں کیسے بن سکتی ہے۔‘‘

’’آخر آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔‘‘ دونوں کے لہجے میں خود بخود تکلف اور اجنبیت آگئی۔

’’کیا بچہ خوشیوں کا ضامن ہوسکتا ہے؟ آپ کو ماں کی ممتا اور بیوی کی محبت میں کوئی فرق نہیں محسوس ہوتا؟ آپ انسانی احساسات سے نابلد ہیں آپ کی ڈگریاں عورت کے احساسات کو نہیں جانچ سکتی۔ آپ جاسکتے ہیں دوبارہ نہ آنے کے لیے میں یہاں آپ کا وجود برداشت نہیں کرسکتی۔‘‘ وہ منہ پھیر کر بولی۔

☆......☆

دوسرے دن التمش کاشان کے کلینک پہنچ گیا اور ان کے پوچھنے پر بولا۔

’’بقول آپ کے آپ کی بیگم کو بچے پسند نہیں لیکن کل کی گفتگو سے تو ایسا نہیں لگ رہا آپ نے اپنا چیک اپ کرایا تھا؟‘‘ التمش اس سوال پر ... ہوگئے پھر تحمل سے بولے۔

’’ڈاکٹر صاحب! معالج سے کچھ چھپانا نہیں چاہیے اس لیے آپ کو بتا رہا ہوں کہ ہم دونوں کو ہی معائنہ کی ضرورت نہیں۔ ایک ایکسیڈنٹ کے بعد ڈاکٹر نے بتا دیا تھا کہ مجھ میں مردانہ صلاحیت نہیں۔ اس لیے کافی عمر تک میں نے شادی نہیں کی میں کسی لڑکی کی زندگی برباد نہیں کرنا چاہتا تھا مگر مجھے ایک دوست ایک غمگسار اور ساتھی کی ضرورت تھی جو مجھے احساس تنہائی سے نکالے۔ پھر جب مسکان کے ابو نے جو میرے دور کے رشتہ دار تھے مجھے شادی کی پیش کش کی تو میں خود مسکان سے ملنے چلا گیا جب انہیں حقیقت بتائی تو وہ اس لیے شادی کے لیے تیار ہوگئیں کہ رسولی کی وجہ سے ان کا یوٹرس نکال دیا گیا تھا۔ وہ خود بھی بچہ پیدا کرنے کے قابل نہیں اس لیے انہوں نے اس شادی پر رضامندی ظاہر کردی کہ میں بھی سید زادہ ہوں۔ میرے والدین پہلے ہی گزر گئے تھے۔ مسکان کے والدین بھی گاؤں چلے گئے۔ زندگی بہت پرسکون تھی مگر اچانک مسکان کی طبیعت بگڑنے اور بے چین رہنے لگی لیکن اب جب اس کیفیت نے دوروں کی شکل اختیار کرلی تو مجھے تشویش ہونے لگی۔‘‘ التمش کیا کہہ رہے تھے کاشان کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا خون اس کی رگوں میں جم سا گیا تھا۔

’’ڈاکٹر صاحب میری بیوی ٹھیک تو ہوجائے گی اس نے آپ کو کچھ بتایا کیا مسئلہ ہے۔‘‘

’’نہیں!‘‘ کاشان کا جواب مختصر تھا۔

’’تو پلیز آپ کل گھر کا ایک چکر اور لگالیں شاید وہ آپ کو کچھ بتا دے آخر آپ اس کے معالج ہیں۔‘‘

دوسرے دن التمش کی گھر سے روانگی کا اندازہ لگا کر مسکان کے پاس پہنچ گیا۔

’’یہ کیا کیا تم نے مسکان کیوں جھوٹ بولا کیوں زندگی کو روگ لگا لیا۔ اس نے کمرے میں گھستے ہی مسکان کو جھنجھوڑ ڈالا۔

’’پلیز کاشان! آپ مجھے مجبور مت کریں مجھے میری دنیا میں زندہ رہنے دیں۔‘‘ مسکان بے بسی سے بولی پھر رو دی۔

’’کاشان میں منافق اور دھوکے باز نہیں ہوں مجھے بچہ پیدا کر کے کیا کرنا تھا کہ محبت کسی سے اور بچہ کسی اور سے اسی لیے میں نے التمش کو چنا تھا جو اس صلاحیت سے محروم تھے۔ ایک عام تندرست آدمی مجھ سے قربت کا متمنی ہوتا اسے کیسے روکتی کہ میرے نزدیک وہ گناہ تھا اسی لیے مجھے التمش سے جھوٹ بولنا پڑا ورنہ وہ مجھ سے ہرگز شادی نہ کرتے ہر انسان کے کچھ فطری تقاضے ہوتے ہیں۔ خاص طور پر ماں بننا ایک عورت کا فطری اور قدرتی حق ہے اور میں نے اس حق سے

خودکو محروم کر کے ہی التمش کو چنا تھا مگر میرے اندر کی عورت یہ سب برداشت نہ کرسکی میں نے باہر جانا اسی لیے چھوڑ دیا تھا کہ میں جب والدین کو اپنے بچوں میں مگن دیکھتی تو میرے دل سے ہوک اٹھتی تھی ان روایات نے میرے ارمانوں کا خون کر دیا۔ لیکن میں اس عورت کو نہ مار سکی جو ممتا کی ماری ایک جسم بھی رکھتی ہے۔ میرا مرض لاعلاج ہے خدا کے لیے اب تم یہاں نہ آنا بڑی مشکلوں سے میں نے تمہیں بھلایا ہے کاش کہ میں سیدزادی نہ ہوتی یا تم سیدزادے ہوتے تو ہمارے ملن کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی تھی لیکن اب میں اتنے اچھے انسان کو نہ دھوکہ دے سکتی ہوں نہ بے وفائی کرسکتی ہوں۔ اب تو التمش ہی میری زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہیں۔ پلیز تم چلے جاؤ مجھے آزمائش میں نہ ڈالو۔" وہ دکھ سے بولی اور اندر آتے التمش کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔

"اف یہ گناہ ان سے کیسے سرزد ہوگیا لاعلمی میں ایک صحت منداور ارمانوں بھری جذبات سے بھرپور لڑکی ان کے ساتھ کیسی کی زندگی گزر رہی ہے۔ یہ ظلم، اتنا بڑا ستم! یہ ان سے کیسے سرزد ہوگیا کتنی بڑی قربانی دے دی اس لڑکی نے اپنے ماں باپ کی عزت کی خاطر ورنہ گریبان پکڑ لیتی کہ میں ان غیر شرعی روایات کو نہیں مانتی مجھے اپنی زندگی جینے کا حق ہے جو مذہب نے دیا ہے۔ مگر یہ عظیم لڑکی اپنی خواہشات، آرزوؤں، تمناؤں اور جوانی کی امنگوں کو دبا کر میرے ساتھ خشک اور بے کیف زندگی گزارتی رہی کہ اسے اپنی محبت میں خیانت منظور نہیں تھی کیا کمی تھی اس میں کم عمر، خوب صورت اور تعلیم یافتہ ان خونی اور ظالم روایات کی بھینٹ چڑھ گئی۔ ان میں اب مسکان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی اس لیے خاموشی سے پلٹ گئے۔

☆......☆

دوسرے دن کاشان کو Tcs سے ایک خط ملا جو کلینک کے ایڈریس پر تھا کھولا تو سناٹے میں آ گیا مسکان کے لیے طلاق نامہ اور مسکان اور کاشان کے نام ایک خط!

میری پیاری دوست مسکان اور کاشان

خوش رہو دعائیں

جب تمہیں یہ خط ملے گا میں تمہاری دنیا سے بہت دور جا چکا ہوں گا۔ میں نے مسکان کے علاج کے لیے ملک سے باہر جانے کی پوری تیاری تھی اور میں نے بزنس بھی وائنڈ اپ کر دیا تھا۔ مگر میں اب اکیلا ہی جا رہا ہوں، میں تم دونوں سے بے حد شرمندہ ہوں کہ اپنی تنہائی دور کرنے کے لیے ایک جیتی جاگتی لڑکی کو زندہ درگور کر دیا۔ کل اتفاقاً میں نے تم دونوں کی گفتگو سن لی تھی ورنہ ساری زندگی لاعلمی کا شکار رہتا اور ایک معصوم لڑکی کے ارمانوں کا خون ہو جاتا۔ مگر اب ایسا نہیں ہوگا میں نے کلفٹن پر ایک فلیٹ مسکان کے نام لیا تھا اس کے کاغذات اور چابیاں مسکان کے پاس ہی ہیں مسکان کو وہاں چھوڑ دینا تاکہ وہ سکون سے عدت کے دن گزار سکے ورنہ دنیا والے اسے جیتے جی مار دیں گے ہمارے جانے کا [illegible] باہر سب کو پتہ ہے۔ طلاق کے کاغذات بھی ساتھ ہیں اس کی عدت پوری ہو جائے تو تم اس سے شادی کر لینا اور اسے وہ ہر خوشی دینا جس کی وہ حقدار ہے۔ یہ میری خواہش ہی نہیں زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہوگی۔ مجھے یقین ہے تم دونوں میری اس خواہش کا احترام کرو گے۔ جب بھی میں پاکستان آیا تمہیں اطلاع دوں گا اس امید پر کہ تم دونوں اپنے بچوں کے ساتھ مجھے ریسیو کرنے آؤ گے۔

شرمسار و گنہگار
تمہارا خیر خواہ
التمش۔

......☆......

ریحانہ آفتاب

عشق کی داستاں جدا ہے میری

گزشتہ اقساط کا خلاصہ:

آئنور غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ چار بہنوں میں اس کا نمبر دوسرا تھا۔ وہ سب میں حسین تھی۔ خود سے پہلے اپنے والدین اور بہنوں کی خوشی کا سوچتی تھی۔ کم عمری میں ہی اس نے گھر کی تنگدستی دور کرنے کے لیے محنت کرنا شروع کر دی تھی۔ اپنے لیے خریدی چیزیں بہنوں کے پسند آ جانے پر انہیں دے دیتی تھی۔ وہ اپنی روتی بلکتی زندگی سے عاجز تھی اس نے ٹھان لیا تھا کہ وہ کسی امیر کبیر بندے سے شادی کر کے اپنے گھر والوں کی زندگی سنوارے گی۔ دونوں چھوٹی بہنیں اس پر جان چھڑکتی تھیں۔ اس سے بڑی درخشاں کی آئنور سے ٹھنی رہتی تھی۔ وہ طنز کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔ قدوس صاحب جو آئنور کے والد ہیں اولاد نرینہ نہ ہونے پر اپنی بیوی ہاجرہ کو ساری زندگی باتیں سناتے رہے۔ انہیں آئنور کا کالج جانا پسند نہیں تھا۔ ہاجرہ، آئنور کے پارلر (جو اس نے گھر میں ہی کھولا ہوا تھا اور محلے کی عورتیں بڑے پارلر میں پیسے بچانے کی خاطر اس کے پاس آتی تھیں کہ وہ کم پیسوں میں بہترین کام کرتی تھی) اور کوچنگ سے ملنے والی آمدنی کے گن گاتیں تو قدوس صاحب کی انا بلبلا جاتی تھی۔ آئنور بھی ان کی جلی کٹی کی زد میں رہتی تھی۔ عرشان ولی جدی پشتی رئیس ہے۔ Perfection اس کی پہچان ہے۔ ذرا بھی نقص اسے برداشت نہیں خواہ وہ چیز اسے کتنی ہی عزیز کیوں نہ ہو۔ وہ اپنے کمرے سے ملحق

قسط نمبر 13





کمرے کی زینت بنا دیتا تھا مگر خود سے جدا کرنا گوارا نہیں تھا۔ عرشان ولی وجاہت کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ وہ بے حد ہمدرد دل رکھتا تھا۔ ماہ پارہ بے حد تنک چڑھی اور ماڈرن خاتون ہیں۔ عرشان ولی کی والدہ محترمہ، فرہاد صاحب، ماہ پارہ کے مزاج کے بالکل برخلاف بہت اچھے انسان ہیں۔ ماہ پارہ اور فرہاد صاحب کی تین اولادیں ہیں۔ اسمارا بڑی بیٹی ہے جو اپنے شوہر راحیل اور تین بچوں کے ساتھ شارجہ میں رہتی ہے۔ راحیل لالچی انسان ہے۔ اسمارا، ماہ پارہ کی طرح تنک مزاج ہے۔ اسمارا سے چھوٹا شاہ میر ہے۔ حمنیٰ، شاہ میر کی بیوی ہے جسے کم صورتی کے باعث اکثر ماہ پارہ جلی کٹی سناتی تھیں۔ حمنیٰ کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے وہ ابھی تک بے اولادی کا شکار تھی۔ حمنیٰ سلجھے مزاج کی لڑکی ہے۔ ماہ پارہ کی بیسٹ فرینڈ واصفہ کی دو اولاد ہے۔ کاشان اور زویا۔ کاشان بھنورا صفت انسان ہے۔ فلرٹ اس کا من پسند مشغلہ ہے۔ زویا تنک چڑھی لڑکی ہے۔ وہ عرشان ولی کو پسند کرتی ہے۔ اس کی نظر کرم حاصل کرنے کے جتن کرتی رہتی ہے۔ تینوں بچپن سے دوست ہیں۔ آئنور نے زویا سے بڑے جتن کر کے دوستی کی تھی۔ کاشان کی صورت میں محروم زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ زویا نے کاشان کو چیلنج کیا تھا کہ وہ آئنور سے فلرٹ کر کے دکھائے تو وہ استاد مان لے گی۔ کاشان نے چیلنج قبول کر لیا تھا جلد ہی اس نے آئنور سے دوستی کر لی۔ اسے سوٹ اور سیل فون گفٹ کیا۔ جدید اسمارٹ فون استعمال کرنا آئنور کو مشکل لگ رہا تھا۔ عرشان ولی، کاشان کو اس کی حرکتوں پر بے نقط کی سناتا رہتا تھا۔ اسے ان لڑکیوں پر غصہ آتا تھا جو کاشان کا شکار بنتی تھیں۔ وہ اپنی محبت اور جذبے الگ سے سنبھالے بیٹھا تھا جو صرف اس کی ہوتی۔ ولید عرشان ولی کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ (اب آپ آگے پڑھیں)

☆......☆

''کیسی رونق تھی آئنور کے دم سے جب سے گئی ہے گھر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے۔'' ہاجرہ یاسیت سے کہہ رہی تھیں۔

وہ سب ناشتے کے لیے دسترخوان پر بیٹھے تھے بچیوں سے دوری کا ہی اثر تھا جو اب قدوس صاحب ساتھ دسترخوان پر بیٹھنے لگے تھے اور انہوں نے دیکھا تھا ان کے اس عمل سے بیٹیاں بھی اب انہیں دیکھ کر بھاگتی نہیں تھیں۔

''دعا کرو۔ اللہ اسے خوش رکھے۔'' قدوس صاحب کو بھی اداسی گھیر رہی تھی۔ اپنے گھر کی رونق کسی اور آنگن کو منور کرنے چلی گئی تھی۔ سب اس کی کمی محسوس کر رہے تھے۔

''آمین!'' ہاجرہ نے صدق دل سے کہا تھا۔

''آئنور اور عرشان بھائی نے ہمیں اتنا اچھا تحفہ دیا کہ ہمارے ابا کا مزاج بدل گیا۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھی کہ ہم بھی ابا سے اسی طرح گھل مل کر باتیں کرتے جیسے اور لڑکیاں اپنے ابا سے کرتی ہیں۔'' سونی کو یہ منظر بہت بھلا لگ رہا تھا۔ بچپن سے جو کسک اور محرومی ان کے حصے میں آئی تھی اس کا مداوا تو ممکن نہیں تھا ہاں مگر آنے والے کل کو خوش گوار ضرور بنایا جا سکتا تھا۔

''اور کیا اب تو مجھے ابا سے ڈر بھی نہیں لگتا۔'' روبی قدوس صاحب کے قریب ہی بیٹھی تھی۔ کہاں تو وہ ان کی آمد کے بعد کمرے میں دبک سی جاتی تھی۔

''بس بیٹا! مصائب انسان کے مزاج کو بدل دیتے ہیں۔ پیٹ کی بھوک رشتوں کو نگل جاتی ہے۔ ورنہ کون باپ اپنی بیٹی سے محبت نہیں کرتا۔'' قدوس صاحب مسکرا کر روبی کے سر پر ہاتھ رکھ گئے تھے۔

''رب العزت کا کرم ہے۔ جس نے ہمیں یہ وقت عنایت کیا۔ ڈر اور خوف کے لبادے میں چھپی محبت

رشتوں کی دوڑ کو کمزور کر دیتی ہے۔'' ہاجرہ کے چہرے پر بھی سکون پھیلنے لگا تھا۔ سب خوش دلی سے ناشتا کرنے لگے تھے۔

''اماں! ہم شام میں کیا پہنیں گے، آپی کے ولیمے میں؟'' روبی کو شام کی فکر ستانے لگی تھی۔

''ہم نہیں جائیں گے۔'' ہاجرہ نے چائے پیتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

''سگی بہن کا ولیمہ اور ہم نہیں جائیں گے؟'' سونی کو بھی حیرانی ہوئی۔ دونوں اک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔

''وہاں اتنے بڑے بڑے لوگ ہوں گے وہاں ہمارا کیا کام۔'' ہاجرہ نے کہا تو روبی، سونی کے چہرے پر افسردگی کے تاثرات آ گئے۔ قدوس صاحب بھی ہاجرہ کے ہم نوا نظر آ رہے تھے۔

''صحیح کہہ رہی ہیں اماں! ہمارے پاس تو ڈھنگ کے کپڑے بھی نہیں ہیں بلاوجہ جا کے آئنور آپی کا مذاق بنائیں۔'' روبی بھی دلگرفتگی سے گویا تھی۔

ماحول میں اک دم سے افسردگی پھیل گئی تھی۔ کم مائیگی نے ان سب کے بولنے کی حس پر جیسے قفل لگا دیے تھے۔ کپڑے جو تن ڈھانپنے کا سامان ہوتا ہے آج کل وہی ظاہر کرتا ہے کہ آپ قابل عزت ہیں یا قابل ذلت...... اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ قدوس صاحب اٹھنے لگے تھے۔

''ابا میں دیکھتی ہوں آپ بیٹھیں۔'' روبی تیزی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ سب کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں جانے کون آیا تھا صبح صبح۔

☆......☆

''السلام علیکم!'' سب ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے جب عرشان ولی آئنور کا ہاتھ تھامے انٹر ہوا۔ گو کہ سب کے سامنے آتے ہی آئنور نے ہاتھ چھڑا لیا تھا مگر تب تک ماہ پارہ کی تیکھی نظروں کی زد میں یہ منظر آ چکا تھا۔

''میں تم لوگوں کا ناشتا بھیج ہی رہی تھی کمرے میں۔'' انہیں دیکھتے ہی کہنے لگی۔ اس نے ملازم کو ہدایت بھی کر دی تھی۔

''بھئی آپ کی دیورانی نے فرمایا کہ سب کے ساتھ ناشتا کریں گے اب آپ خود ہی نبیٹ لیں آپس میں۔'' عرشان ولی فریش فریش سا ہمیشہ سے کہیں زیادہ خوش لگ رہا تھا۔ خود کو صاف بچا لے گیا پر حمنیٰ مسکرا دی تھی۔

آئنور نے فرہاد صاحب کے آگے سر جھکایا تھا۔ فرہاد صاحب سر پہ ہاتھ رکھ کر بولے۔

''سکھی رہو۔ ماشاء اللہ، ماشاء اللہ! بھئی ہمیں بہت پسند آ رہے ہیں اپنی بہو کے لچھن۔'' فرہاد صاحب نے برملا تعریف کر دی۔ آئنور اب ماہ پارہ کے آگے جھکی کھڑی تھی۔ مصنوعی مسکراہٹ سے انہوں نے دو انگلیاں رکھی تھیں۔ عرشان ولی کی مسکراتی نظریں آئنور پر تھیں۔ جواب حمنیٰ کو صبح بخیر کہہ رہی تھی۔

''جیتی رہو، چھوٹی!'' شاہ میر کے آگے جھک کر ہاتھ پھیروانے کی بجائے جب اس نے، صبح بخیر بھائی، کہا تو رشتے کا تقدس مقدم رکھ کر شاہ میر نے بھی دعا دے دی۔ سب کو ہی فاصلہ رکھ کر عقیدت دکھانے کا انداز پسند آیا تھا۔ حمنیٰ بھی اس کے کردار کی معترف ہو گئی کہ نامحرم سے کتنے فاصلے پر عزت سے ملنا ہے یہ آئنور جانتی تھی اور یہ ہی اطوار حمنیٰ کے بھی تھے۔ عرشان ولی اس کا بہت اچھا دیور تھا مگر پانچ سال ہو گئے تھے اسے اس گھر میں نہ اس نے کبھی ہاتھ مار کر جڑ کر بیٹھ کر ایک دوسرے سے کوئی بات کی تھی نہ ہی عرشان ولی نے کبھی کوئی اخلاق سے گرا مذاق کیا تھا۔ ہاں وہ شاہ میر کے حوالے سے حمنیٰ کو چھیڑتا ضرور تھا مگر اس میں گراوٹ نہیں ہوتی تھی۔

''ڈیڈ! پسند بھی تو دیکھیں کس کی ہے، مسٹر پرفیکٹ کی۔'' شاہ میر، فرہاد صاحب کو یاد دلاتے عرشمان ولی کو شرارتی نظروں سے دیکھ رہا تھا جو آئنور کے لیے چیزیں نکال رہا تھا۔

''سارا کریڈٹ عرشمان کو جاتا ہے اتنی اچھی دیورانی لانے پر مگر یہ خود بھی بہت اچھی عادات کی ہے۔'' حمنیٰ نے بھی سراہا۔ ماہ پارہ خاموشی سے سب دیکھ سن رہی تھیں۔ عرشمان ولی چیزیں آئنور کے آگے رکھ رہا تھا۔

''تم آج بھی آفس جا رہے ہو؟'' ماہ پارہ نے اس کی تیاری کے پیش نظر استفسار کیا۔ انہیں کچھ تو بولنا تھا کہ سب کو ان کی خاموشی محسوس نہ ہو۔

''جی مام! ضروری ڈیلنگ ہے۔'' اس نے بریڈ پر جیم لگا کر آئنور کی پلیٹ میں رکھا۔ ماہ پارہ کی نظر اس کی ایک ایک حرکت پر تھی۔

''میں دیکھ لیتا ہوں، تم ریلیکس کرو۔ شام کو ولیمے کی تقریب ہے۔'' شاہ میر نے اپنی خدمات پیش کی۔

''آپ کو تو سائیٹ پر جانا ہے۔'' عرشمان ولی نے شاہ میر کو یاد دلایا۔

''اوئیس!'' شا... ہونٹ سکوڑ کے رہ گیا۔

''کینسل کر دو... از... آج تو آف کر لیتے۔'' فرہاد صاحب کام کے حوالے سے اس کی جنونیت کے قائل تھے۔

''!Don't worry dad ... تک لوٹ آؤں گا۔ آپ کی بہو کا بھی حکم ہے کام کمز فرسٹ۔'' عرشمان ولی شرارت سے کہتا اسے جوس کا گلاس پکڑا ...

''اچھی طرح ناشتا کرو۔'' وہ آئنور کو بولتا ... جا رہا تھا۔

''تم ٹینشن نہ لو۔ میں دیکھتی ہوں، کیسے نہیں ... حمنیٰ نے کہتے ہوئے آئنور کی پلیٹ میں سینڈوچ ڈالے تو وہ نہیں نہیں کرتی رہ گئی۔

''اوکے گائز! میں چلتا ہوں۔'' عرشمان ولی اپنا ناشتا ختم کر کے اعلان کر کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''جاؤ باہر تک چھوڑ آؤ۔'' آئنور کی نظروں کو دیکھتے حمنیٰ نے بے ساختہ ... تو وہ جھجک کر اٹھی تھی۔ فرہاد اور شاہ میر باتوں میں لگ گئے تھے۔ ماہ پارہ خاموشی سے ناشتا کر رہی تھیں۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ تب ہی اس کی جھجک میں کمی آئی۔

چوڑیوں کی چھنن پر عرشمان ولی نے گردن موڑ کر دیکھا تھا۔ وہ اس کے پیچھے آ رہی تھی۔ کوٹ کو بائیں بازو پر منتقل کرتے اس کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''اوکے مسز! اچھی طرح ناشتا کر لینا۔ تھوڑی دیر آرام بھی کر لینا تاکہ شام کے لیے فریش ہو سکو۔ پھر تم نے پارلر بھی جانا ہے اوکے۔'' اس کے قریب آنے پر وہ بے ساختہ بول اٹھا۔

''آپ بھی آفس میں کچھ کھا لیجیے گا۔ مجھے کھلانے کے چکر میں ساری چیزیں میری پلیٹ میں بھر کے خود صرف کافی پی کے جا رہے ہیں۔ وہ تو سب سامنے تھے تو میں کچھ بول نہ سکی۔'' وہ نروٹھی ہو کر شکایت کر رہی تھی۔ عرشمان ولی ہنس پڑا۔

''تو تمہاری نگاہ تھی مجھ پر؟'' وہ محظوظ ہوا، چوری پکڑے جانے پر۔

''جی، لیکن آئندہ سے ایسا نہیں چلے گا۔'' وہ خالصتاً بیویوں والے رعب سے بولی تو وہ گردن جھکا گیا۔

''جو حکم عزیزی!'' اس کے انداز پر آئنور کے لبوں پر شرمیلی مسکان پھیل گئی تھی۔ اس نے اپنے پیچھے رکھا ہاتھ

سامنے کیا تھا اس کی ہتھیلی میں سرخ گلاب مہک رہا تھا جو وہ آتے ہوئے گلدان سے نکال لائی تھی۔

''آپ کے لیے۔'' اس نے ہولے سے کہا تھا۔ عرشمان ولی کے چہرے پر کئی ہزار وولٹ کی روشنی پھیل گئی تھی۔ اس کی گلابی ہتھیلی سے اس نے سرخ کلی اٹھالی تھی۔

"I WILL BE MISSING YOU BABY MY HEART!"

وہ اس کے ماتھے پر بے ساختہ اپنا لمس چھوڑ گیا تھا۔

☆......☆

روبی نے دروازہ کھولا تھا۔ سامنے عرشمان ولی کا ڈرائیور کھڑا تھا۔ وہ کتنی ہی بار حمنیٰ اور ماہ پارہ کے ساتھ آ چکا تھا۔

روبی اسے اچھی طرح پہچان گئی تھی مگر اتنی صبح اس کی آمد اور اس کے ہاتھ میں موجود کئی ڈبے اسے حیران کر گئے تھے۔ ہاجرہ، قدوس صاحب اور سونی بھی آ گئی تھی۔ سب ہی متجسس نظروں سے ڈرائیور کی آمد کو دیکھ رہے تھے۔

''سر عرشمان نے یہ چیزیں بھیجی ہیں۔ اندر رکھ دوں؟'' ڈرائیور ہاتھ میں موجود ڈبوں کی طرف اشارہ کر کے استفسار کر رہا تھا۔ روبی ... سے ہٹ گئی تھی۔ ڈرائیور اندر آ کر ڈبے صحن پر موجود پلنگ پر رکھ چکا تھا۔

''اور یہ سیل فون بھی بھیجا ہے سر نے۔'' ڈرائیور نے سیل فون کا ڈبا قدوس صاحب کو تھما دیا تھا۔ سب حیرانی سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ قوت گویائی جیسے ختم ہو گئی تھی۔ ڈرائیور سلام کرتا نکل گیا تھا۔ سونی نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا تھا۔

''واؤ! ہم چاروں کے سوٹ ہیں اور دیکھو ... لیے کتنی خوب صورت ساڑھی بھیجی ہے۔'' روبی شوق سے ڈبوں کو کھول کھول کر دیکھنے لگی تھی۔ ہاجرہ اور قدوس صاحب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

ڈرائیور نے گاڑی نکالتے ہی عرشمان ولی کو ''سر ڈیلور ...'' ... بنایا تو آفس کے لفٹ میں انٹر ہوتے اس نے بے ساختہ نمبر ملا کر لفٹ کا بٹن پریش کیا تھا۔

ڈبے میں موجود سیل فون بجنے لگا تھا۔ قدوس صاحب فون نکال کر بے ... اس کی روشن اسکرین اور ٹون کو سن رہے تھے۔ سونی نے آگے بڑھ کر اسکرین پر نظر ڈالی تھی۔

''عرشمان کالنگ۔'' دیکھ کر اس نے کال بے ساختہ ریسیو کرنے کے لیے بٹن کی سلائیڈ ... طرف کھینچا تھا۔

''ابا! بات کریں عرشمان بھائی لائن پر ہیں۔'' سونی ان کی الجھن دور کر کے انہیں بتا رہی تھی۔ ورنہ ان بے چارے کی تو کبھی کی پیڈ والا سستا فون رکھنے کی حیثیت نہیں ہوئی تھی۔

''ہیلو!'' قدوس صاحب نے جھجکتے ہوئے بڑا سا اسمارٹ فون کان سے لگایا تھا۔

''السلام علیکم ابا۔'' لفٹ رک گئی تھی۔ وہ باہر نکل رہا تھا۔

''وعلیکم السلام! عرشمان بیٹا یہ تم کیا کر رہے ہو؟''

قدوس صاحب کی آواز میں شرمندگی تھی۔ وہ خود کو عرشمان ولی کے زیر بار محسوس کر رہے تھے۔ نئے نویلے داماد کی اتنی مہربانیاں انہیں شرمسار کر رہی تھیں۔

''کچھ بھی نہیں ابا! جب بیٹا کہا ہے تو کوئی سوال نہ کریں۔ شام میں ڈرائیور ٹائم پر آپ لوگوں کو پک کرنے

آجائے گا۔" عرشمان ولی لفٹ سے نکل کر اب واک کرنے لگا تھا۔ بائیں ہاتھ پر لیپ ٹاپ کا بیگ تھا اور اسی باز پر کوٹ پڑا ہوا تھا۔ جب کہ دائیں ہاتھ سے سیل فون تھامے وہ بلیوٹوتھ آف کر چکا تھا۔
"ہم آجائیں گے بیٹا شرمندہ نہ کرو۔" قدوس صاحب جھجک کا شکار ہو رہے تھے۔
"ابا پھر وہی باتیں؟ میں اب ناراض ہونے لگا ہوں۔" وہ آفس تک پہنچ گیا تھا۔ گلاس ڈور دھکیل کر اندر داخل ہوا تو سارا اسٹاف الرٹ ہو گیا۔ کئی ایک نے سلام کیا۔ تقریباً سب کے چہروں پر حیرت کے تاثرات تھے کہ وہ شادی کی صبح ہی آفس چلا آیا تھا۔ وہ اسٹاف کے مارننگ وشز کا سر کے اشارے سے جواب دیتا اپنے روم کی طرف بڑھ رہا تھا۔
"اچھا ناراض نہ ہو، جیسا تم کہو گے ہم ویسا ہی کریں گے۔" اس کی محبت بھرے مان کے آگے قدوس صاحب نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے وہ مسکرا دیا۔
"بہت شکریہ، سیل فون میں آئنور کا نمبر بھی فیڈ ہے۔ آپ اسے کال کر لیں۔ خوش ہو جائے گی۔"
عرشمان ولی اپنے روم میں داخل ہو چکا تھا۔ لیپ ٹاپ کا بیگ میز پر رکھ کر ہاتھ میں موجود کوٹ وہ اپنی چیئر کی پشت پر پھیلا گیا تھا۔
"ضرور ضرور۔" قدوس صاحب کی بات جاری تھی۔ تب سونی کی آواز اس کے کان سے لگی بلیوٹوتھ سے آنے لگی۔
"ابا مجھے دیں۔ عرشمان بھائی! آپ اس دنیا کے BEST OF THE BEST بہنوئی ہیں۔ THANK YOU SO MUCH." وہ قدوس صاحب سے فون لے چکی تھی اور اب گرم جوشی سے گویا تھی۔
"O REALLY! THANKS FOR THIS COMPLIMET."
"ڈیئر سالی جی!" وہ بھی اسی کے لہجے میں باتیں کرنے لگا تھا۔
"ماشاءاللہ! اتنا اچھا داماد، اللہ نظر بد سے بچائے۔" ہاجرہ کو بے پناہ مسرت ہو رہی تھی۔ کچھ لمحے پہلے وہ سب کپڑے نہ ہونے کے باعث جس دلگرفتگی کا شکار تھے۔ اپنی بیٹی، بہن کو دلہن کے روپ میں نہ دیکھنے کا قلق ستانے لگا تھا اب اسی دلگرفتگی کی جگہ شادمانی نے لے لی تھی۔

☆......☆

ساری دنیا مٹھی میں آجاتی ہے
تیرا نام ہتھیلی پہ لکھ لینے سے

"تم تھوڑی دیر آرام کر لو۔ پھر تمہارے میاں جی آجائیں گے تو ساتھ لنچ کر لینا۔ بیچ میں بھوک لگے کسی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو یہ انٹرکام ہے اسے استعمال کر لینا۔"
حمنی ناشتے سے فارغ ہو کر اس کے کمرے میں لے آئی تھی۔ جتنی دیر میں وہ ناشتے میں مصروف رہی تھی ملازم اس کے پیچھے صفائی بھی کر گئے تھے۔ اجلا اجلا کمرا مزید نفیس لگ رہا تھا۔ پھولوں کی سوکھی پتیاں سمیٹ دی گئی تھیں۔ کمرے میں اب ان کا وجود نہیں تھا مگر کمرے میں اس کی خوشبو ابھی بھی رچی بسی ہوئی تھی۔
"جی بہتر بھابی!" وہ نئی بیڈ شیٹ پر ریلیکس ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ دن کی روشنی میں کمرے کی ایک ایک چیز نمایاں نظر آرہی تھی۔ ہر شے قرینے سے صاف ستھری حالت میں مکین کی نفیس طبیعت کا پتا دے رہی تھی۔ وہ شخص کمرے

میں موجود نہیں تھا مگر ایک ایک چیز سے اس کی جھلک نظر آرہی تھی۔
حمنی جا چکی تھی۔ دونوں پیر اوپر کر کے اس نے بیڈ سے ٹیک لگا کر تنہائی ملتے ہی ٹانگیں لمبی کر لی تھیں۔ اس عالیشان کمرے کی ایک ایک چیز پر سرسری نظر ڈالتے اس کی نگاہوں میں دو کمروں اور اکھڑی فرش والا صحن آ گیا۔
"میں یہاں اتنے عالیشان کمرے میں آرام کر رہی ہوں۔ جانے گھر میں سب کیا کر رہے ہوں گے؟ روبی، سونی کو شام کے لیے کپڑوں کی فکر ستا رہی ہوگی۔ ان کے پاس تو پہننے کے لیے ڈھنگ کے کپڑے بھی نہیں ہیں۔ جانے وہ لوگ آئیں گے بھی یا نہیں۔ کس سے پوچھوں؟" وہ ملول سی ہو کر سر بیڈ سے ٹکا گئی تھی۔
اسی دم اس کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ اس نے چونک کر سیل فون کو دیکھا تھا۔ انجانا نمبر تھا۔ وہ کئی ثانیے تک اگنور کرتی رہی کہ بیل بند ہو جائے گی مگر مسلسل بیل بجنے پر اس نے کال ریسیو کر لی۔
"السلام علیکم!"
"کیسی ہو؟"
"کون؟ سونی! آپ؟" وہ غیر متوقع طور پر جانی پہچانی آواز سن کر تقریباً چیخ کر اٹھ بیٹھی۔
"یہ فون۔" وہ حیران ہو رہی تھی۔
"ابھی عرشمان بھائی نے ڈرائیور کے ہاتھوں ہم سب کے سوٹ اور یہ سیل بھجوایا ہے۔" سونی بتا رہی تھی اور آئنور کی آنکھیں تحیر سے پھیلتی جا رہی تھیں۔ کیسے وہ شخص یہ سب اکیلے پلان کر جاتا تھا اور اسے خبر بھی نہیں ہو سکی تھی۔
"آئنور! اتنے پیارے سوٹ ہیں کہ کیا بتاؤں۔" سونی فرط شوق سے کہہ رہی تھی۔ اس کے اندر ایک سکون پھیلتا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے جو خلش سر اٹھانے لگی تھی وہ دم توڑ گئی تھی۔
"پہن کر آؤ گی تو دیکھوں گی۔ کیسی شہزادی لگتی ہے میری بہن۔" وہ بے طرح خوش ہو گئی تھی۔ عرشمان ولی کے اس عمل پر بے طرح پیار آنے لگا تھا۔
"مجھے بہت شوق ہو رہا ہے تمہارا گھر دیکھنے کا۔" سونی اشتیاق سے کہہ رہی تھی۔
"آجاؤ کہو تو عرشمان کو کہہ دوں۔ ڈرائیور بھیج دیں گے۔" اس نے حل پیش کیا۔
"نہیں آج نہیں، آج تو ولیمہ ہے نا پھر بھی۔" سونی نے معذرت کر لی۔
"اماں، ابا کیا کر رہے ہیں۔ جھگڑا تو نہیں ہوا دونوں کا؟" وہ گھر سے دور رہ کر بھی ان کے لیے متفکر تھی۔
"نہیں خوش ہیں بہت، دعائیں دے رہے تھے دونوں تمہیں اور عرشمان بھائی کو۔ سچ آئنور تم بہت خوش قسمت ہو عرشمان بھائی جیسا بندہ اس روئے زمین پر دوسرا نہیں ہوگا۔" سونی سراہ رہی تھی۔ ماں باپ کے متعلق جان کر اسے تسلی ہوئی تھی۔ یہ بیٹیاں ہی تو ہوتی ہیں جو دور رہ کر بھی ماں، باپ کے لیے متفکر رہتی ہیں کہ جانے اس کے پیچھے کوئی ناخوشگوار واقعہ نہ پیش آ گیا ہو۔
"ہاں عرشمان واقعی بہت اچھے ہیں۔" وہ بھی سراہ گئی۔
"اوہو! بڑی سائیڈ لے رہی ہو میاں کی۔" سونی چھیڑنے لگی۔
"لینا پڑے گی میاں جو ہے۔" وہ ہنسنے لگی تھی۔
"ہیں کہاں؟"

"آفس گئے ہیں لنچ ٹائم تک آجائیں گے۔" وہ معلومات دے رہی تھی۔

"اور تم کیا کر رہی ہو؟" سونی یوں باتیں کر رہی تھی جیسے کب سے بچھڑی ہو۔ چند گھنٹے ہوئے تھے جدائی کو مگر یوں لگ رہا تھا جیسے بہت وقت سے وہ بات نہ کر رہی ہوں۔

"آرام کر رہی ہوں۔"

"او کے کرو، پھر میں آرام میں خلل نہیں ڈال رہی، شام کو ملتے ہیں اللہ حافظ۔"

سونی نے الوداعی جملے کہتے ہوئے کال بند کر دی تھی۔ کال ڈسکنیکٹ کر کے آئنور نے سیل فون رکھا تو اس کی نظر عرشان ولی کی فوٹو فریم پر پڑی۔ دفعتاً اس کی آنکھیں کشادہ ہو گئیں۔ فریم کے نیچے اسے ایک چٹ نظر آئی تھی۔ اس نے بے ساختہ وہ چٹ اٹھائی تھی۔ عرشان ولی کی ہینڈ رائٹنگ میں لکھا تھا۔

"روم فریج میں جوس ہے، پی لینا۔ تمہیں چاکلیٹ پسند ہیں وہ بھی رکھی ہیں۔ ڈرائی فروٹس کا باکس وال بکس کے اندر ہے۔ کچھ کھانا ہو تو کچن کا نمبر 2 ہے، شیف کو بتا دینا وہ تیار کر دے گا۔ وارڈروب میں وہائٹ سوٹ اور میچنگ چیزیں سامنے رکھی ہیں۔ میرے آنے سے پہلے تم نے تیار ہونا ہے، لنچ ہم باہر کریں گے۔ پھر میں تمہیں پارلر ڈراپ کر دوں گا، آج شام کی تمہاری ساری چیزیں بیگ میں تیار ہیں اور ہاں تصویر کو پیار کرنے کا دل چاہے تو مرضی ہے۔"

وہ پڑھتی جا رہی تھی اور [illegible] جا رہا تھا۔

"کیا چیز ہو تم عرشان ولی۔" وہ ہنستی ہوئی فریم کو اٹھا کر بے ساختہ نازک انگلیوں کا مکا بنا کر اس کے فریم پر ہلکے سے مار گئی تھی۔ اس کی مسکراتی تصویر کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ محبت سے اس کے نقوش پر انگلی پھیرنے لگی۔

☆☆☆

محبت کرنے والے [illegible]

کوئی مجھ سا کوئی تجھ سا [illegible]

"کیسا گزرا وقت؟"

وہ وقت مقررہ پر تیار ہو چکی تھی۔ عرشان ولی نے اسے پک کر لیا تھا اور اب [illegible] میں لنچ کر رہے تھے۔

"اچھا گزرا، آپ کے کمرے میں اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔" وہ سچائی بیان کر رہی تھی فورک میں شملہ مرچ پرو کر عرشان ولی منہ کو لے جاتے رک گیا۔

"DID YOU MISS ME OR NOT?" وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے؟" وہ الٹا اس سے استفسار کرنے لگی۔ انداز شرارتی تھا۔ وہ بے حد فرحت محسوس کر رہی تھی۔ ایسا شریک سفر اس کے ساتھ تھا جو شاید نایاب ہے آج کے زمانے میں۔ پہلی رات کی دلہن یوں ہوٹل میں لنچ کر رہی تھی۔ اماں ابا دیکھ لیتے تو خوب لتے لیتے کہ ان کے ہاں دلہن یوں جگہ جگہ نہیں پھرتی مگر عرشان ولی ہر دن کو الگ اور اہم بنانے کا قائل تھا۔

"مجھ سے زیادہ نہیں کیا ہوگا۔" اس نے دعویٰ کیا۔

"میں آپ کی بات سے اختلاف نہیں کر سکتی۔ بے شک آپ مجھے میری سوچ سے بڑھ کر پیار کرتے ہیں۔"

وہ نازاں تھی۔ وہ مسکرا کر ڈش اس کی طرف بڑھانے لگا۔

"یہ تھائی میری فیورٹ ڈش ہے، ٹرائی کرو۔" وہ اس کی پلیٹ میں ڈالنے لگا۔

"پھر صبح والی حرکت شروع کر دی آپ نے۔ خود کم کھا رہے ہیں اور میری پلیٹ بھرے جا رہے ہیں۔ موٹی ہو جاؤں گی دس دن میں، اگر اس طرح کھاتی رہی تو۔" وہ اس کا ہاتھ روکتی رہ گئی۔

"کوئی بات نہیں مجھے موٹی آئنور بھی قبول ہے۔" وہ شرارتاً چھیڑ رہا تھا۔

"مجھے نہیں پسند موٹا ہونا۔" وہ منہ بسورنے لگی۔

"نہیں ہو گی میری جان! فٹنس کانشس بیوی ہے تو میرے لیے تو اور اچھا ہے دونوں مل کے جم چلیں گے۔"

وہ واقعی منفرد تھا، کتنی آسانی سے سب پلان کر لیتا تھا کہ اس کا سارا تردد دور ہو جاتا تھا۔

"آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں شاید کوئی خاص بات تب ہی آپ مجھے آج یہاں لے کر آئے ہیں۔"

سوفٹ ڈرنک کی سپ لیتے وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"اوہ! تم تو حسین ہونے کے ساتھ ذہین بھی ہو۔" وہ محظوظ ہو کر سراہ گیا۔

"مجھے بھی زعم [illegible] تھوڑا تھوڑا آپ کو جاننے کا۔" بات جتائی۔

"پھر تو سفر خوشگوار رہے گا۔"

"ان شاء اللہ! لیکن [illegible] کیا بات ہے جو گھر میں نہیں کی جا سکتی؟" وہ متعجب تھی۔

"گھر سکون کی آماجگاہ ہوتا ہے [illegible] میں ہر ڈیلنگ گھر سے دور رکھنے کا قائل ہوں۔"

ہاتھ میں گلاس پکڑے نظریں گلاس پر جمائے گلاس کو گھماتے اس کے چہرے پر سنجیدگی آگئی تھی۔

"ڈیل...... کیسی ڈیل؟"

"تمہیں آج یہاں لانے کی تین وجوہات ہیں [illegible] یہ کہ یہ میرا فیورٹ ہوٹل ہے۔ مجھے یہاں کا سب پسند ہے۔ یہ ہوٹل سحر نگری لگتا ہے، زندگی کی ہماہمی میں [illegible] نہیں ملوں تو مجھے یہاں ڈھونڈ لینا۔"

وہ کہہ رہا تھا اور آئنور ہاتھ روکے اس کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھ رہی تھی۔

"دوسری وجہ یہ ہے کہ میں، ہماری محبت کو ٹھہرے پانی کی طرح [illegible] نہیں دینا چاہتا۔ جس طرح شادی سے پہلے ملنے، بات کرنے کا چارم تھا میں وہ چارم قائم رکھنا چاہتا ہوں [illegible] ہماری محبت میں پھیکا پن نہ آئے۔ Mostly شادی کے بعد کپلز "تم بدل گئے" کی گردان کرتے ایک دوسرے سے بیزار نظر آتے ہیں۔ میں، ہماری محبت کو ہر دن جوان دیکھنا چاہتا ہوں۔"

عرشان ولی اس کے نکھرے ستھرے چہرے کو محبت سے دیکھ رہا تھا۔

"اور تیسری......" وہ جلد از جلد جان لینا چاہتی تھی۔

"آئنور! میں سیلف میڈ انسان ہوں اگر میں یہ کہوں کہ میں نے خود اپنی تربیت کی ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ میں بچپن سے جینئس تھا، ہر کلاس میں ٹاپ کرتا تھا۔ ہر ٹیچر کا منظور نظر مجھے تعریف سننے کی عادت سی ہو گئی تھی۔ کالج لائف میں آیا تو دوستوں کی گیدرنگ میں اسموک کرنا شروع کر دیا۔ ڈیڈ نے سگنل پر اسموک کرتے دیکھ لیا۔ کچھ کہے بغیر چلے گئے۔ میں دوستوں کو چھوڑ کر اسی وقت آفس گیا تو ڈیڈ پریشان صورت لیے سر پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔ میرے سوری کرنے پر انہوں نے صرف ایک جملہ کہا تھا۔

"عرشان! تمہاری ساری قابلیت، ذہانت، وجاہت پر یہ عادت ایک بدنما داغ ہے۔"

اس ایک جملے نے میری زندگی کا رخ بدل دیا۔ میں نے اپنی زندگی سے ان تمام چیزوں کو نکال دیا جو میری پرسنالٹی کو مائنس کر رہی تھیں۔ اپنا لائف اسٹائل بدل دیا۔ وہ دن اور آج کا دن، اسموک اور دیگر نشہ آور ڈرنک، لڑکیاں......! میں ان تمام خرافات سے کوسوں دور رہا اور آج بھی رات سونے سے قبل میں ایک ایک چیز کو سوچتا ہوں میں نے آج کسی پہر کوئی ایسی حرکت تو نہیں کی جس سے مجھ پر انگلی اٹھے۔ تب ہی لوگ مجھے مسٹر پرفیکٹ کہتے ہیں۔

تمہیں دیکھا، تمہاری چاہ کی اور اب تم میری زندگی ہو۔ جس طرح آتے ہی تم نے سارے ووٹ اپنے نام کر لیے۔ وہ قابل تعریف ہے۔ مام نے بھلے تمہیں قبول کر لیا مگر وہ آج بھی تم پر نگاہ رکھے تمہیں پرکھ رہی ہیں۔ میں تم سے بس یہ چاہتا ہوں کہ تم بھی کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ لوگ مجھ پر، میری پسند پر انگلی اٹھائیں۔ تمہیں میرا غلط انتخاب ٹھہرائیں، ان شارٹ میں تمہیں مس پرفیکٹ کے روپ میں دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔''

وہ جب سب کہہ چکا تو آئنور کی دبی سانس جیسے بحال ہوئی۔

''مجھے اچھا لگا کہ آپ نے اپنی بات مجھ سے شیئر کی، آپ مجھ سے یہ سب نہ بھی کہتے تو بھی میری کوشش ہوتی کہ میں کسی پہر آپ کو شرمندہ نہ ہونے دوں۔ میرا ساتھ آپ کے لیے باعث فخر ہو۔ باعث تضحیک نہ ہو، آپ بے فکر رہیں۔'' اس نے اطمینان دلایا۔

''.I AM IMPRESSED لیکن ڈیل ڈن؟''

''ڈن۔'' اس نے مسکرا کر اعتماد دلایا تو وہ بھی پرسکون نظر آنے لگا۔

''گھر سے کال آئی۔'' وہ موضوع گفتگو بدل گیا۔

''سوری! میں آپ کو تھینکس کہنا بھول گئی۔'' اسے اپنی بھول پر افسوس ہوا۔

''مسز! میں نے تھینکس سننے کے لیے سوال نہیں کیا۔'' وہ ہنسا۔

''پھر بھی آپ ڈیزرو کرتے ہیں۔'' اسے انحراف ہوا۔

''میں دنیا کا ہر مشکل سے مشکل کام کرنے کو تیار ہوں۔ صرف تمہاری خوشی کے لیے YOU DON'T KNOW HOW MUCH I LOVE YOU!'' وہ بہت جذب سے کہہ رہا تھا۔

''I WAN'T IT TO KNOW!'' وہ بہت شرارت سے کہہ گئی تھی۔

''کبھی فرصت سے سمجھاؤں گا۔'' عرشان ولی کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

☆......☆

دلہن بنی آئنور، عرشان ولی کے پہلو میں کھڑی لوگوں سے مل رہی تھی۔ اس کی نظر بڑی بے قراری سے اپنوں کو ڈھونڈ رہی تھی۔ عرشان کئی بار بتا چکا تھا کہ ڈرائیور لینے جا چکا ہے۔ آجائیں گے مگر وہ پھر بھی بے قرار تھی۔

مسز وحید، آئنور کو دیکھتی ماہ پارہ کی طرف مڑی تھیں۔

''ماہ پارہ! جہاں تک مجھے یاد ہے، تمہارا اور رواصفہ کا ارادہ زویا اور عرشان کی شادی کا تھا نا، پھر یہ......''

''ہاں ارادہ تو تھا لیکن جوڑے تو آسمان پر بنتے ہیں۔ آئنور، فرہاد کے عزیز دوست کی بیٹی ہے، فیملی پاریش میں رہتی ہے۔ عرشان کو بھی آئنور پسند آگئی تو میں نے بھی ہاں کر دی۔'' ماہ پارہ ترتیب دیا ہوا خلاصہ سنا گئیں تو مسز وحید کو تسلی ہوئی۔

''ویسے تمہاری بہو ہے بڑی خوب صورت۔'' مسز وحید دور کھڑی آئنور کو ہی دیکھ رہی تھیں۔

''تم کچھ لو نا۔ میں ویٹر کو بھیجتی ہوں۔ ایکسکیوز می!'' ماہ پارہ جان چھڑا کے چلی گئی تھیں۔ اسی دم قدوس صاحب، ہاجرہ، روبی اور سونی داخل ہوئی تھی۔ ماہ پارہ کی نظر ان پر پڑی تو جلدی سے آگے بڑھ کر سر پر ہاتھ رکھ گئی تھیں۔

''السلام علیکم!'' ہاجرہ نے ماہ پارہ کو دیکھتے ہی ہاتھ ملانے کے لیے بڑھایا تھا۔ سمدھن ہونے کے ناتے ان سے گلے ملنے کی تو کبھی ہمت نہ کر پاتیں مگر ان کے بڑھے ہاتھ کو بھی ماہ پارہ نے درخور اعتنا نہ جانا تھا۔

''آپ لوگ یہاں بیٹھیں۔ میں آئنور کو بھیجتی ہوں۔'' ماہ پارہ بالکل پیچھے کی ٹیبل کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ غالباً وہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ سب آگے جائیں۔ جب کہ سب ٹھیک ٹھاک حلیے میں تھے۔ ان کے کپڑوں پر بھی انہوں نے ایک جتاتی ہوئی نگاہ ڈالی تھی۔ وہ کپڑوں کی قیمت سے بخوبی اندازہ لگا گئی تھیں کہ یہ ان کے بیٹے کی کارستانی ہے۔ ان کے انداز پر روبی اور سونی تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگی تھیں۔ قدوس اور ہاجرہ بھی خفیف سی ہو گئے ایک اسی شرمندگی سے بچنے کے لیے وہ نہ آنے کا فیصلہ کر چکی تھیں مگر عرشان کے اصرار نے مجبور کر دیا تھا۔

''بھئی ماہ پارہ، بہو کی فیملی سے تو ملاؤ، ہیں کہاں وہ لوگ؟'' اسی دم مسز نوید ادھر آنکلی تھیں۔

''ایکچولی ان کی بڑی بیٹی کی ڈلیوری کیس میں ایمرجنسی ہو گئی ہے۔ وہ لوگ وہاں چلے گئے ہیں۔'' ماہ پارہ کہتی ہوئی مسز نوید کو بھی ساتھ لے گئی تھیں۔

''کتنی جھوٹی ہیں۔'' روبی نے بے ساختہ ماہ پارہ کی پشت کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''چپ......اسی لیے منع کر رہی تھی نا آنے سے۔'' ہاجرہ اسے گھرک رہی تھیں۔

سب کی نظریں اسٹیج کی طرف تھیں جو کافی دور تھا مگر انہیں آئنور اور عرشان کھڑے نظر آئے تھے۔

''آپ نے ڈرائیور کو بھی دیا تھا نا؟'' آئنور فکر مندی سے عرشان ولی کو دیکھ رہی تھی۔ آف وہائٹ لہنگے میں وہ پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ عرشان ولی بھی فل بلیک سوٹنگ میں کم وجیہہ نہیں لگ رہا تھا۔

''ہاں، اب تک تو انہیں آجانا چاہیے تھا۔ رکو میں ڈرائیور سے کال کر کے پوچھتا ہوں۔'' عرشان ولی نے سیل فون نکالے یوں ہی طائرانہ نگاہ ڈالی تھی اور اس کی نظر کا فوکس دور بیٹھے اشخاص پر پڑا تو وہ آئنور کا بازو تھام کر اسٹیج سے نیچے اتر آیا تھا۔ راستے میں مختلف لوگوں سے ملتے ہوئے وہ ان کی میز تک آیا تھا۔

''السلام علیکم! آپ لوگ یہاں اتنی دور کیوں بیٹھے ہیں؟'' عرشان ولی استفسار کر رہا تھا۔

''ماشاء اللہ! بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' سونی نے جلدی سے تعریف کر کے ہاجرہ اور قدوس صاحب کو جواب دینے کی زحمت سے بچانا چاہا تھا اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئی تھی۔

''اماں! اتنی چپ کیوں ہیں؟'' وہ ہاجرہ کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ شاید اتنے سارے لوگوں میں اچھا محسوس نہیں کر رہی۔

''تمہاری بہت کمی محسوس کر رہی ہیں سو بار یاد کر چکی ہیں۔'' سونی بتا رہی تھی۔

''او میری اماں!'' آئنور، ہاجرہ کے گلے لگ گئی۔

''اللہ تمہیں بہت خوش رکھے۔'' ہاجرہ دعا دینے لگی تھیں۔ دونوں کو خوش باش دیکھ کر ان کا قلق دور ہو گیا تھا۔

عرشان ولی نے ویٹر کو اشارہ کیا تھا۔ ویٹر جوس لے آیا۔ ویٹر جوس سرو کرنے لگا۔

''آپ لوگ آگے چل کر بیٹھیں۔''عرشان ولی اصرار کرنے لگا۔

''نہیں بیٹا ہم یہیں ٹھیک ہیں۔''قدوس صاحب نے سہولت سے انکار کردیا۔

''آنور یہیں بیٹھ جاؤ۔ ہم ڈنر ساتھ کریں گے۔''عرشان ولی نے کہا تو آنور بھی بیٹھ گئی کہ اسے اندازہ تھا وہ لوگ جھجک کر آگے جا کر نہیں بیٹھیں گے۔

''ارے نہیں بیٹا، تم لوگ مہمانوں سے ملو۔ ہم بس اب جائیں گے۔ میرے گھٹنوں میں درد ہو رہا ہے۔ زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکوں گی۔''ہاجرہ زیادہ دیر رک کر آنور کا تماشا نہیں بنوانا چاہتی تھیں۔ انہیں ماہ پارہ کا منہ پر جھوٹ بھی نظر آیا تھا۔ وہ کم حیثیت سمدھیانے کا تعارف کرانا بھی توہین سمجھ رہی تھیں ایسے میں وہ لوگ مزید رکتے تو شاید بات کھل جاتی اور ہاجرہ یہ ہی نہیں چاہ رہی تھیں۔

''ڈاکٹر کے پاس لے چلوں؟''وہ فکرمندی سے استفسار کر رہا تھا۔

''نہیں بیٹا! آرام کریں گی تو آرام آجائے گا۔''قدوس صاحب نے کہا تو عرشان ولی نے ویٹر کو جلدی ڈنر سرو کرنے کا کہا۔

''السلام علیکم! کیسے ہیں آپ لوگ؟''حمنیٰ بھی ادھر آنکلی تھی۔ روبی، سونی نے مسکرا کر جواب دیا۔

''آنور! میری فرینڈز تم سے ملنا چاہ رہی ہیں۔ پلیز ایک منٹ کے لیے آؤ گی۔''حمنیٰ آنے کی وجہ گوش گزار کرگئی۔

''جی بھابی میں ابھی آئی۔''ان سب کو اشارہ کرکے وہ حمنیٰ کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھی۔ عرشان ولی ان سب کو کمپنی دینے لگا تھا۔

☆ ☆

اپنی سانسیں بھی کردوں تیری ... میں منتقل

اس غریبی میں اس سے زیادہ تجھے اور کیا چاہوں

آنور بیڈ کے سرے پر ٹکی ہوئی تھی۔ اس نے آرام دہ سوٹ پہنا ہوا تھا۔ عرشان ولی گیلے بال رگڑتا واش روم سے برآمد ہوا تھا۔ بال بناتے مرر سے آنور کے پرسوچ چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اس نے آرام دہ بلیک کرتہ پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ وہ اس کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا تھا۔

''پریشان ہو؟''اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لیے استفسار ہوا۔

''کیا ہی اچھا ہوتا عرشان کہ آپ میری فیملی کو بصد اصرار نہ بلواتے، کم از کم انہیں کمتری کا احساس تو نہ ہوتا اور آپ کی فیملی کو بھی تعارف کراتے شرمندگی نہ ہوتی۔ آپ اپنی ہی کلاس کی کسی لڑکی سے شادی کر لیتے۔''

اسے اپنی فیملی کا انداز نہیں بھول رہا تھا ایسے میں جب روبی نے چپکے سے ماہ پارہ کی حرکت گوش گزار کی تو اسے ان سب کی خاموشی کی وجہ سمجھ آگئی۔ بڑے لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ ایک فاصلہ محسوس ہوتا ہے اور شاید شادی کے بعد سب کی نظر میں اس کی حیثیت بھی عرشان ولی سے جڑ کر بدل گئی تھی۔

''فضول باتوں کو ذہن میں جگہ نہ دو، میں ہائی کلاس فوبیا میں مبتلا ہوتا تو آج تمہاری جگہ ان میں سے کوئی ایک ہوتی۔ مجھے زندگی کا ساتھی چاہیے تھا۔ شوپیس نہیں۔ نہ میں ایسی ہائی کلاس پارٹیز کا حصہ بنتا ہوں نہ تمہیں بننے کی ضرورت ہے۔ تم جیسی ہو میں نے اسی روپ میں اپنایا ہے۔ پھر بھی یہ کلاس کی باتیں نہ کرنا اور اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔''وہ دوٹوک لہجے میں کہتا چلا گیا۔

''آپ کو برا لگا؟''آنور پریشان سی ہونے لگی۔

''ہاں!''وہ روٹھ چکا تھا۔

''سوری! پہلی بار ہائی کلاس عورتوں کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر احساس کمتری ہوئی تو کہہ دیا۔ معاف کردیں نا!''وہ بے ساختہ اپنے کان پکڑ گئی۔

''کیا حرکت ہے یہ۔''وہ بے ساختہ اس کے ہاتھ سے کان چھڑا گیا۔

''صبح تیار ہو جانا، آفس جاتے ہوئے تمہیں گھر ڈراپ کردوں گا۔ پتا ہے بہت ساری باتیں جمع ہو گئی ہوں گی تمہارے پاس اپنوں سے کرنے کے لیے۔''وہ چھیڑ رہا تھا۔

''سچی!''وہ اپنوں سے ملنے کے احساس سے خوش ہو گئی۔

''آپ کتنے اچھے ہیں۔''وہ بے ساختہ کہہ گئی۔

''زیادہ بٹرنگ نہ کرو مسز! شام کو لینے بھی آؤں گا کیونکہ اب میں اکیلا نہیں رہ سکتا، آپ کے بناء۔''وہ محبت سے کہہ رہا تھا۔ آنور کے لبوں پر شرمیلی مسکان پھیل گئی تھی۔

☆......☆

''اسی دن کے لیے میں اس ... کے خلاف تھی۔ ہر کوئی سمدھیانے سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ جھوٹ بول کر میرا تو منہ دکھ گیا۔''

ماہ پارہ غصے سے زیور اتار کر ڈریسنگ پر پٹخ رہی تھیں۔ فرہاد صاحب اچٹتی نگاہ سے ان کے تیور دیکھ رہے تھے۔

''تم نے ناحق اپنے نامۂ اعمال میں مزید گناہ کا اضافہ کیا۔''فرہاد صاحب نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''تو کیا سچ بتاتی کہ چپڑاسی کی بیٹی ماہ پارہ کی بہو ہے۔''

''بتا بھی دینے سے تمہارے بینک بیلنس میں کوئی کمی تو نہیں آجاتی ناحق تم نے ان بے چاروں کو کونے میں دھکیل دیا۔''فرہاد صاحب کو ان کے مزاج کا اچھی طرح اندازہ تھا مگر وہ پھر بھی احساس دلانا نہیں بھولتے تھے۔

''تو کیا سچ بتاتی کہ چپڑاسی کی بیٹی ماہ پارہ کی بہو ہے۔''ماہ پارہ تنک گئیں۔

''بتا بھی دینے سے تمہارے بینک بیلنس میں کوئی کمی تو نہیں آجاتی ناحق تم نے ان بے چاروں کو کونے میں دھکیل دیا۔''فرہاد صاحب کو ان کے مزاج کا اچھی طرح اندازہ تھا مگر وہ پھر بھی احساس دلانا نہیں بھولتے تھے۔

''تو آپ کے بیٹے نے کون سی کمی چھوڑی۔ آنور کو لے کر ساس سسر کے گھٹنے سے لگ کر سارا وقت بیٹھا رہا۔ اسے ذرا اسٹیٹس کا خیال نہیں ہے۔''ماہ پارہ سلگ رہی تھیں۔

''کیوں خون جلا رہی ہو اپنا اور دیکھو آنور کے سامنے اس قسم کی باتیں کرنے سے پرہیز کرنا۔ وہ اب ہماری بہو ہے، عرشان، آنور کی بے عزتی کسی صورت برداشت نہیں کرے گا۔''فرہاد صاحب کو بھی ماہ پارہ کی طرح تقریب میں مشکل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ جس کلاس سے تھے وہاں پیسہ ہی سب کچھ تھا۔ ان کے بزنس مین دوستوں نے ان سے بھی کریدا تھا کہ سمدھی کا اکاؤنٹ کہاں کہاں ہے مگر انہوں نے بات سنبھال لی تھی۔ جھوٹ نہیں کہا تھا۔ انہیں بس بیٹے کی پسند کا خیال تھا۔ لوگوں کی باتیں کب رکتی ہیں جو آج رک جاتیں۔

''تم بھی ذہنی طور پر قبول کرلو تو ہی اچھا ہے۔ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔''فرہاد صاحب ناصحانہ انداز میں سمجھا کر واش روم میں بند ہو گئے تھے۔ ماہ پارہ نخوت سے سر جھٹک گئی تھیں۔

''جوڑے بھلے آسمانوں پر بنتے ہیں مگر ٹوٹتے تو زمین پر ہی ہیں نا!'' ماہ پارہ کے چہرے پر پراسراریت پھیل گئی تھی۔

☆......☆

صبح صبح دونوں کو دیکھ کر سب ہی خوش ہو گئے تھے۔

''اچھا کیا جو چلے آئے آپ لوگ، بہت مس کر رہے تھے آپی کو ہم۔'' روبی دروازہ کھول کر انہیں دیکھتے ہی چلائی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ان سب کے درمیان بیٹھے تھے۔

''اب کیسا ہے اماں گھٹنوں کا درد؟'' وہ ہاجرہ کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ آئنور نے اس کے عمل کو دلچسپی سے دیکھا تھا۔

''اب کم ہے بیٹا۔'' ہاجرہ ممنون تھیں وہ جس اپنائیت محبت سے بات کرتا تھا وہ سب گرویدہ تھے۔

''آرتھوپیڈک سرجن میرے بہت اچھے دوست ہیں۔ میں آپ کو جلد ہی ان کے پاس لے جاؤں گا۔''

''نہیں بیٹا! ٹھیک ہے۔'' ہاجرہ جلدی سے کہہ گئیں کہ مبادا وہ ابھی ہی لے جانے کی ضد نہ شروع کر دے۔

''چائے بنالو۔'' سونی پانی کا گلاس لے کر آئی تو ہاجرہ اسے کہتے قدوس صاحب کو اشارہ کرنے لگیں کہ وہ ... لے آئیں باہر سے۔

''آئنور کو کھلائیں، پلائیں، میں آفس چلتا ہوں ابا۔''

''ایسے کیسے بیٹا کچھ تو۔'' قدوس صاحب کو بھی اس کا اس طرح جانا عجیب لگا۔ پھر خود ہی کچھ سوچ کر چپ ہو گئے کہ شاید اسے غریبوں کے گھر کچھ کھانے میں تامل ہو ... غریبی تو ہر وار ہی کاری ہوتا ہے۔''

''ہم ناشتا کر کے نکلے ہیں۔ رات کا کھانا آپ سب کے ساتھ کھاؤں گا ابا۔'' عرشان ولی جیسے ان کی سوچ پڑھ گیا تھا۔

''چلتا ہوں، اللہ حافظ۔'' عرشان ولی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ سب نے الوداعی کلمات کہے تھے وہ کمرے سے نکل آیا۔

''چابی شاید اندر رہ گئی۔'' وہ چلتے چلتے صحن میں رکا۔

''صرف چابی نہیں سیل فون بھی بھول آئے تھے۔'' آئنور مسکراتی ہوئی سامنے آئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں گاڑی کی چابی اور عرشان ولی کا سیل فون تھا۔

''اور جو میں کہوں یہ حرکت جان بوجھ کر ہوئی ہے تا کہ مسز سے دو پل اکیلے میں بات کر سکوں تو؟'' عرشان ولی مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ آئنور جی بھر کے محظوظ ہوئی۔

''تو بھی ہم نے کون سا آپ کو کوئی سزا سنا دینی ہے۔ گاڑی آہستہ چلائیے گا۔ لنچ ٹائم پر کیجیے گا۔'' وہ ہدایت کرتی جا رہی تھی۔

''کیا بیویوں والے ڈائیلاگ بولنے لگی ہو۔'' اس کی ہدایت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ اس کے لیے متفکر تھی۔ جہاں خوشی ہو رہی تھی وہیں وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

''ہاں تو، بیوی ہوں تو بولوں گی نا۔'' اس نے ناز سے کہا۔

''سر تسلیم خم ہے اور کوئی حکم؟'' انداز شرارتی تھا۔ آئنور نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''Miss me!'' وہ اس کے رخساروں پر انگلیوں سے جلترنگ بجاتا گزر گیا تھا۔

اس کی گاڑی نکلی تو وہ بھی دروازہ بند کرتی اندر چلی آئی۔ روبی تمام گفٹس کو لیے بیٹھی تھی جو عرشان ولی ساتھ لے کر آیا تھا۔

''آئنور! عرشان کو سمجھایا کرو۔ اتنا کچھ نہ کیا کرے۔'' ہاجرہ گفٹس کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔

''اماں! ان گفٹس کا مجھے بھی نہیں پتا تھا اور وہ ان معاملوں میں میری نہیں سنتے۔'' آئنور نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔

''پھر بھی بیٹا، اچھا نہیں لگتا ہم بیٹی والے ہیں۔'' قدوس صاحب بھی تردد کا شکار نظر آئے۔

''آپ عرشان کو داماد نہیں بیٹا سمجھیں۔'' آئنور اپنا پرس نظروں ہی نظروں میں ڈھونڈ رہی تھی۔ اس کی نظروں کو پڑھ کر سونی نے قریب رکھا پرس اس کے حوالے کیا۔

''تم خوش ہو نا؟'' ہاجرہ اس کے چہرے کو ٹٹول رہی تھیں اور یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات تھی اس کا چہرہ خود چغلی کھا رہا تھا کہ وہ کتنی خوش ہے۔

''جی اماں!'' وہ پرس میں ہاتھ ڈالے کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ جب پرس سے ہاتھ باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں ہزار ہزار کے نوٹ کی گڈی تھی۔ ہاجرہ کا ہاتھ تھام کر اس نے وہ گڈی ان کی ہتھیلی پر دھر دی تھی۔ سب کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔

''یہ کیا کر رہی ہو؟'' ہاجرہ کو جیسے بچھو نے ڈس لیا۔

''یہ میں اپنے خرچ کے پیسوں سے لائی ہوں جب تک گھر میں آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں بن جاتا آپ یہ رکھیں۔'' وہ سختی سے ان کی کلائی پکڑے ہوئے تھی۔

''یہ مناسب نہیں ہے آئنور۔ میری نوکری لگ جائے گی۔'' قدوس صاحب کی غیرت بھی گوارا نہیں کر رہی تھی۔

''عرشان بہت اچھے ہیں ابا! وہ مجھ سے کوئی حساب نہیں لیں گے۔ شادی کر کے میں آپ لوگوں سے الگ تو نہیں ہو گئی۔ مجھے اپنے گھر کے معاشی مسائل کا احساس ہے، اب آپ لوگ مجھے غیر سمجھ کر کچھ نہیں بولیں گے آپ لوگ۔''

وہ ہاجرہ کی مٹھی میں زبردستی گڈی تھما کر اپنے ہاتھ پیچھے کر گئی تھی۔ سب پیسے لینے میں تامل کر رہے تھے۔ اتنی بڑی رقم زندگی میں شاید ان سب نے ایک ساتھ دیکھی تھی مگر یہ بھی اٹل حقیقت تھی کہ پیسہ زندہ رہنے کے لیے ضروری تھا۔

''عرشان بھائی رات کا کھانا ساتھ کھائیں گے۔ اس کی تیاری نہ کر لیں۔'' سونی نے سب کی توجہ اہم مسئلے کی طرف دلائی۔

''ہاں ہاں سونی تم کسٹرڈ اچھا بناتی ہو، وہ بنا لینا۔ باقی آئنور بتاؤ عرشان کیا شوق سے کھاتا ہے۔'' ہاجرہ کے چہرے پر فکرمندی آ گئی تھی کہ جانے اسے کچھ ناپسند نہ گزرے۔

''آپ ٹینشن نہ لیں، میں اور سونی کر لیں گے۔'' آئنور نے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

''نہیں پہلی بار آئی ہو، کچن میں تھوڑی جانے دوں گی، بس پسند بتاؤ عرشان کی۔'' ہاجرہ نے صاف جتا دیا۔

''اماں کچھ بھی بنا لیں۔ وہ کھا لیں گے۔'' ان کا تردد دور کیا۔

''دیکھا آپی کتنی سائیڈ لینے لگی ہیں عرشان بھائی کی۔'' روبی نے چھیڑا تو آئنور جھینپ سی گئی۔

☆......☆

”کتنا تکلف کرتے ہو بیٹا!“ عرشان ولی فروٹس اور مٹھائی کے ساتھ انٹر ہوا تھا۔ قدوس صاحب بے ساختہ ٹوک گئے۔

”غیر تو نہ بنائیں۔“ وہ اجنبیت جتانے پر گلہ کر گیا۔

سب تھوڑی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے۔ ہاجرہ کے اشارہ کرنے پر روبی اور سونی دسترخوان لگانے لگی تھیں۔

”آپ پلنگ پر بیٹھ کر کھانا کھا لیں۔“ پرتکلف دسترخوان لگ چکا تھا۔ عرشان ولی بھی نیچے بیٹھنے لگا تو آنور نے ہولے سے کہا۔ ”نیچے بیٹھ کر دسترخوان پر کھانا کھانے کا بھی اپنا ہی لطف ہے۔“ عرشان ولی بے تکلفی سے کہتا بیٹھ چکا تھا۔ دسترخوان پر جابجا نشان دیکھ کر اسے شرمندگی ہونے لگی تھی۔ ایک ہی دسترخوان تھا جو دھل دھل کر بھی نشان کو مٹا نہ سکا تھا۔ اسے رنگ برنگی پلیٹوں پر بھی شرمندگی ہونے لگی تھی۔ ایک ڈھنگ کا ڈنر سیٹ گھر پر نہیں تھا کہاں وہ چمچ، چھری، کانٹے سے کھانا کھانے والا اور کہاں یہاں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ عرشان ولی نے اپنے کسی عمل سے کچھ نہیں جتایا تھا جو انہیں کم مائیگی کا احساس [illegible] آنور کی نظر میں سسرال کی بڑی سی ڈائننگ میز اور کنکیٹری گھوم رہی تھی۔

”عرشان بیٹا! تمہیں میرے [illegible] عادت ہو گی اوپر بیٹھ جاؤ۔“ ہاجرہ کو بھی احساس تھا۔ وہ اس کے شایان شان انتظام نہ کر سکی تھیں۔

”میں ریلیکس ہوں آپ نے بنایا [illegible] کے لیے یہ بتائیں، پلاؤ تو بہت لذیذ ہے۔“ پلاؤ کھاتے وہ دیگر چیزوں کی طرف دیکھتے اشتیاق سے استفسار کر رہا تھا۔

”اماں تو بہت ڈر رہی تھیں کہ جانے آپ کو پسند [illegible] سب کچھ ہی اماں اور سونی نے بنایا ہے۔ روبی نے بھرپور مدد کی دونوں کی۔“ آنور، قدوس صاحب [illegible] ڈالتی گویا تھی۔ سب خوش گوار ماحول میں کھانا کھا رہے تھے۔

”ہمارے گھر تو شیف ہی کھانا بناتا ہے۔ مام اور بھابی کو کوکنگ کا شوق [illegible] سو مجھے یہاں کھانا کھا کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ جب اپنے کھانا بناتے ہیں تو اس میں ان کی محبت بھی شامل [illegible]“ اس کے لفظوں نے سب کے ہی دل جیت لیے تھے۔

”عرشان بھائی کسٹرڈ بھی ٹرائی کریں۔ ورلڈ فیمس ہوں میں سویٹ ڈش بنانے میں۔“ [illegible] نے پیالی بھر کر کسٹرڈ اس کی طرف بڑھایا۔

”لاؤ، ابھی تمہارا امتحان ہو جائے۔“ اس نے پیالی تھام لی۔

”ارے پہلے کھانا تو ٹھیک سے کھا لینے دو عرشان کو پھر میٹھا کھلا دینا۔“ ہاجرہ ٹوکتی ہی رہ گئیں۔

”آپ ٹینشن نہ لیں اماں، میں ساری چیزیں چکھوں گا۔“ اس نے اطمینان دلا کر کسٹرڈ چمچہ بھر کر منہ میں ڈالا۔

”اچھا نہیں ہے۔“ سونی اس کے عجیب و غریب تاثرات پر ڈر کے پوچھنے لگی۔ کسٹرڈ کے جاتے ہی منہ کا زاویہ بدل گیا تھا۔

”بھئی تم تو انعام کی حقدار ہو۔“ وہ مسکراتے ہوئے بے ساختہ بولا تھا۔ سونی کی سانسیں بحال ہوئیں۔ آنور بھی مسکرا دی۔

”تو یہ آپ کے تاثرات نے تو ڈرا دیا تھا۔“

اپنے گھر میں عالیشان ڈائننگ ہال کی خوب صورت اور قیمتی ڈائننگ ٹیبل پر کھانا کھانے والا عرشان ولی فرش

پر بچھی چٹائی پر چھوٹے سے دسترخوان پر کھانا کھا رہا ہے۔ جانے ابھی تمہاری اور کتنی اچھائیاں میرے سامنے آئیں گی۔“ آنور اسے بغور دیکھتی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی تھی۔

”اماں! دیکھیں آنور میرے کھانے پر نظر لگا رہی ہے۔ اسے کہیں اپنا کھانا کھائے۔“

وہ اس کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے شرارت سے کہہ گیا تھا۔ سب کی نظریں اپنی طرف مرکوز دیکھ کر اس نے سر جھکا کر اپنی پلیٹ پر نظر جمالی تھی۔

☆......☆

میں جا کر تیری ازلوں کی
تو افضل خاص الخاص پیا
مجھے سارے درد قبول سجن
مجھے تیری ہستی [illegible] پیا
”چپ کیوں ہو [illegible]

وہ گھر جا رہے تھے۔ [illegible] ٹریفک معمول سے کم تھا۔ عرشان ولی نے اس کے وجود کے گرد بازو کر کے اسے قریب کیا تھا۔ آنور نے [illegible] اس کے شانے سے ٹکا دیا تھا۔ تب ہی عرشان ولی نے اس کے سر سے ہولے سے اپنا سر ٹکرا کر استفسار کیا تھا۔

”آپ کے ساتھ کو محسوس کر رہی ہوں [illegible] رہا ہے۔ چاروں طرف خاموشی میں اور دل چاہ رہا ہے یہ سفر ختم نہ ہو۔“

”کہو تو ساری رات ڈرائیو کر سکتا ہوں، موڈ ہے لانگ ڈرائیو کا؟“ وہ اس کی رضا جاننا چاہتا تھا۔

”پھر بھی آپ کو صبح آفس بھی جانا ہوگا۔“ اسے خیال تھا۔

"DON`T WORRY MY DEAR! ANY THING ANY TIME FOR YOU!"

وہ ہر حال میں اس کی خواہش پوری کرنا چاہتا تھا۔

”نہیں تھکن سی ہو رہی ہے۔ ویک اینڈ پر چلیں گے۔“ اس نے پروگرام فائنل کر دیا۔

”او کے جی جو حکم آپ کا۔“ وہ کورنش بجا لایا۔

☆......☆

آنور ڈریسنگ کے سامنے کھڑی ایئر رنگ اتارنے لگی تھی۔ عرشان ولی نے ہاتھ میں تھاما سیل فون ڈریسنگ ٹیبل پر رکھنا چاہا تھا مگر بے دھیانی میں سیل فون ٹیبل کی جگہ ماربل پر گر گیا تھا۔ آواز زوردار آئی تھی غالباً فرنٹ سائیڈ زمین سے لگا تھا۔

”ٹوٹ تو نہیں گئی اسکرین؟“ آنور نے ایئر رنگ رکھ کر بے ساختہ کہا۔

”بال آ گیا ہے اسکرین پر۔“ عرشان ولی سیل فون لے کر بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ سیل فون سے میموری کارڈ اور سم نکال رہا تھا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں؟“ آنور بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر اس کی کارگزاری دیکھ رہی تھی۔

”سیل سے کانٹیک کر رہا ہوں۔“ عرشان ولی مصروف عمل تھا۔

''پھر آپ کیا یوز کریں گے۔ یہ تو کافی مہنگا ہے۔'' آئنور کی استعجابیہ آواز نکلی۔
''اسی ماڈل کا دوسرا سیٹ پڑا ہوا ہے، وارڈ روب میں۔'' اس نے آرام سے گوش گزار کیا۔
''آپ ایک معمولی بال آنے پر یہ سیل ریجیکٹ کر رہے ہیں۔'' آئنور کی حیرت کم نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے اسکرین کو بغور دیکھا۔ معمولی سا بال تھا۔
''ہاں عادت ہے۔ تم پلیز دوسرا سیٹ لے آؤ۔ لاسٹ ڈرا میں ہے۔''
اس نے شاہانہ انداز میں کہتے ہوئے اسے سیل فون لانے کو کہا تو وہ وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی نشاندہی کے عین مطابق سیل فون کا ڈبا ڈرا میں ہی تھا۔ اس نے سیل فون کا ڈبہ اٹھایا تو اسے فوٹو البم بھی نظر آگئے۔
''عرشان! یہ البمز کیسے ہیں؟'' اسے دلچسپی محسوس ہوئی۔
''میرے فوٹوز ہیں۔ BORN سے کچھ عرصہ پہلے تک کے فوٹوز ہیں اب اس میں ہماری شادی کی بھی تصویریں ایڈ کروں گا۔'' وہ بیٹھے بیٹھے جواب دے رہا تھا۔
''میں دیکھ سکتی ہوں؟'' وہ وارڈ روب میں سر دیے ہی استفسار کر رہی تھی۔
''Why not! اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے مسز! مجھ سے جڑی ہر چیز پہ حق ہے تمہارا۔'' وہ مان بڑھا گیا تھا۔ آئنور سیل فون کے ساتھ البم بھی اٹھا لائی تھی۔ عرشان ولی ایک سائیڈ کا پردہ ہٹا کر ایک کمرے کا دروازہ کھولنے لگا تھا۔
''یہ روم ہے؟'' آئنور کو تو اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس کے کمرے کے ساتھ ملحق کوئی اور روم بھی ہے۔'' کئی گھنٹوں اس کمرے کی مکین بنے ہو گیا تھا۔ انتہائی تجسس سے اس کے پیچھے گئی تھی۔ ریجیکٹ روم میں بس باکس ہی باکس بنے ہوئے تھے۔ دیواروں میں۔ آئنور کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ کچھ چیزیں تو بالکل نئی حالت میں پڑی ہوئی تھیں۔
عرشان ولی نے اوپری باکس کو کھول کر اس میں اپنا ڈیمج سیل فون کا باکس رکھ دیا تھا۔
''یہ سب کیا ہے؟'' وہ کمرے کے بیچوں بیچ کھڑی متحیر تھی۔
''اس کمرے میں میری ساری زندگی کی استعمال شدہ چیزیں ہیں جنہیں میں کبھی خود سے الگ نہیں کرتا۔''
آئنور باکس کھول کر چیزوں کا جائزہ لینے لگی تھی۔
''لیکن ان میں سے تو کئی چیزیں بالکل نئی ہیں۔'' وہ رسٹ واچ کو دیکھ رہی تھی جو لاکھوں کی تھی۔
''ہاں بس کچھ نہ کچھ خامی ہے سب میں۔''
''کل کو مجھ میں آپ کو کوئی خامی نظر آئی تو آپ مجھے بھی اس ریجیکٹ روم کا حصہ بنا دیں گے؟'' وہ جانے کیوں یہ سوال کر گئی۔ اسے عرشان ولی کے جنون سے خوف آنے لگا تھا۔ چیزوں سے بھرا کمرا گو کہ ایک ترتیب سے تھا مگر چیزوں پر درج تھا کہ وہ اس قابل نہیں کہ انہیں ہاتھ بھی لگایا جائے۔
''مجھے پتا ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' عرشان ولی اس کے سوال پر چونک گیا تھا۔ وہ بے جان چیزوں سے خود کو جوڑ گئی تھی۔
''کل کو میں معذور ہو جاؤں پھر؟'' وہ جاننا چاہتی تھی۔ اسے کھد بد لگ گئی تھی۔
''کیسی فضول باتیں کرنے لگی ہو۔ چلو روم میں۔'' ناگواری سے کہتے وہ اسے چلنے کا اشارہ کرنے لگا تھا۔
آئنور نے خاموش نظر چیزوں پر ڈالی تھی اور اس کے ساتھ روم سے باہر نکل آئی تھی۔

''شیف کو بلیک کافی کا بول دو، میں فریش ہو کر آتا ہوں۔'' عرشان ولی واش روم میں بند ہو گیا تھا۔
اس نے انٹرکام اٹھایا مگر کچن سے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا تب ہی وہ خود کمرے سے نکل آئی۔
''لوٹ آئیں گھر سے؟'' کاریڈور میں ہی اسے حمنی مل گئی۔
''جی۔''
''خوب باتیں ہوئی ہوں گی گھر والوں سے، شادی بعد تو سمجھو ناختم ہونے والی باتیں مل جاتی ہیں بیٹیوں کو۔'' حمنی مسکرا کر اپنی کیفیت بھی بتا رہی تھی۔
''صحیح کہہ رہی ہیں بھابی دو دن بھی نہیں ہوئے میکے کو چھوڑے اور آج گھر گئی تو یوں محسوس ہوا جیسے برسوں بعد آئی ہوں۔'' وہ بھی اپنے احساسات شیئر کر گئی۔
''ہاں ناں میکے جا کر بندہ اپنی چیزوں میں ہی کھو جاتا ہے۔'' حمنی بھی دکھ سکھ سے مزین جذبات عیاں کر رہی تھی۔
''کہاں جارہی ہو؟'' حمنی نے استفسار کیا۔
''عرشان نے کافی کا کہا تھا مگر کچن میں کوئی انٹرکام نہیں اٹھا رہا۔ سوچا خود ہی کافی بنا لوں۔''
''گڈ!'' حمنی مسکرانے لگی۔
''آپ پئیں گی بھابی آپ کے لیے بھی بناؤں؟'' وہ محبت سے پوچھ رہی تھی۔
''نہیں سوئیٹ ہارٹ! ابھی کافی پی تو نیند اڑ جائے گی، تم اپنے میاں کی ہی نیند اڑاؤ۔ میں پھر کبھی تمہارے ہاتھ کی کافی ٹرائی کروں گی۔'' حمنی اسے چھیڑتی ہوئی چلی گئی تو وہ بھی مسکرا کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔
''اتنا بڑا کچن اف!'' وہ پہلی بار اندر سے کچن دیکھ رہی تھی۔ کچن میں کوئی نہیں تھا۔ آئنور آگے بڑھ کر کافی کا جار کیبنٹ میں ڈھونڈنے لگی۔ اس کی نظر ایک باکس پر پڑی۔ کیبنٹ بھری ہوئی تھیں۔
''دنیا جہاں کی چیزیں بھری ہوئی ہیں۔ جو میں ڈھونڈ رہی ہوں بس وہی نہیں ہے۔'' وہ حیران ہوتی بڑبڑانے لگی۔ صاف ستھرا خوب صورت سا کچن اے ٹو زی ہر چیز جگہ پر تھی۔
''کچن میں ٹیبلٹ اور ایک ہی اتنی مقدار میں۔'' وہ استعجاب سے میڈیسن کے ڈبے دیکھ رہی تھی۔
''بی بی جی! آپ یہاں؟'' اسی دم ملازمہ داخل ہوئی تھی۔
''آپ کو کچھ چاہیے تھا تو انٹرکام کر دیتیں۔'' ملازمہ اسے دیکھ کر حیران تھی۔
''میں خود کافی بنانا چاہ رہی ہوں لیکن کافی نہیں مل رہی۔'' آئنور باکس واپس اندر دھکیل کر کیبنٹ بند کر گئی۔
''اس کیبنٹ میں ہے کافی، آپ ہٹیں میں نکال دیتی ہوں۔'' آئنور اس کی ہدایت پر سائیڈ ہو گئی تھی۔
ملازمہ کافی کا جار شوگر سب سامنے رکھنے لگی۔
''میں بنا دیتی ہوں بی بی جی! صاحب کے لیے بنانا ہے؟''
''شیف کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔'' ملازمہ اسے چلتا کرنے کے جتن کر رہی تھی۔
''نہیں میں خود بنا لوں گی۔'' آئنور نے کہا تو ملازمہ سر ہلا کر ماہ پارہ کے لیے گرین ٹی بنانے لگی۔

☆......☆

''تجھ کو آگے بڑھنا ہے تو اپنے دل کو ہلکا کر لے
بوجھ اٹھا کر چلنے والے اکثر پیچھے رہ جاتے ہیں''

''کہاں چلی گئی تھیں؟'' وہ کافی لے کر واپس آئی تو عرشان نائٹ سوٹ زیب تن کیے لیپ ٹاپ کی اسکرین روشن کر چکا تھا۔

''آپ کی کافی!'' وہ کافی کا مگ سائیڈ پر رکھ گئی۔

''تم نے بنائی؟'' وہ حیران ہوا۔

''جی۔'' وہ پاس ہی بیٹھ گئی۔

''تھینکس ڈیئر!''

آئنور مسکرا کر البمز لے کر بیٹھ گئی تھی۔ جو یوں ہی بیڈ پر پڑی تھیں۔

''تم نے ولید کے آفس میں جو کافی بنائی تھی اس کا بھی بہت ہاتھ ہے میرے دل پر مہر لگانے میں۔'' وہ شوخی سے سچ کہہ رہا تھا۔

''اچھا جی۔'' [illegible]سے بھی اس وقت کی افراتفری یاد آ گئی۔ شازیہ کیسے بولائی بولائی پھر رہی تھی اور اسے کافی بنانے پر اصرار کر [illegible]۔

''لاؤ البمز مل کر [illegible] تمہارا سب سے تعارف کرواتا ہوں۔'' اس کی دلچسپی دیکھ کر اس نے لیپ ٹاپ کو سائیڈ پر رکھ کر البمز اپنی طرف [illegible] آئنور بھی قریب آ گئی تھی کہ تعارف سے دلچسپی مزید بڑھ جاتی۔

''یہ میری دنیا میں انٹری کی پہلی تصویر [illegible] کو دیکھو کتنے ہینڈسم لگ رہے ہیں اور خوش بھی۔'' عرشان ولی تصویر دیکھ کر کہتے خود بھی مسکرا رہا تھا۔

''ڈیڈ آپ سے پیار جو بہت کرتے ہیں۔'' وہ بھی [illegible]۔

''ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں۔'' وہ نازاں تھا۔

''یہ دیکھو فرسٹ ڈے اسکول کی پک۔''

دونوں البمز پر جھک گئے تھے۔ مختلف تصاویر ایک کے بعد ایک [illegible] محظوظ ہو رہی تھی۔

''یہ سر ولید ہیں نا؟ آپ لوگ اسکول فیلو تھے؟'' وہ دلچسپی سے ولید کی [illegible] رہی تھی۔ منحنی وجود لیے مگر شکل پوری وہی تھی۔

''ہاں بہت پرانی دوستی ہے ہماری، ایک دوجے کے بنا رہ نہیں سکتے تھے اور آج تک [illegible] یہ دوستی ہے۔'' وہ خوش تھا۔

آئنور نے اگلا صفحہ پلٹا تھا اور اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اسے اپنی آنکھوں کا دھوکا لگا مگر اس نے سہ بار دیکھی زویا اور کاشان کی تصویر منہ چڑا رہی تھی۔

''یہ!'' اس کی پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

ہر تصویر میں وہ دونوں عرشان ولی کے ساتھ تھے۔

''یہ زویا اور کاشان ہیں فیملی فرینڈ!'' اس کے وہم کی تصدیق عرشان ولی نے کر دی تھی۔ اسے بیٹھے بیٹھے چکر آنے لگے۔ اسی لمحے عرشان ولی کا سیل بجنے لگا تھا۔

''لو شیطان کا نام لیا اور حاضر۔'' عرشان ولی سیل فون دیکھتے مسکرایا۔ آئنور کا دم جیسے اٹکنے لگا۔ کاشان کی کال؟ اس کے اندر سوال سر اٹھانے لگے مگر لب پہ قفل پڑ گئے تھے۔ وہ شاکڈ بیٹھی رہ گئی تھی۔

(جاری ہے)

صدف سعد

ردا کی ڈائری

سیدہ عروج فاطمہ کی ڈائری سے

پروین شاکر کی نظم

اپنے فون پہ اپنا نمبر
بار بار ڈائل کرتی ہوں
سوچ رہی ہوں
کب تک اس کا [illegible] انگیج رہے گا
دل کڑھتا ہے
اتنی اتنی دیر تلک
وہ کس سے باتیں کرتا ہے

سحر مبین کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

اور پھر یوں ہوا
اِک پھولوں جیسی لڑکی کو
کانٹوں نے مسخ ڈالا
آندھیوں کے جھکڑوں نے
اسے زمین پر پٹخ ڈالا
اور پھر یوں ہوا
سنگ دلی عروج پر پہنچی
بے حسی کی آگ جھلسا گئی
اور پھر یوں ہوا
بہاروں سے رنگ روٹھ گئے
آنکھوں سے آنسو سوکھ گئے
بے وفائی کا ناگ ڈسنے لگا
آنکھوں سے لہو رسنے لگا
اور پھر یوں ہوا
زوال پذیر ہوئی ہونٹوں کی مسکان
روح تک بھی ہو گئی بے جان
اور پھر یوں ہوا
دل ویران ہو گیا
ایک موم کی مورت
پتھر کا مجسمہ بن گئی!

ایم جے قریشی کی ڈائری سے

گوہر ملسیانی کی غزل

کیسا [illegible]تری کا گھمسان پڑا ہے
چاروں جانب [illegible] سب کا سامان پڑا ہے
کیسا دنگل [illegible] کھیل رہے ہیں
لڑنے بھڑنے کی خاطر [illegible] پڑا ہے
ساغر ہیں سب ٹوٹے رند [illegible]
ساقی گم ہے مے خانہ ویران پڑا ہے
کہتا ہے خوش ہو لیں سارے ناچ دکھا کر
انسانوں کے پیچھے اب شیطان پڑا ہے
کرسی کے لالچ میں سب کچھ بھول رہا ہے
کن باتوں میں الجھا یہ انسان پڑا ہے
جس کو دیکھو سوچوں میں وہ ڈوب رہا ہے
ہر بندہ اس حالت میں حیران پڑا ہے
گوہر نے سب ملت کا غم گھول دیا ہے

عقدوں کے حل کرنے کو قرآن پڑا ہے

نوید صدیقی کی ڈائری سے

نوید صدیقی کی غزل

خشک ہیں لب زینب کے اصغر پیاسا ہے
ایک دو کب ہیں سارا لشکر پیاسا ہے
یہ دریا کیا اس کی پیاس بجھائے گا
اس دریا کے پاس سمندر پیاسا ہے
آسمان پر ابر دکھائی نہیں دیتا
اور زمین پر [illegible] پیمبر پیاسا ہے
لازم ہے [illegible] اب کیا جائے
کرب و بلا کی شام [illegible] پیاسا ہے
کہتا ہے کہ آؤ مقابل [illegible] کے
ایک حسینی میرے اندر پیاسا ہے

مریم ماہ منیر کی ڈائری سے

ایک خوب صورت غزل

جو بدل کے تیری ذات سے میری ذات میں سما گئے
وہی انداز دلبری مزاج کے میری روح کو سجا گئے
میری خوشبوؤں کی تھی داستان تمہیں کیا خبر جان جاں
میری مردہ روح میں مثال کے ایک جان سی ڈال گئے
کبھی دلیری، کبھی راہبری، کبھی لہجے میں شیرینی
میری ذات کے بام و در کو چاہتوں سے سجا گئے
آشوب میں قندیل لیے تیری محبتوں کی لفاظیاں
میرے کانوں میں امرت، سانسوں میں خوشبو بسا گئے
بڑی دلفریب سی ہے یہ دل لگی، مجھے دل سے قبول ہے
تیری محبتوں کے سحر نے میری روح کے گرد جال بچھا دیئے

شائستہ جواد کی ڈائری سے

اعتبار ساجد کی نظم

یہ سال بھی آخر بہت تھا
کچھ یادیں ٹیسیں خواب لیے
کچھ کلیاں چند گلاب لیے
کچھ انکھڑیاں پر آب لیے
کچھ اجلے دن کالی راتیں
کچھ سچے دکھ جھوٹی باتیں
کچھ تپتی رتیں کچھ برساتیں
کسی یار عزیز کا دکھ پیارا
کسی چھت پر امیدوں کا تارا
جس پر ہنستا تھا جگ سارا
اس شاعر نے جو حرف لکھے
اس میں تیری یاد کے سائے تھے
ان ہنستے بستے لوگوں نے
میرے سارے دکھ اپنائے تھے
پھر میں نے یاد کی مٹی میں
زخمی لمحے دفنائے تھے

مہوش جواد کی ڈائری سے

نوشی گیلانی کی نظم

[illegible] ہونٹوں پہ کھل رہے ہیں
جو حرف [illegible] جم گئے تھے
انہیں اب آواز [illegible]
پروں سے محروم فاختاؤں کو
اذن پرواز مل گیا ہے
جو پھول خوشبو کے
بانکپن سے بچھڑ گیا ہے
گلاب بن کر مہک رہا ہے
مہک رہا ہے یہ باغ سارا
یگانگت اور محبتوں کے عمل کا جو خواب
زرد موسم کی آندھیوں نے بجھا دیا ہے
وہ رفتہ رفتہ نئے دنوں کی ہتھیلیوں پر
سحر کا پیغام لکھ رہا ہے

......☆......

نورین ملک

اشعار

عانیہ نیازی ـــــ ربوہ

تجھے محبت کرنا نہیں آتا
مجھے محبت کے سوا کچھ نہیں آتا
زندگی گزارنے کے دو ہی طریقے ہیں محسن
ایک تجھے نہیں آتا ایک مجھے نہیں آتا

ثناء حیات ـــــ کراچی

رات گہری تھی ڈر بھی سکتے تھے
ہم جو کہتے تھے کر بھی سکتے تھے
تم جو بچھڑے تو [illegible] نہ سوچا
کہ ہم تو پاگل تھے مر بھی سکتے تھے

دھنک ناز ـــــ [illegible]

مت پوچھ کہ میرے صبر کی وسعت کہاں تک ہے
تو آزما کے دیکھ لے تیری طاقت کہاں تک ہے
وہ اور ہوں گے جنہیں تم سے امید وفا ہو گی
ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

صبا سحر ـــــ ہارون آباد

کبھی مہربان کبھی آشناؤں جیسا ہے
مزاج اس کا عجیب دھوپ چھاؤں جیسا ہے
قتیل میں کس دل سے اس کو بے وفا کہوں
وہ بے وفا نہیں بے وفاؤں جیسا ہے

نوشین مدثر ـــــ لاہور

کتنا رویا تھا میں تیری خاطر
اب جو سوچوں تو ہنسی آتی ہے

امبرین حیدر ـــــ اسلام آباد

کیوں نہ ہم اس کو آئینہ ہو کر ملیں
بے وفا ہے وہ تو اس کو بے وفا ہو کر ملیں

رابعہ منیر ـــــ سرگودھا

صبح کی ہوا تجھ سے ملے تو کہہ دینا
شام کی منڈیروں پر دیئے ہم جلائیں گے
ہم تیری محبت کے جگنوؤں کی آمد پر
تتلیوں کے رنگ سے رستے سجائیں گے

حنا علی ـــــ ملتان

ہر ایک نے کہا کیوں تجھے آرام نہ آیا
ہنستے رہے لب پہ تیرا نام نہ آیا
مت پوچھ کہ ہم ضبط کی کس راہ سے گزرے
دیکھ کر تجھ پہ کوئی الزام نہ آیا

[illegible] فاطمہ ـــــ ملتان

اس [illegible] کہ ثابت ہو جرم خاموشی
ہم اپنی [illegible] کا اظہار کرنا چاہتے ہیں
کسی کو کیسے بتلائیں [illegible] ہم خود بھی
تیرے بچھڑنے کے اسباب [illegible] جانتے ہیں

نور فاطمہ ـــــ لیہ

گنجائش نکل ہی آتی ہے ایک دل لگی کی
کوئی بھی محبت کسی کی آخری نہیں ہوتی

زرلش خان ـــــ پشاور

مجھے بھی پتا تھا کہ بدل جاتے ہیں لوگ
مگر تمہیں بھی میں نے لوگوں میں گنا ہی نہیں

شمائلہ ملک ——— کراچی

لوگ کیوں بس کے اجڑ جاتے ہیں کبھی سوچا ہے
کس لیے جاں سے گزر جاتے ہیں کبھی سوچا ہے
جو نظر آتے ہیں آئینہ پوشاکوں میں
وہ بھی مٹی میں اتر جاتے ہیں کبھی سوچا ہے

رامین ——— گجرات

کوئی موسم ہو دل میں ہے تمہاری یاد کا موسم
کہ بدلا نہیں جاناں تمہارے بعد کا موسم
نہ کوئی غم خزاں کا ہے نہ خواہش بہاروں کی
ہمارے ساتھ ہے امجد کسی کی یاد کا موسم

رانیہ سکندر ——— اسلام آباد

جب لوگ ہی جذبوں کی توقیر نہیں کرتے
ہم بھی کوئی دکھ اپنا ... نہیں کرتے
دل چیرتا ہے کیسے لہجے کا ...
کرتی ہے زباں وہ کچھ جو تیر نہیں کرتے

اسماء ——— حیدرآباد

جو ہو سکے تو بھلا دینا رنجشیں دل کی
محبتوں کا تقاضا ہے درگزر کرنا
آپ کے طرزِ تغافل سے بھی کیا گلہ
ہمیں بھی آتا نہ تھا دلوں میں گھر کرنا

زرینہ مظہر ——— نواب شاہ

وہ پیڑ جن پر پرندوں کے گھر نہیں ہوتے
دراز جتنے بھی ہوں معتبر نہیں ہوتے
میرے قبیلے کی پہچان ہے فقط اتنی
کہ ان کے ذہنوں میں نفرت کے گھر نہیں ہوتے

عینی مرتضیٰ ——— ملتان

روز یاد آنے کی شکایت ہے آپ سے
کیا جانے کیسی چاہت ہے آپ سے
لوگ تو بہت ہیں کہنے کو لیکن
دل کو نہ جانے کیوں محبت ہے آپ سے

مریم نواز ——— فیصل آباد

خواب میں بھی تم اب نہیں آتے
مطلب نفرتیں ان دنوں عروج پر ہیں

عائشہ علی ——— خانیوال

تجھے بھولنا ہوتا تو کب کا بھلا دیتے
تم حسرتِ زندگی ہو کوئی مطلب زندگی تو نہیں

عمارہ شکیل ——— کراچی

اس کو کھونے کا بہت دکھ ہے مگر
ہم اسے پانے کے اسباب کہاں سے لاتے

حورین علی ——— ملتان

رکا ہوا ہے عجب دھوپ چھاؤں کا موسم
گزر رہا ہے کوئی دل سے بادلوں کی طرح

میرب شاہ ——— بورے والا

شام تنہائی ڈس رہی ہے مجھے
درد کے بادلوں نے گھیرا ہے
لو چراغوں کی تیز تر کر دو
دل میں بڑا اندھیرا ہے

فرزانہ ... ——— کراچی

رکتا بھی نہیں ... بھی نہیں ہے
یہ دل کہ تیرے بعد ... نہیں ہے
اک عمر کے صحرا سے تیری یاد کا بادل
ٹلتا بھی نہیں ہے اور برستا بھی نہیں ہے

نعیمہ توقیر ——— حیدرآباد

تُو نام کا دریا ہے روانی نہیں رکھتا
بادل ہے وہ بے فیض جو پانی نہیں رکھتا
یہ آخری خط آخری تصویر بھی لے جا
میں بھولنے والوں کی نشانی نہیں رکھتا

......☆......

نورین ملک

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

ڈپریشن

ڈپریشن حاصل اور خواہش کے درمیان فاصلے کا نام ہے۔ ڈپریشن انسان کو اس وقت ہوتا ہے جب وہ چاہتا کچھ اور ہے اور اسے ملتا کچھ اور ہے اور جو کچھ اسے ملتا ہے اس کو وہ پسند نہیں کرتا۔ ایثار کی تمنا ہو جائے تو ڈپریشن ختم ہو جائے گا۔

مصنف: واصف علی واصف
انتخاب: عاصیہ نیازی۔ ربوہ

نصیب والے

جھڑکیاں دینے والا، رعب جمانے والا، دھمکیاں دینے والا بھول چکا ہوتا ہے کہ وہ انسان ہے، انسانوں پر رعب جمانے اور انہیں جھڑکیاں دینے کا کوئی حق نہیں۔ ہر نقلی استحقاق صرف غرور نفس کا دھوکا ہے اور غرور انسان میں صرف اس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک وہ بدقسمت نہ ہو۔ نصیب والے، قسمت والے ہمیشہ عاجز و مسکین رہتے ہیں۔

مصنف: واصف علی واصف
انتخاب: صبا سحر۔ ہارون آباد

شاعر، صحافی اور وکیل

شاعروں کو ضرور شادی کرنی چاہیے اگر بیوی اچھی مل گئی تو زندگی اچھی ہو جائے گی اور بیوی اچھی نہ ملی تو شاعری اچھی ہو جائے گی۔ دنیا کی وہ عورت جسے آپ ساری زندگی متاثر نہیں کر سکتے وہ بیوی ہے اور وہ عورت جسے آپ چند منٹوں میں متاثر کر سکتے ہیں وہ بھی بیوی ہے مگر دوسرے کی۔

شیطان کائنات کا سب سے پہلا صحافی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو خبر دی کہ انسان زمین پر جا کر کیا کرے گا۔ یہی نہیں وہ پہلا وکیل بھی ہے جس نے آدم کو مشورہ دیا پھل کھا لو۔ پھر کوئی تم سے جنت کا قبضہ نہ لے سکے گا۔ ہمیشہ یہیں رہو گے اور فیس مشورے میں جنت لے لی۔

اپنی غلطی تسلیم کرنا دراصل خود کو انسان ماننا ہے۔ کیونکہ وہ صرف شیطان ہے جس نے آج تک اپنی غلطی تسلیم نہیں کی۔ شاید اس لیے ہم بھی آج تک غلطی نہیں مانتے۔

مصنف: ڈاکٹر یونس بٹ
انتخاب: ... نیازی۔ ربوہ

اس ماہ کا شعر

تو ہے نیا تو دکھا صبح نئی شام نئی
ورنہ ان آنکھوں نے دیکھے ہیں نئے سال کئی

سنبل نقوی۔ کراچی

اس ماہ کے اقوال

☆ حقیقت یہ ہے کہ بدنظری ہی بدکاری کے راستے کی پہلی سیڑھی ہے۔

☆ دنیا کی ساری دلیلیں، جواز اور وکالتیں تو ہم اپنی ذات کے لیے رکھتے ہیں مگر ساری سزائیں دوسروں کے لیے منتخب کرتے ہیں۔

☆ اس زمین پر بہت زیادہ لوگ اور بہت کم انسان بستے ہیں۔

☆ عمر [illegible] بیوی، بوڑھا کتا اور نقد رقم وفادار دوست ہوتے [illegible]

☆ جب لوگوں [illegible] میں ایک دفعہ کھوٹ آجائے تو وہ ساری زندگی سفر [illegible] ہتے ہیں۔ زندگی ان کے لیے دکھ درد والی مسافرت بن [illegible]

☆ کچھ تعلق انا سے ٹوٹ جاتے ہیں [illegible] رشتوں کو قائم رکھنے کے لیے انا ضروری ہو جاتی ہے۔

☆ اتنا پڑھو اتنا پڑھو کہ ابلنے لگو۔ اس کے بعد لکھو۔

☆ چیزوں کی محبت دلوں میں مستقل بس جائے تو اندھی دیواروں جیسی ہو جاتی ہے۔ باقی عمر ان سے رہائی نہیں ملتی۔

میرب فاطمہ۔ حیدرآباد

اس ماہ کا پیغام

نئے سال کی صبح کے سورج
جو جاؤ ادھر تو ان سے کہنا کہ تمہارے
تمام عمر کے دکھ
اپنے نام کرنے کا سمجھوتہ کر کے
خوشیوں کی روپہلی کرنوں سمیت
کوئی محو انتظار ہے

مسکان سحر۔ لاہور

اس ماہ کی نظم

لفظوں کے شہر میں
دعاؤں کے سارے شجر
خزاں آلود ہو چکے ہیں
اشک باراں بھی
ان میں کوئی رنگ
کیونکر کھلا پائے گی
انہی قبولیت کے رنگوں سے
کیسے نکھار سکے گی کبھی
کہ یارب اب تو
میری کائنات یقین بھی فنا ہونے لگی ہے

تنویر جیلانی۔ واہ کینٹ

اس ماہ کی سوچیں اور......

☆ ہمیشہ خوشیوں کو ڈھونڈو کیونکہ غم بغیر ڈھونڈے مل جاتے ہیں۔

☆ [illegible] تیں بے شک آپ کی ہوتی ہیں مگر آپ [illegible] لیے ہوتے ہیں۔

☆ بے [illegible] نسان کو لے ڈوبتی ہے۔

☆ انسان عقل [illegible] پیچھے [illegible] تے ہیں شکل سے نہیں۔

☆ زندگی کا مفہوم سمجھ میں آتے آتے ساری زندگی بیت جاتی ہے۔

☆ محبت پانا ہر کسی کے لیے ممکن نہیں مگر محبت پھیلانا سب کے لیے ممکن ہے۔

☆ انسان وہی ہے جو دوسروں کی فکر کرے، صرف اپنی پرواہ کرنے والا آدمی کہلاتا ہے۔

☆ دوسروں کی عیب جوئی کرنے سے پہلے خود کو ایک بار ضرور دیکھو کیونکہ تم میں بھی کوئی عیب ضرور ہوگا۔

☆ احساس کمتری اور احساس برتری دونوں ہی میں مبتلا انسان کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

☆ کوئی شک نہیں کہ میرے کپڑے پھٹے پرانے ہیں لیکن یہ میرے اپنے ہیں۔

☆ جانے سے پہلے آنے کا انتظام کر لو۔ اگر آ نہ سکو تو جانا بے فائدہ ہے۔

☆ پرامید ہو کر سفر کرنا منزل پر پہنچنے سے بہتر ہے۔

☆ ٹوٹی ہوئی دوستی جڑ سکتی ہے مگر ثابت نہیں ہو سکتی۔

☆ ایک لمبی زبان [illegible] زندگی کو چھوٹا بنا سکتی ہے۔

مرسلہ [illegible] نیاز احمد۔ کراچی

اس ماہ کے وسوسے

محبت وسوسوں کا آئینہ ہوتی ہے۔ جس زاویے سے بھی اس کا عکس دیکھیں تو کوئی نیا وسوسہ [illegible] الگ ہی خدشہ سر اٹھاتا ہے۔ ایک پل پہلے مل کر جانے والا محبوب بھی موڑ مڑتے ہوئے آخری بار پلٹ کر نہ دیکھے تو دیوانوں کی دنیا اتھل پتھل ہونے لگتی ہے کہ جانے کیا ہوگا؟ کہیں وہ روٹھ تو نہیں گیا، کوئی بات بری تو نہیں لگ گئی اسے؟ اور پھر اگلی ملاقات تک سارا چین وسکون غارت ہو جاتا ہے کچھ ایسا ہی حال میرا بھی تھا لیکن میں کتنا بے بس تھا کہ اپنی مرضی سے قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ کبھی کبھی مجھے اس انسانی جسم کی لاچاری پر بے حد غصہ آتا تھا۔ ہمارے جسم کو ہماری سوچ جیسی پرواز کیوں نہیں عطا کی گئی؟ ایسا ہوتا تو میں اڑ کر اس بے پروا کے در جا پہنچتا تاکہ اس تغافل کی وجہ تو بتا دے۔

ہاشم ندیم۔ عبداللہ

صبا سحر۔ ہارون آباد

اس ماہ کا قطعہ

کوئی غنچہ اکیلا کھل رہا تھا
صبا کی مخبری دل مل رہا تھا
کسی کو سونپ کر اپنی جوانی
ایک پتا ہر اساں ہل رہا تھا

سباس گل۔ رحیم یار خان

اس ماہ کے اقوال

☆ انسانی زندگی قلب و روح سے عبارت ہے دل زندہ ہو تو ہم بھی زندہ دل مردہ ہو تو ہم بھی مردہ ہمارے جسم میں اس گوشت کے ٹکڑے کے متعلق دانا لوگوں نے کہا۔ ''تمہارے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا [illegible] درست ہوتا ہے جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا [illegible] رہے وہ دل ہے۔

☆ اللہ [illegible] نزدیک اس سے زیادہ کوئی عبادت نہیں کہ تو کسی مسلمان [illegible] کا دل خوش کر دے۔

☆ کسی انسان کے دل میں ایمان اور حسد اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

☆ بخل اور ایمان ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

☆ ایک شخص نے فرمایا کہ گناہ کیا ہے؟ فرمایا ''جو دل کو کھٹکے۔''

☆ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو مجھ جیسا وضو کرے پھر دو رکعت پڑھے دل سے باتیں نہ کرے تو حق تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ (بخاری شریف)

شمیم افشاں واسطی۔ ملتان

......☆......

Ridadigest.com

نورین ملک



حضور اکرم ﷺ نے فرمایا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے کہا۔

عرض کیا گیا۔"اے اللہ کے رسول ﷺ! میں کس سے نیکی کروں؟" آپ ﷺ نے فرمایا۔"اپنی ماں سے" پوچھنے والے نے کہا۔"اس کے بعد کس سے؟" فرمایا۔"اپنی ماں سے" اس نے کہا۔"اس کے بعد کس سے؟" فرمایا۔"اپنے باپ سے۔" اس نے کہا۔"اس کے بعد کس سے؟" فرمایا۔"جو زیادہ قریبی (تعلق رکھتا) ہو پھر جو اس کے بعد زیادہ قریبی ہو۔" (صحیح مسلم)

سیدہ نورین۔کراچی

عقل کی بھی حد ہے

حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا فرمان ہے۔

"ایسے علاقے میں نہیں رہنا چاہئے جہاں دینی مسئلہ بتانے والا عالم اور جسم کا علاج کرنے والا طبیب نہ ہوں۔" انسانوں کو قابو رکھنا جانوروں کے قابو رکھنے سے کہیں زیادہ سخت ہے۔جس طرح نگاہ کی ایک حد ہوتی ہے۔جس سے آگے وہ کام نہیں کرتی اسی طرح عقل کی بھی ایک حد ہے۔جس سے آگے وہ بے کار ہے شرک کے علاوہ ہر گناہ کی مغفرت کی امید ہے لیکن گمراہی کا معاملہ بہت سخت ہے۔

بحوالہ:ملفوظات امام شافعیؒ

صبا سحر۔ہارون آباد

لفظوں کی روشنی

☆جو لوگ شوق میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ان کی عبادت تاجرانہ ہے جو خوف میں عبادت کرتے ہیں ان کی غلامانہ ہے اور جو شکر نیت کے طور پر عبادت کرتے ہیں ان کی عبادت آزادانہ ہے۔

☆دلوں میں اترنے کے لیے سیڑھیوں کی نہیں بلکہ اچھے اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆توبہ کرنے والوں کی محبت میں بیٹھو کیونکہ وہ سب سے زیادہ نرم دل ہوتے ہیں۔

☆تعلیم انسان کو بولنا سکھا دیتی ہے مگر یہ نہیں کہ کب اور کتنا بولنا ہے۔

☆دن کی روشنی میں رزق تلاش کرو اور رات کو اس کو تلاش کرو جو رزق دیتا ہے۔

☆اگر آپ ہمت ہار چکے ہیں تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو سب کچھ کھو دیتا ہے اس کے پاس پانے کے لیے پوری دنیا ہے۔

☆خون کے رشتے چاہے کتنے ہی اذیت ناک کیوں نہ ہوں تا دم آخر ہمارے احساسات کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔

☆ٹھیک وہ نہیں ہوتا جو ہم چاہتے ہیں بلکہ ٹھیک وہ ہوتا ہے جو"رب" نے ہمارے لیے لکھ رکھا ہے اگر ہم چند جملوں پر مشتمل اس کلیے کو سمجھ لیں تو زندگی آسان ہو جائے۔

عانیہ نیازی۔ربوہ

پانی

پانی پینے کے صحیح اوقات جب وہ جسم پر بہتر انداز میں اثر کرتا ہے۔

☆ایک گلاس صبح اٹھنے کے بعد اندرونی اعضاء کو متحرک کرتا ہے۔

☆ایک گلاس نہانے کے بعد خون کے پریشر کو کم کرتا ہے۔

☆دو گلاس کھانا کھانے کے آدھے گھنٹے پہلے ہاضمے کو بہتر کرتا ہے۔

☆آدھا گلاس سونے سے پہلے ہارٹ اٹیک اور دماغی امراض سے بچانے میں مدد دیتا ہے۔

حنا علی۔ملتان

فرمان حضرت علیؓ

☆دوست کو دولت کی نگاہ سے مت دیکھو۔

☆وفا کرنے والے دوست اکثر غریب ہوتے ہیں۔

☆رزق کے پیچھے اپنا ایمان خراب مت کرو کیونکہ رزق انسان کو ایسے تلاش کرتا ہے جیسے مرنے والے کو موت۔

☆حق بات کی پہلی نشانی ہے اس کی ہمیشہ مخالفت ہوتی ہے۔جس کی کوئی مخالفت نہیں وہ قطعاً حق نہیں۔

سیدہ عروج فاطمہ۔ملتان

سنہری باتیں

☆تمہارا لباس پھٹا پرانا پیوند لگا ہو فکر نہ کرو اپنے جسم و روح کو صاف ستھرا رکھو۔

☆زندگی کی راہوں میں اس طرح پھول بکھیرے جاؤ کہ جب تم پیچھے مڑ کر دیکھو تو تمہیں گلستان نظر آئے۔

☆کسی سے محبت کرنا اور پھر اس کو کھو دینا کسی سے محبت نہ کرنے سے بہتر ہے۔

☆احسان کا بدلہ ادا نہ کر سکو تو زبان سے شکریہ ادا کر دیا کرو۔

☆خوش مزاج انسان ٹوٹے ہوئے دل کی دوا ہے۔

☆ہم موت کو برحق جانتے ہیں مگر مرنے کو تیار نہیں۔

☆اگر تم بھلا کر رہے ہو یقین رکھو اپنا بھلا کر رہے ہو۔

فرزانہ شوکت۔کراچی

جان لیں کہ......!

☆ہم کسی انسان کا سب کچھ چھین سکتے ہیں مگر اس کے جذبے نہیں۔

☆دل کی ہزار آنکھیں ہوتی ہیں مگر یہ دوست کے عیبوں کو نہیں دیکھ پاتیں۔

☆جس سے سچی محبت ہو اس سے مقابلہ نہیں کیا جاتا۔

☆لوگوں کی توقع پوری کرو لیکن کسی سے کوئی توقع مت رکھو۔

☆سچی محبت صرف ایک بار ہوتی ہے اور سچی خوشی بخشتی ہے پھر یہ زمانہ اور حالات و دماغ کی جنگ میں کم ہو جاتی ہے مگر کبھی مرتی نہیں۔

☆اگر تم اپنے ماں،باپ کی باتوں پر توجہ دو گے تو لوہے اور پتھر کی سلیں بھی تمہارے ہاتھوں میں موم بن جائیں گی۔

☆سونے کو آگ پرکھتی ہے اور انسان کو مصائب زمانہ۔

☆لوگ اونچے پہاڑوں سے نہیں بلکہ اکثر

کنکریوں سے پھسل جاتے ہیں۔

☆ محبت کی کشتی میں پہلا سوراخ شک ہوتا ہے۔

ایس امتیاز احمد۔کراچی

لڑائی

ایک لڑکی کی شادی ہو گئی۔ شادی کے پانچ دن بعد اس نے اپنی امی کو فون کر کے کہا۔ امی آج میری ان سے لڑائی ہو گئی ہے۔

''کوئی بات نہیں بیٹا! شادی کے بعد میاں بیوی کے جھگڑے چلتے رہتے ہیں۔'' امی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے امی! لیکن لاش کا کیا کروں؟'' لڑکی نے لاپروائی سے جواب دیا۔

دھنک [illegible]۔کراچی

علاج

ایک ڈاکٹر اپنے دوست کے ساتھ پارک میں چہل قدمی کر رہا تھا کہ سامنے سے آتی ہوئی ایک عورت کو دیکھ کر باڑ کے پیچھے چھپنے لگا۔ دوست نے حیران ہو کر پوچھا۔ ''کیوں بھئی کیا ہوا؟''

''میں اس عورت سے بچنا چاہتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''مگر کیوں ایسی کیا بات ہے؟'' دوست نے پوچھا۔

''میں نے اس کے شوہر کا علاج کیا تھا اس لیے یہ مجھ سے خفا ہے۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''تو کیا وہ مر گیا؟'' دوست نے دریافت کیا۔

''نہیں! وہ میرے علاج سے ٹھیک ہو گیا تھا۔'' ڈاکٹر نے منہ بسورتے ہوئے جواب دیا۔

مریم نواز۔فیصل آباد

نصیب

دعائیں مانگنا اور انتظار کرنا روز اول ہی سے نا صرف لڑکیوں کی قسمت میں لکھ دیا گیا بلکہ ان کی ساری ہستی ان دو چیزوں کے درمیان گھومتی رہتی ہے۔ دعائیں مانگنا اور ہر خوشی کا انتظار کرنا تو جیسے لازم و ملزوم ہیں۔ چاہے دل کے ہر گوشے میں ناامیدی کے زہریلے تیر پیوست ہوں چاہے نصیبوں کی سیاہی نگاہوں کو دھندلائے جا رہی ہیں۔ ہر آس نراس بنتی جا رہی ہو لیکن وہ خاموش لبوں سے دعائیں مانگے جائیں گی۔

نگہت توقیر۔چیچہ وطنی

محبت کا پیکر

دنیا میں ماں سے زیادہ حسین شے کوئی نہیں ماں کے بغیر زندگی ادھوری ہے۔ ماں تپتے صحرا میں چھاؤں اور دکھوں کے سمندر میں کنارہ ہے۔ ماں جنت کا راستہ اندھیری رات میں اجالا اور بارش دھوپ سے بچاؤ کے لیے سایہ ہے۔

ماں محبت کا پیکر ہے ایسی عظیم ہستی سے اس کی عظمت کے مطابق محبت کرو۔ جس نے تمہیں زمانے کی سورج جیسی گرم شعاعوں سے بچائے رکھا اور خود کو جلایا۔ ماں ایک عظیم سرمایہ ہے میری ماں میری دنیا ہے اللہ تعالیٰ میری ماں کا سایہ ہمیشہ میرے سر پر سلامت رکھے، آمین۔

رضوانہ رشید۔لاہور

......☆......

ذرا اپنے سے کہنا

غزل

دشت احساس میں ہم اتنے اکیلے کب تھے
دکھ تو پہلے بھی تھے پر اتنے گھنیرے کب تھے
ہم تو نکلے تھے ہواؤں کا مقدر لے کر
ہم کسی موڑ پر دم لینے کو ٹھہرے کب تھے
جاگتے [illegible] دشت میں صدیاں کتنی
یہ بھی یاد نہیں [illegible] سوئے کب تھے
ہر طرف شاخوں [illegible] صبا خاموشی
رات کے پیڑ میں آواز کے جھولے کب تھے

[illegible]

نظم

جاگتی آنکھوں سے بھی نظر آنے لگا ہے
وہ اس قدر مجھ میں ضم ہو گیا ہے
بھول جانا تو اب ممکن ہی نہیں ہے
میری نظموں میں بھی شامل ہو گیا ہے
یہ اچانک نجانے کیا ہو گیا ہے
چین قرار سب کھو گیا ہے
آخری بار دیکھا تھا بچپن میں
مجھے یہ معلوم ہی کب تھا
اتنا حسن تو پھولوں میں بھی نہیں ہے
جتنا حسین وہ ہو گیا ہے

سیدہ عروج فاطمہ

تم مجھ کو یاد کرنا......!

بس اک یہی ہے خواہش
بس ایک ہے تمنا
جب زندگی کا سورج
چپ چاپ ڈھل رہا ہو
تم مجھ کو یاد کرنا
آواز دیتے رہنا
مشکل گھڑی جو آئے
مجھ سے تسلی لینا
جب گھر مہک رہا ہو
خوشیوں سے جھومتا ہو
تمہارے قہقہے بھی
[illegible] میں ساتھ رکھنا
[illegible] میں جانا
تم مجھ کو یاد [illegible]
جب دل کو ٹھیس [illegible]
آنکھوں میں آنسو آئیں
تنہا کبھی نہ رونا
تم مجھ کو یاد کرنا

ایس امتیاز احمد۔

محبت کے علمبردار

لہولہو ہوتے میرے ملک کو
روندھی جانے والی کلیوں

کے چمن کو
بھوک سے بلکتے ننھے شیر خوار کو
محبت کے علمبردار کو
ذرا پھر سے کہنا یہ
کہ تمہارا خون قبول ہوگا
ارض وطن پہ
رحمتوں کا نزول ہوگا
امن کے دیس میں
یہ کانٹے تکلیف کے جس نے
اگائے
محبتوں بھائی چارے پہ پہرے
جس نے بٹھائے
ایسے لوگوں کو چھوڑ دو انہیں اب پوچھو
تم نے جہان بدلنا ہے
تو خود کو بدلو
تمہارا دشمن ذلیل ہوگا
وقت اس کا انتہائی
قلیل ہوگا
اپنے آنسو پونچھ ڈالو
اے کہنے والے بس
اتنا سا
ذرا پھر سے کہنا
کہ تمہارے غموں کی رات
ڈھلنے والی ہے

انیلا طالب

نظم

ہے تو سانس سے بھی قریب تر
میری رگوں میں دوڑتا خون ہے
میرے دل کی ہے تو دھڑکن
میری روح کا سکون ہے
تو بینائی ہے میری آنکھوں کی
میری جان بھی تیری محکوم ہے
تجھے چھوڑنا، تجھے بھولنا
ناممکن ٹھہرے سب معاملات
تجھے کھونے کا نہیں ہے حوصلہ
تو میرا محور جنون ہے
ہے تو سانس سے بھی قریب تر
میری رگوں میں دوڑتا خون ہے

سحر مبین

تُو

وہ تیری آنکھوں کے خواب سارے
وہ باتیں ساری حساب سارے
سوال سارے جواب سارے
وہ خوشیاں ساری عذاب سارے
نشہ تھا اک جو اُتر گیا ہے
کچھ تو ہے تو بدل گیا ہے
وہ تجھ سے ملنے کی آرزو تھی
جو تجھ کو پانے کی جستجو تھی
ہوئی جو چاہت [illegible] تھی
جو تیری آنکھوں میں [illegible] تھی
جو تیری باتوں کی راگنی تھی
جو تیری سانسوں کی تازگی تھی
جو تیرے لہجے میں چاشنی تھی
وہ میٹھا سارا پگھل گیا ہے
کچھ تو ہے تو بدل گیا ہے

فرزانہ شوکت

نہ اعتباری کا دکھ

میں نے تمہیں بہت الگ سے چاہا تھا
جاناں!
دھڑکنوں کو تمہارا نام سکھایا
تیری یاد کو اپنا وِرد بنایا
تمہاری آنکھوں کو اپنا لمس بخشا
تمہاری باہوں کو اپنا وجود سونپا
دل تیرے قرب کی تسبیح پڑھتا رہتا
میرا وجود تیرے پاؤں کے نیچے بچھا رہتا
نہ میں داسی نا میں دیوی
سو تمہاری نظر پل بھر کے لیے بدلی
مگر!
میرا دل ساری عمر کے لیے بدل گیا
اب وہ مجھے چھوتا ہے
میرے چہرے کو ہاتھوں میں بھرتا ہے
میرے بالوں کو سہلاتا ہے
اس کے گجرے میرے ہاتھوں میں مہکتے ہیں
ان کے لمس میرے جسم پہ دہکتے ہیں
مگر!
میری روح بے چین سی رہتی ہے
کہ جاناں! محبت کا ساتھی
اعتبار کا پنچھی
پنجرہ توڑ کے اڑ چکا ہے

شہلا گل صالح

خوش گمانی

مجھے ابھی تک یہ گمان ہے
تم لوٹ آؤ گے
میری اک صدا پر
محبت کی طبیعت میں
یہ کیسا بچپنا ہے ناں
کہ چھوڑ کر جانے والے کا
دل توڑ کے جانے والے کا
اسی بے قراری سے
اسی بے چینی سے انتظار رہتا ہے
جیسے کہ آغاز محبت کے
دنوں میں ہوا کرتا تھا
پر جانے والے کب لوٹا کرتے ہیں

نورین نور

خواہش

تجھے پانے کو میرا دل
کسی ننھے بچے کی مانند
ہمکتا ہے، بلکتا ہے
تیری چاہت کی نگری کو
فتح کرنے کو میرا دل
کسی شہنشاہ کی مانند
بہت بے تاب رہتا ہے
تجھے اپنا بنانے کو
تجھ ہی سے دل لگانے کو
ستاروں کی کہکشاں سے
تمہارا درپن سجانے کو
خواہش شدت سے کرتا ہے

مریم ماہ منیر

تمہیں جاناں
بتاؤں کیسے
کہ تم میرے
کون ہو
دھڑکنوں میں
بستے ہو
خیالوں میں
رہتے ہو
سوچتی ہوں تم کو
چاہتی ہوں تم کو
کیسے بتاؤ جاناں

Ridadigest.com

کہ تم میرے
کون

ریما نور رضوان

غزل

کسی کے رخ پہ یہ کیسا شباب اترا ہے
زمین دل پہ مسلسل عذاب اترا ہے
سنا رہی ہے کہانی یہ شام کی سرخی!
تھکن سے چور کہیں آفتاب اترا ہے
پسِ حجاب کوئی مجھ سے پیار کرتا ہے
اسی لیے مری آنکھوں میں خواب اترا ہے
اسی لیے تو کسی کے نہیں ہے بس میں یہ
فلک سے عشق و وفا کا نصاب اترا ہے
کوئی قرار کی صورت نظر نہیں آتی!
دلوں میں اپنے عجب اضطراب اترا ہے
یہ اس کے فہم و فراست کا معجزہ ہے حلیم!
مرے سوال سے پہلے جواب اترا ہے

حکیم خان حکیم

اے وطن

اے مرے پیارے وطن
تیرے سینے پہ جو زخم
اپنوں کے ہیں
ان پر مرہم کون رکھے گا
گلہ تو غیروں سے بھی ہے لیکن
جب اپنے ہی کم ظرف ہوں تو کوئی
کیا کرے؟
کیا کہے! مگر پھر بھی
ابھی کچھ تیرے محبوب محسن زندہ ہیں
غم نہ کر تیرا رکھوالا میرا اللہ ہے
اے مرے پیارے وطن

فیضان احمد فیضی

محبت کے اسیر

محبت کے اسیر اکثر محبت تسخیر نہیں کر پاتے
ہتھیلی پر دمکتی، ہیرے جیسی چاہت
کوئلہ سی لکیروں میں بدل ڈالتے ہیں
محبت کے مطلب، معانی، معیار سے عاری
اپنی سوچوں کے قافلوں کو
ہر سمت دوڑاتے رہتے ہیں
جذبے پرکھتے ہیں، وفائیں تولتے ہیں
کبھی اس سے
کبھی اس سے ملاتے رہتے ہیں
یہ محبت کی شدتیں ہی اکثر
اس کی روح کو گھائل کر جاتی ہیں
یہ دوسروں کو
موردِ الزام ٹھہرانے والا "عشق"
اپنی مات کا اکثر، خود ہی سبب بنتا ہے
... اور دل کی
... خواہشیں، بے پناہ حسرتیں
جو پیار ... رکھی
پرجوش قدم چاہتی ہیں
اور خفگی کے محاذ پر بھی جنگ کی قائل ہیں
پھر وہ خود کو سزا کیسے سنائے؟
جو محبت! خود اپنی ہی قاتل ہے
اپنی عجلت، کم ہمتی، ناقدری سے اکثر
انمول سپنے تعبیر نہیں کر پاتے
عہد ناموں کے محل اوسارنے والے
اعتبار تعمیر نہیں کر پاتے
محبت کے اسیر اکثر
محبت تسخیر نہیں کر پاتے

حمیرا فضا

☆ ......

سندیسے

شہلا گل سحر صالح ـــ کوہاٹ

ڈیئر صالحہ اپیا اینڈ نورین سلام الفت۔ مزاج میری دعا کے سائے میں خوش گوار ہوں گے انشاء اللہ۔ اللہ آپ کو لوگوں کو صحت کاملہ اور درازی عمر عطا فرمائے آمین۔ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے کچھ دن حاضری نہ دے سکی۔ مشکور رہوں گی۔ ردا کا نکھار دن بدن بڑھ رہا ہے۔ رائٹرز کمال کا لکھ رہی ہے۔ خواہش ہے کہ آپ کا بھی ایک ناول شروع ہونا چاہیے کہ آپ کی منجھی ہوئی تحریر سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ موسم خشک اور سرد ہے اور جنوری، فروری بارشوں کو چھوئے بغیر گزر گئے۔ دکھ ہوتا ہے کہ پھر بھی ہم اللہ سے دور اور اپنی مستی میں مست ہیں کہ اتنی نعمتیں عطا کرنے والا ہم سے ناراض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ناگہانی آفات سے بچائے (آمین)

سحر مبین ـــــ فیصل آباد

امید ہے خیریت سے ہوں گے آپ سب، بہت معذرت کے ساتھ کہ میں وقت پر تبصرہ نہیں کر پائی مصروفیت کے علاوہ ایک اور اہم وجہ یہ بھی ہے کہ فیصل آباد جیسے بڑے شہر میں بھی ردا بروقت نہیں مل پاتا۔ کبھی کبھی تو 20 تاریخ ہو جاتی ہے۔ دکانوں کے چکر لگا لگا کے انسان تھک جاتا ہے مگر یہ ہی جواب کہ ابھی تک نہیں آیا۔ فروری کا شمارہ بہت بیسٹ تھا۔ مستقل سلسلے وار ناولز تمام مکمل ناول، ناولٹ اور افسانے سب بہترین تھے۔ شکریہ قارئین! میرا ناول ہارلا جواب کو پسند کرنے کے لیے اگر مجھے بروقت ردا مل جایا کرے تو یقیناً میں بھی سندیسوں کی محفل کی رونقیں ضرور دوبالا کیا کروں (ہاہاہا) سب اپنا بہت خیال رکھیے گا انشاء اللہ اگلی دفعہ ضرور بروقت تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔

سیدہ عروج فاطمہ ـــــ ملتان

پیاری صالحہ آپی! آپ کی صحت و تندرستی بھری زندگی کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمارا اور آپ کا ساتھ یوں ہی قائم رہے اور ردا ڈائجسٹ ترقی کی منازل طے کرتا رہے (آمین) میں تو اپنی تحریریں بھیجنے کے بعد مطمئن ہو جاتی ہوں کیونکہ تسلی ہوتی ہے کہ اگر آپ کی نظر میں شامل اشاعت ہوئی تو جلد ہی شائع ہو جائے گی۔ شاعری بھی میں ہر ماہ نئی لکھ کر بھیجتی ہوں۔

☆ سوئیٹ عروج! آپ کی بات ہم تک پہنچ گئی وہ کسی کی پسند کے حوالے سے شائع ہوئی تھی اور آپ کے اشعار تو کسی کو بھی پسند آسکتے ہیں ناں سو اس میں پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں۔ آگے ہم دھیان رکھیں گے۔

انیلا طالب ـــــ گوجرانوالہ

السلام علیکم! ردا کے چمکتے دمکتے اسٹاف کو تہہ دل سے میرا محبت اور سچائی کی چاشنی سے لبریز سلام قبول

ہو۔ آپی! آپ کا یہ پرچہ نہ صرف خوب صورت تحریریں شائع کرتا ہے بلکہ اصلاحی اور سبق آموز کہانیاں اپنے وجود پر سجا کے ہماری زندگی کے کتابچے کا ایک ایک ورق حسین بناتا ہے، ردا میں شائع ہونے والی کہانی ”چل اڑ جا اب تیری باری“ مجھے آج بھی یاد ہے حالانکہ صرف میں اس کی ایک ہی قسط پڑھ پائی تھی امید کرتی ہوں ردا مزید سے مزید نکھرے گا اور ہمارے اذہانوں کو بھی نکھارے گا۔ ڈیئر آپی! معذرت چاہتی ہوں کہ جلدی میں کہیں اپنا ایڈریس لکھنا بھول گئی اس سے آپ کو بھی دشواری ہوئی اور مجھے بھی پریشانی ملی۔ بہر حال آپ کے کہنے پر اپنا مکمل ایڈریس اور رابطہ نمبر بھی بھجوا رہی ہوں انشاء اللہ آئندہ آپ کو زحمت نہیں ہوگی۔ آخر میں خصوصی طور پر آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے ردا جیسے پیارے رسالے کے لیے مجھ ناچیز کی کہانی کو قابل اشاعت سمجھا میں دیگر رسائل میں بھی لکھتی ہوں مگر جو مزہ ردا میں ہے وہ دوسروں میں کہاں۔ امید ہے کہانی لگتے ہی مجھے پرچہ مل جائے گا دلی شکریے کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں۔

سفینہ خورشید ــــ کوٹری

ڈیئر فرینڈ! میری طرف سے آپ سب کو بہت بہت پیارا سا سلام قبول ہو۔ باقی ردا کی جتنی تعریف کی جائے کم ہی ہوں گی کیونکہ سب ایک سے بڑھ کر ایک ہے اور قمروش جی آپ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ ریحانہ آفتاب جی آپ نے بھی کمال کر دیا۔ باقی سب بھی بہت زبردست ہی ہوگا کیونکہ وقت کی کمی کی وجہ سے مکمل تبصرہ نہیں کر سکتی آئندہ انشاء اللہ بھرپور تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی اب اجازت چاہتی ہوں سب اپنا بہت خیال رکھیے گا خدا حافظ۔

افشاں علی ــــــ کراچی

بہت ساری دعاؤں محبتوں کے نذرانے لیے افشاں علی سندیسے کی محفل میں حاضر ہے۔ ہر دل عزیز صالحہ اپیا اور پیاری سی نورین ملک سمیت ردا کی تمام رائٹرز و قارئین کو افشاں علی کا محبت بھرا پر خلوص سلام قبول ہو۔ موسم کی آنکھ مچولی کیا شروع ہوئی برکھا رت نے بھی بہاروں کے سنگ دستک دے دی سرد ہوائیں خوشگوار جھونکوں میں کیا بدلی موسم کے ساتھ نئے ماہ کا بھی آغاز ہوا اور اسی سنگ بطور تحفہ ردا ماہ فروری کا خوب صورت سی نیناں بتول کے سرورق سے سجا شمارہ بھی ملا۔ قمروش شہک کے ناول پر آخری قسط لکھا دیکھا از حد دکھ ہوا۔ اتنی جلدی اتنے خوب صورت ناول کا اختتام خیر یہ تو ازل سے دستور ہے جس کا آغاز ہوا اس کا انجام بھی کبھی نہ کبھی ہونا ہی ہوتا ہے۔ قمروش شہک بلاشبہ ردا کی کوئین آف پارٹ ہیں۔ اتنا زبردست ناول اف، لفظوں سے لے کر جملوں تک منظر نگاری سے لے کر پلاٹ تک تھیم سے لے کر کرداروں کے نام بھی اتنے جاندار و شاندار تھے کہ ناول اپنی مثال آپ تھا اتنا خوب صورت اور زبردست سا ناول لکھنے اور مکمل ہونے پر قمروش تہہ دل سے آپ کو ڈھیروں مبارکباد۔ یہ ناول تو اختتام پذیر ہوا لیکن اب آپ کے اگلے ناول کا بے صبری سے انتظار رہے گا۔ مکمل ناول اچھا تھا۔ وہیں چاروں ناولٹ بھی اپنی اپنی جگہ خاص رہے۔ اس بار چار ناولٹ شامل ردا رہے اچھا لگا۔ ثناء کنول کا ناولٹ کا ٹائٹل بہت پسند آیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ثناء کنول ایک اچھی لکھاری ہیں ثناء کنول آپ یوں ہی لکھتی رہا کرو آپ بہت اچھا لکھتی ہو۔ بات ہو افسانوں کی تو اس بار ایقان علی کا قصہ چار ازواج اور حرا

قریشی کا اکیسویں صدی کی شہزادی ٹاپ آف دی لسٹ رہے۔ باقی بھی افسانے اپنی اپنی جگہ اچھے تھے۔ ہر ماہ ردا بہتر سے بہترین کی طرف رواں دواں نظر آتا ہے اور ہر ماہ نئے رائٹرز کی شمولیت اس بات کی گواہ ہے کہ ردا وہ واحد پلیٹ فارم ہے جو نئے رائٹرز اور نئے ٹیلنٹ کو ابھار کر منظر عام پر آنے کا موقع فراہم کرتا ہے اور بے شک یہ صالحہ آپی کی مرہون منت ہے۔ اللہ آپ کو صحت و تندرستی اور اس کا اجر خیر دے۔ (آمین) اس ماہ میں اور خوشبو کی بات ہو اور ایس امتیاز احمد کا نام نہ لیا جائے تو ناانصافی ہوگی۔ ہمیشہ کی طرح ان کا لکھا ہو یا انتخاب پسندیدگی کی سند حاصل کر ہی لیتا ہے جیسے اس بار بھی ان کا مرتب ”راس نہ آیا“ اک سبق دیتا پیغام بھی تھا۔ ذرا پھر سے کہنا میں سیدہ ثمینہ شاہین، سباس گل، عروج فاطمہ کی شاعری بے حد پسند آئی۔ دوستوں کے نام پیغام میں پیاری سسٹر ثناء کنول کی منگنی کا سن کر از حد خوشی ہوئی دل کی تمام تر گہرائیوں سے دعا گو ہوں کہ یہ نیا رشتہ نئی خوشیاں لے کر آئے اور آپ یوں ہی ہنستی مسکراتی و خوش و خرم رہو آمین۔ منگنی کی بہت بہت مبارک ہو پیاری سسٹر حنا کنول اور سحرش فاطمہ اور ملالہ اسلم پیغام میں مجھے یاد رکھنے کے لیے بے حد شکریہ اچھا لگتا ہے ناجب آپ کے اپنے یوں ہی آپ کو یاد رکھے۔ امید ہے سندیسے کی محفل پھر سے براجمان ہو جائے گی۔ اب بہت ساری دعاؤں و نیک تمناؤں کے ساتھ افشاں علی کو اجازت۔ انشاء اللہ جلد ہی اسٹوری کے ہمراہ حاضر ہوں گی۔

گیتی آراء ــــــ کراچی

پیاری آپی اور نورین السلام علیکم! سال نو کی ایک بار پھر مبارک دینے کے بعد امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ 8 فروری کو ہمارا ہر دلعزیز ردا ملا۔ اپنے من پسند مضمون ”گوشہ آگہی“ سے لطف اندوز ہو کر آگے بڑھے تو اپنے جان عزیز صفحے ”ردائے جنت“ کا زبردست ٹاپک مال اور رزق سے متعلق باتیں دل میں اتر گئیں اور اب باری تھی قمروش کے ناول ”صحرا کی گلیوں میں عشق“، جس کی آخری قسط اور سید وڑائچ کا بھیانک انجام اور حشر دیکھ کر دلی خوشی اور سکون مل گیا۔ ایمس حبیب کی ”تمنا دل تمہاری ہوئی“ میں شاہ زیب کا کردار سنجیدہ سو برا اچھا لگا۔ عنادل بھی اپنے کردار خوب رہی۔ حنا شاہد کی ”اعمال کی فصل“ میں حنا جی کیا خوب کہا آپ نے۔ مگر پھر بھی وہ خالی ہاتھ تھے۔ ہماری ایقان علی حسب معمول اپنے منفرد سے اسٹائل کے ساتھ قصہ چہار ازدواج کے ساتھ حاضر خدمت تھیں۔ واقعی میں عورت صرف سوتیلی یا سوتن ہی نہیں ہوتی بلکہ ایک عورت بھی ہوتی ہے۔ سلمٰی غزل کی منفرد سی تحریر اچھی لگی۔ میکائل اور صنوبیہ کا بہن بھائی کی صورت ملنا پھر اچانک نیا موڑ لینا اچھا لگا۔ ماریہ یاسر کی ویلنٹائن ڈے پر لکھی اچھی تحریر تھی۔ زوہیب کا سو برسا کردار اچھا لگا۔ ریحانہ آفتاب کی ”عشق کی داستان جدا ہے میری“ میں ہمیں تو رہ رہ کر آئنور کی قسمت پر رشک آنے لگا۔ کرن نعمان کا ناولٹ ”سانجھ کی چھاؤں“ میں چچی کی گہری باتیں دل میں اتر گئیں۔ کائنات احمد کی ”خوش نصیب“ بھی اچھی تحریر تھی۔ حرا قریشی ”اکیسویں صدی کی شہزادی“ میں اپنے خوب صورت طرز تحریر کے ساتھ دل میں اتر گئی۔ ”جدا تو ہمیں ہونا ہے“ اپنے اندر منفرد انداز لیے اچھی رہی۔ سیدہ عروج فاطمہ کی ”شارٹ کٹ“ کے چکر میں رہنے والوں کے لیے ایک سبق آموز تحریر تھی

اور اب باری تھی شہلا گل سحر کے ناولٹ ”چھوٹ گئی بے اعتباری کی دھند“ میں شہیر اور راشیال کا نٹ کھٹ شوخ کردار دل میں اتر گیا۔ شہلا جی نے آج کل کے ماحول کی جو عکاسی کی اور اس کے کتنے غلط نتائج سامنے آسکتے ہیں اس بات سے بخوبی روشناس کرادیا۔ مون شاہ کی ”تم سے ملے“ میں شکر ہے کہ ہیروئن سانولی سلونی نکلی ورنہ دودھ جیسی رنگت سے کم تو ہیروئن ہوتی نہیں ہمارے یہاں۔ ثناء کنول اللہ دتہ کا ناولٹ سر فیصل سکوت جاناں سب سے پہلے تو نام ہی اتنا دلکش کہ دل میں گھر کرگیا۔ ویسے ثناء جی آپ نے کیا خوب بات کہی کہ کسی چیز کے ختم ہونے پر ہمیں شکوہ نہیں کرنا چاہیے اس نے آپ سے صرف یک چیز لی ہے سب کچھ نہیں۔ واہ ویلڈن ثناء ویلڈن۔ کتنی خوب صورت اور گہری بات کہی۔ شازیہ مصطفیٰ کا ناول ”پھول زندگی محبت خوشبو“ میں شہزیل کا مایا کے لیے حامی بھرنا دل خوش کرگیا۔ ”اس ماہ میں“ اور ”خوشبو“ ہمیشہ کی طرح ”ردائے جنت“ کے بعد فرسٹ کلاس فرسٹ رہے۔ ”ذرا پھر سے کہنا“ سبھی نے خوب لکھا۔ خاص کر سیدہ ثمینہ، سیدہ عروج۔ ”کچن“ میں بوٹی گوشت، تکہ بوٹی، باؤلی ہنڈیا زبردست رہے۔ ”سنگھار“ میں نارمل اور چکنی جلد کے علاوہ خشک جلد کا اسکرب ڈھونڈتے رہ گئے۔ مختصراً یہ کہ ماہ فروری کا ردا ہر بار کی طرح کامیاب اور زبردست رہا۔ آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے اور دن دگنی رات چوگنی ترقی دے، آمین۔

عائشہ مری ـــــــــ سبی

ڈیئر صالحہ آپی! نورین اینڈ دیگر اسٹاف، سب کو سلام آداب فروری کے شمارے کا تبصرہ لیے حاضر ہوں۔ ٹائیٹل گرل دیکھ کر شدت سے کسی کی یاد آئی خیر ٹائیٹل اچھا لگا۔ اب آتے ہیں شمارے کی جانب تو پہلے میں عطیہ مری کو ردا کی فیملی کا حصہ بننے اور پہلی کامیابی پر مبارکباد میرب عطیہ، فائنلی تمہارے ٹیلنٹ نے یہاں بھی اپنا لوہا منوا لیا اسی طرح زندگی کے ہر میدان میں کامیابیوں کے جھنڈے گاڑھ دینا آمین۔ فروری کے شمارے میں سب سے پہلے سلسلے وار ناولز کی جانب بڑھے آئنور کو فائنلی اپنی منزل مل ہی گئی اس نے جو چاہا وہ پالیا۔ ریحانہ آفتاب عمدگی سے ناول کو لیے آگے بڑھ رہی ہیں۔ امید ہے آئندہ بھی ناول کی دلچسپی یوں ہی برقرار رہے گی شازیہ جی کے ناول کی قسط بھی ٹھیک ہے۔ ناولٹ بھی سبھی متاثر کن رہے ثنا کنول کی تحریر بھی اچھی رہی۔ ثنا جی کو منگنی کی بہت بہت مبارکباد۔ دعا ہے زندگی کا نیا سفر خوشگوار رہے آمین۔ افسانوں میں ایقان علی بازی لے گئیں قصہ چار ازدواج متاثر کن رہی ایقان علی کی انداز تحریر بہت ہی عمدہ ہے۔ بہت خوب ایقان جی ویل ڈن۔ باقی کے تمام سلسلے بھی ٹھیک رہے جب کہ اس ماہ پکوان خاص متاثر نہ کرسکے دیسی کھانوں کے بجائے منفرد ذائقے اور پکوانوں پر توجہ دی جانی چاہیے۔ خوشبو اور اس ماہ میں میرے فیورٹ سلسلے میں باقی کا شمارہ ون ٹو آل بیسٹ تھا۔ آپی کی محنت اور لگن کی بدولت آج ردا افق کے اونچائیوں پر جگمگا رہا ہے اور دعا ہے کہ یہ صدایوں ہی جگمگاتا رہے اور یوں ہی کامیابیوں کی منزلیں طے کرتا رہے، آمین۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔

......☆......

عائشہ حمد

دوستوں کے نام پیغام

قارئین کے نام

السلام علیکم! دعا گو ہوں کہ تمام پڑھنے والے اللہ پاک کی رحمت و برکت کی بدولت ٹھیک ہوں۔ اس مرتبہ آپ سب سے کہنے کے لیے میرے پاس لفظ نہیں ہیں۔ بس آپ سب سے ایک گزارش کرنا چاہوں گی کہ پلیز میری امی جان جو اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔ ان کے لیے مغفرت کی دعا کردیجیے۔ ہوسکے تو سورہ فاتحہ اور تین بار سورہ اخلاص اور درود پاک پڑھ کے ان کو بخش دیں۔ آپ سب کا بہت بڑا احسان ہوگا۔

گھر کو سونا کر جاتی ہیں
نہ جانے مائیں کیوں مر جاتی ہیں

حفصہ کنول۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ

پیاری ردا فیملی کے نام

السلام علیکم! پیاری صالحہ محمود آپی اور ردا ڈائجسٹ کے تمام اسٹاف ممبران امید کرتی ہوں خیریت سے ہوں گے۔ تمام قارئین اور رائٹرز کو یہ بتاتے ہوئے مجھے بے حد خوشی محسوس ہورہی ہے کہ ردا ڈائجسٹ سے منسلک ہوئے مجھے ایک سال مکمل ہوگیا ہے۔ میری شاعری اور میرا پہلا افسانہ نومبر 2016ء میں ردا ڈائجسٹ میں شائع ہوا تھا۔ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ وقت بڑی تیزی سے گزر جاتا ہے لیکن ہمارے چاہنے والے دل کے آس پاس اپنا خاص مقام بنا لیتے ہیں۔ آج کل تو جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے قلمی دوستی کا رواج ختم ہوگیا لیکن شکر الحمدللہ میں خط کے ذریعے آپ سب سے نصف ملاقات کرلیتی ہوں۔ اس ایک سال میں ردا ڈائجسٹ فیملی نے میری زندگی میں خوشگوار اضافہ کیا ہے۔ میری پہلی ترجیح ردا ڈائجسٹ ہے۔ ایسے ہی جیسے انسانی وجود دل کے بغیر بے جان تصور کیا جاتا ہے۔ ویسے ہی ردا ڈائجسٹ میرے چہرے کی مسکراہٹ کے لیے لازم ہے۔ بحیثیت مصنفہ اور شاعرہ ردا ڈائجسٹ کے لیے لکھنے کا عمل جاری رہے گا۔ تمام اسٹاف ممبران، معزز صالحہ آپی اور تمام قارئین و رائٹرز کے لیے دلی دعائیں و نیک تمنائیں۔ اللہ آپ سب کا حامی و ناصر ہو اور سب کو خوش رکھے، آمین۔

سیدہ عروج فاطمہ۔ ملتان

ایک سفر کے نام

کسی کی جھنکار دل کا آرام تھا
وہ تیرا نام تھا
میرے ہونٹوں پہ جو رقصاں کلام تھا
وہ تیرا نام تھا
مجھ پہ قدرت ہمیشہ رہی مہربان
دے دیا سارا جہاں
پر جو سب سے بڑا انعام تھا
وہ تیرا نام تھا

فرزانہ شوکت۔ کراچی

ڈیئر صالحہ آپی اور نورین جی کے نام

السلام علیکم! ڈیئرسٹ آپی، نورین، ردا کے تمام نامور، مشہور، نامی گرامی رائٹرز اور تمام نیو رائٹرز، تمام ریڈرز، تمام مستقل سلسلوں میں شامل ہونے والے قارئین کے نام، ردا اسٹاف کے نام پیار و خلوص بھرا السلام علیکم۔ گزشتہ 10 سال سے میرا اور ردا کا رشتہ ہے۔ میرا اور ردا کا ساتھ ایسا ہے جیسے سہاگن کی کلائی میں چوڑیاں۔ میں کتنی بھی مصروف کیوں نہ ہوں، ردا کے لیے ہمیشہ حاضر رہتی ہوں۔ وقت و حالات کیسے بھی ہوں۔ میں خود کو تو Ignor کر سکتی ہوں پر اپنے پیارے ردا کو نہیں۔ ردا صرف میرا ہی نہیں، پورے پاکستان کا، لڑکیوں، خواتین + مردوں کا پسندیدہ اور عزیز ماہنامہ ہے۔ ردا سے پیار کا اظہار ردا کا حق مجھ سے ردا کو پیار کرنے کا حق، ردا کو سراہنے کا حق، ردا میں لکھنے کا حق کوئی نہیں چھین سکتا۔

ریما نور رضوان۔ کراچی

ردا کی پیاری رائٹرز کے نام

السلام علیکم! کیوٹ اینڈ سویٹ ایقان علی اینڈ جویریہ بانو مجھے آپ دونوں کی ہر تحریر آب حیات کے جیسے لگتی ہے۔ جویریہ بانو آپ کی تحریریں تو سحر میں جکڑ لیتی ہے۔ میں آپ کی ہر تحریر ان گنت بار پڑھتی ہوں۔ ایقان علی جی آپ کی تعریف کرنا تو میرے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ آپ کی تحریر کی تعریف کرنا سورج کو چراغ دکھانے جیسا ہے۔ آپ یقین کریں فہرست میں آپ کا نام دیکھ کر مجھے جتنی خوشی ملتی ہے اتنی خوشی تو مجھے اپنی تحریر دیکھ کر بھی نہیں ملی تھی۔ آپ کی تحریر کی کوئی نہ کوئی بات میری ڈائری کی زینت بن جاتی ہے۔ آپ کی تحریر "زہرہ" نے تو مجھے سحر میں جکڑ لیا ہے اس کی لاسٹ لائن تو مجھے ازبر ہے۔ زہرہ...... زہرہ وہ سن نہیں پا رہی تھی وہ بول نہیں پا رہی تھی مُردے بولا اور سنا نہیں کرتے۔ عبداللہ نے رخصت ہوتے وقت پوچھا تھا۔ اگر میں نہ آیا تو......؟ وہ خاموش رہ گئی تھی۔ وہ سچ مچ میں نہیں آیا تھا زہرہ کو خاموش ہونا ہی تھا۔ ان وارڈز نے تو مجھے جیسے قید ہی کر لیا ہے۔ پلیز آپ برا مت مانیے گا۔ کیا آپ نے محبت کی ہے؟ آپ کی تقریباً تحریروں میں محبت، محبت کا بچھڑنا اور بے حد دل گرفتہ انداز میں کیا آپ کی نظر میں محبت جدائی ہے۔ عائشہ نیازی کی محبت، عمر کی محبت، زہرا کی محبت، ایقان علی میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ میری دوستی کو قبول کریں گی؟ میں آپ کے جواب کی منتظر رہوں گی۔ آپ ہمیشہ خوش رہیں اللہ تعالیٰ آپ دونوں کی ہر جائز خواہش پوری کرے اور ایقان آپ ہمارے لیے یونہی پیاری پیاری کہانیاں لکھتی رہیں، آمین۔

سارہ احسان۔ بہاول پور

صالحہ آپا کے نام

السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ آپی پڑھ کر بہت غصہ آیا "گوشہ آگہی" میں ویب سائٹ والوں پر جو ہمارے اتنے پیارے ردا کا اس طرح مذاق بنا رہے ہیں۔ ردا ڈائجسٹ صرف ایک کتاب ہی نہیں ہے ہمارا بہت اپنا پیارا ساتھی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ردا کو ہر بری نظر سے بچائے اور دن دگنی رات چوگنی ترقی دے اور اگر کبھی کوئی بھی بری نظر ڈالے تو اللہ کرے وہ اپنے مقصد میں کبھی بھی کامیاب نہ ہو اور اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے تاکہ آپ ہمارے لیے ردا کو سجاتی رہیں، آمین۔

سفینہ خورشید۔ کوٹری

اپنی جند کے نام

السلام علیکم! میری پیاری جند اور جان! کیسی ہو؟ حنا میری شہزادی ہمیشہ خوش رہو مسکراتی رہو۔ حنا اپنا خیال رکھنا یو نو یاد آتی مس یو۔ وہ بھی کیا دن تھے جب تم میرے قریب تھے۔ مجھے آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد ہے جب ہم خوب لڑتے تھے۔ کھیلتے تھے میں تمہارے بازوؤں پر سر رکھ کر سوتی تھی اور تمہیں میرے بغیر نیند نہیں آتی تھی۔ خیر وہ ماضی تھا یہ حال ہے۔ حنا زندگی کے کسی بھی موڑ پر خود کو اکیلا مت سمجھنا کیونکہ میری دعائیں حنا کنول شہزادے کے نام ہیں اور ہاں اتنی مضبوط بنو کہ کسی کا دیا ہوا دکھ بھی تم پر اثر انداز نہ ہو۔ ایک غزل میرے دل کی آواز

کبھی گلاب تو کبھی چنبیلی
بہن کے روپ میں اک مخلص سہیلی ہے
اچھی بھی ہے وہ اتنی پیاری بھی ہے وہ
ہمیں فخر ہے کہ ایسی بہن ہماری بھی ہے
ہوتی ہے خفا پھر جلد ہی مان جاتی ہے وہ
ہماری خطاؤں کو وہ ہنس کے ٹال جاتی ہے
ہے وہ ہمیشہ سے ہمارے دکھ سکھ کی ساتھی
دعا ہے رہے وہ سدا مسکراتی
ملے اسے دنیا جہان کی ہر خوشی
خدا کرے سنگ سنگ رہے وہ سدا ثناء
اس بہن میں ہی ہے بس میری جان

ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھراں

پیاری ثناء کے نام

تمہاری منگنی کا سن کر از حد خوشی ہوئی، دعا ہے یہ نیا سفر نئی خوشیاں نئی منزلیں لے کر آئے ایک چھوٹی سی مگر خلوص بھری دعا تمہارے نام

مبارک تجھے تیری یہ منگنی ہو
آنے والا ہر پل خوشیوں سے بھرا ہو
تیرے اردگرد بہاروں کا رقص ہو
آئینہ تیری خوب صورتی کا عکس ہو
منزلیں خود تیرے قدموں میں آئیں
حسین پربال تیرے سپنوں میں آئیں
تجھے کبھی کوئی نہ مصیبت ملے
ملے تو ہر لمحہ اچھی قسمت ملے
سب لوگ تیرے گن گائیں
تو گھر سب کے دلوں میں بنائے
بلندیاں تیرے قدم چومے
مسرتیں تیرے چہار سو گھومے
پوری ہر اک خواہش ہو، جنت جیسی تیری رہائش ہو
مبارک تجھے تیری یہ منگنی ہو
آنے والا ہر پل خوشیوں سے بھرا ہو (آمین)

افشاں علی۔ کراچی

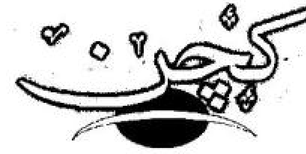
تھری اینجلز کے نام

ڈیئر نمرہ عارفہ اینڈ عطیہ! کیسے ہو تم سب، اللہ کرے جہاں رہو خوش رہو آباد رہو۔ وقت کا پہیہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے وقت کی خوب صورت یاد ابھی بھی ذہن میں ایسے ہے جیسے کل کی بات ہو۔ وہ زندگی کے یادگار دن، وہ بچپن، وہ لڑکپن وہ باتیں، دیکھتے ہی دیکھتے وقت کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ ہم سب اپنی زندگیوں میں ایسے مگن اور پریکٹیکل لائف کی الجھنوں میں ایسے الجھے پر اب بھی جب وہ بیتا وقت یاد آتا ہے تو لبوں پر مسکراہٹ سی بکھر جاتی ہے۔ وہ وقت تمہارا ساتھ وہ لمحے میرے لیے بیش قیمت ہیں، اس لیے اینجلز ہمیشہ ایسے ہی رہنا، معصوم، بے ریا، کیونکہ ہم سے ہے زمانہ۔ آخر میں دعا ہے یہ تھری اینجلز ہمیشہ ہنستے مسکراتے خوش آباد رہیں۔

عائشہ مری۔ بی

......☆......

ثریا اقبال



جھٹ پٹ والے انڈے

اجزاء:

انڈے : بارہ عدد
پیاز : تین پاؤ
لال مرچ پاؤڈر : تین چائے کے چمچے
ٹماٹر (باریک چوپ کرلیں) : آٹھ عدد
ہلدی پاؤڈر : آدھا چائے کا چمچہ
نمک : حسب ذائقہ
لہسن پیسٹ : آدھا چائے کا چمچہ
ہری مرچ : چھ سے آٹھ عدد
ہرادھنیا : گارنش کے لیے
تیل : دو کپ

ترکیب: ایک بڑی دیگچی میں تیل گرم کریں اور اس میں پیاز ڈال کر لائٹ براؤن کر کے ٹماٹر شامل کردیں۔ نمک، لہسن، لال مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر ڈال کر مسالا بھون لیں۔ پھر ایک پیالی میں انڈے توڑلیں ایسے کہ بالکل ثابت رہیں اس کی زردی نہ ٹوٹنے پائے پھر احتیاط سے انڈے کو مسالے کے اوپر ایک طرف رکھتی جائیں جب سب انڈے ڈال دیں تو ڈھانپ دیں پھر کچھ دیر بعد اس کو الٹ پلٹ دیں پھر ہری مرچ، ہرادھنیا ڈال کر پانچ منٹ تک دم پر رکھ دیں۔ مزے دار جھٹ پٹ دم والے انڈے تیار ہیں۔ روٹی کے ساتھ نوش فرمائیں۔

چائنیز اسپرنگ رول

اجزاء

مرغی کا قیمہ : آدھا کلو
انڈے : چھ عدد
سیاہ مرچ پاؤڈر : ایک کھانے کا چمچہ
سویا ساس : ایک کھانے کا چمچہ
میدہ : ایک کھانے کا چمچہ
دودھ : پون کپ
ہری پیاز (ہراحصہ کاٹ لیں) : دوعدد
پارسلے یا ہرادھنیا : دو کھانے کے چمچے
نمک : حسب ذائقہ
تیل : حسب ضرورت

ترکیب: سوس پین میں تین کھانے کے چمچے تیل ڈال کر قیمہ فرائی کرلیں۔ پانی خشک ہوجائے تو [illegible] مرچ پاؤڈر، سویا ساس، میدہ، ہری پیاز، ہرا دھنیا اور نمک ڈال کر دو تین منٹ فرائی کر کے اتار لیں [illegible] میں انڈوں کو تھوڑا سا نمک اور دودھ ڈال [illegible] کہ اس کے جھاگ بن جائیں۔ فرائنگ پین [illegible] کھانے کا چمچہ تیل ڈال کر پھیلا دیں۔ اس میں انڈے کا آمیزہ ایک بڑا چمچہ بھر کر ڈال اور پھیلا دیں۔ سنہرا ہونے پر نکال لیں۔ انڈے کے تمام آمیزے کے اسی طرح پین کیک بنالیں۔ ایک بڑی پلیٹ میں ایک پین کیک رکھ کر اس کے اوپر قیمہ رکھ کر رول بنالیں۔ تمام پین کیک کے اسی طرح رول تیار کرلیں۔ مزے دار چائنیز اسپرنگ رول سرونگ ڈش میں نکال کر کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

سنگاپورین رائس

اجزا

چکن : ایک پاؤ (بون لیس اسٹرپس کاٹ لیں)
اسپیگھٹی : آدھا پیکٹ (ابال کر چھان لیں)
گاجر : دو عدد (لمبائی میں باریک کاٹ لیں)
شملہ مرچ : دوعدد
بندگوبھی (چوپ کی ہوئی) : آدھا کپ
ہری پیاز (چوپ کریں) : چار عدد
چلی گارلک سوس : آدھا کپ
سویا ساس : چار کھانے کے چمچے
چلی سوس : دو کھانے کے چمچے
سیاہ مرچ پاؤڈر : آدھا کھانے کا چمچہ
سرکہ : ایک کھانے کا چمچہ
مایونیز : تین کھانے کے چمچے
لہسن ادرک پیسٹ : ایک کھانے کا چمچہ
چاول (ابلے ہوئے) : ایک کپ
تیل : چار کھانے کے چمچے
نمک : حسب ذائقہ

ترکیب: پیالے میں چکن، ایک کھانے کا چمچہ سویا ساس، ایک کھانے کا چمچہ چلی سوس، ادرک، لہسن پیسٹ، چار کھانے کے چمچے چلی گارلک سوس، سیاہ مرچ پاؤڈر اور سرکہ ڈال کر اچھی طرح ملا کر پچیس تیس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ سوس پین میں دو کھانے کے چمچے تیل گرم کر کے اس میں چکن ڈال کر پکائیں۔ گوشت گل جائے تو پلیٹ میں نکال لیں۔ اسی سوس پین میں باقی تیل گرم کر کے گاجر، شملہ مرچ، بندگوبھی اور ہری پیاز ڈال کر ایک منٹ فرائی کریں۔ اس میں چلی سوس، سویا ساس دو کھانے کے چمچے اور چلی گارلک سوس ڈال کر پکالیں اور چاول ڈال کر مکس کر کے چولہے سے اتار لیں۔ پیالے میں مایونیز اور دو کھانے کے چمچے چلی گارلک [illegible] لیں۔ ایک چھوٹے باؤل میں چاول کی تہہ لگائیں۔ اس پر [illegible] چاولوں کی تہہ لگا کر اسپیگھٹی کی تہہ لگائیں اور [illegible] پریس کریں۔ سرونگ پلیٹ میں نکال کر [illegible] چکن اور مایونیز کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

چکن رول

اجزاء

پیٹا بریڈ : دوعدد
مرغی : ایک پاؤ
ادرک : ایک درمیانہ ٹکڑا
لہسن : دو سے تین جوے
شملہ مرچ : آدھی
گاجر : آدھی
بندگوبھی : حسب ضرورت
ہرادھنیا : حسب ضرورت
ہری پیاز : دوعدد
[illegible] : آدھا چائے کا چمچہ
پسی ہوئی کھٹائی : آدھا چائے کا چمچہ
پسی لال مرچ : آدھا چائے کا چمچہ
کالی مرچ : حسب ضرورت
تیل : [illegible] لیے
تیل : دو کھانے کے چمچے
نمک : حسب ذائقہ

ترکیب: پہلے پین میں تیل گرم کریں۔ پھر اس میں ایک درمیانہ ٹکڑا ادرک، دو سے تین جوے لہسن، ابلی مرغی کے باریک ریشے، پیاز، آدھی گاجر، آدھی شملہ مرچ، بندگوبھی، ہرادھنیا، نمک، کٹی لال مرچ، کالی مرچ، پسی کھٹائی آدھا چائے کا چمچہ، پسی لال مرچ ڈال کر گرم کرلیں۔ اب ایک دوسرے پین کو تیل سے چکنا کریں اور دو سلائس کو سینک لیں۔ پھر بریڈ پر تیار کیا ہوا آمیزہ رکھ کر رول بنائیں اور گرم تیل میں فرائی کرلیں۔ تیار ہونے پر گرم گرم چکن رول کو

کسی بھی چٹنی یا کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

ویجی ٹیبل رول

اجزاء

مانڈا پٹی : آدھا پیکٹ
شملہ مرچ : ایک عدد
گاجر : ایک عدد
گوبھی : ایک چوتھائی ٹکڑا
ہری مرچ : دو سے تین عدد
ہری پیاز : ایک عدد
سویا ساس : دو کھانے کے چمچے
اویسٹر ساس : دو کھانے کے چمچے
کٹی لال مرچ : ایک چائے کا چمچہ
نمک : حسب ذائقہ
تیل : تلنے کے لیے

ترکیب: پہلے ایک عدد شملہ مرچ، ایک عدد گاجر، گوبھی، ہری مرچ اور ایک عدد ہری پیاز کو باریک کاٹ لیں۔ اب پین کو تیل لگا کر چکنا کرلیں۔ پھر اس میں تمام کٹی سبزیاں، دو کھانے کے چمچے سویا ساس اور دو کھانے کے چمچے اویسٹر ساس ڈال کر نرم ہونے تک فرائی کریں۔ پھر اس میں حسب ذائقہ نمک اور ایک چائے کا چمچہ کٹی لال مرچ بھی شامل کرکے کچھ دیر تک مکس کریں اور چولہے سے اتارلیں۔

گجراتی دہی بڑے

اجزاء

ماش کی دال (ایک گھنٹہ پہلے بھگودیں) : آدھا کلو
نمک : حسب ذائقہ
کٹی لال مرچ : ایک چائے کا چمچہ
دہی : ایک کلو
زیرہ بھنا ہوا : دو چائے کے چمچے
ہری مرچ : دو چائے کے چمچے
ہرا دھنیا : تھوڑا سا باریک کٹا ہوا
مونگ کی دال : آدھا کپ
پسی ہوئی لال مرچ : ایک چائے کا چمچہ
پیاز : ایک عدد
ثابت لال مرچ : چار عدد
ثابت زیرہ : ایک چائے کا چمچہ
کوکنگ آئل : دو کپ
کڑی پتا : تھوڑا سا

ترکیب: دونوں دالوں میں نمک، لال مرچ اور پیاز ڈال کر باریک پیس لیں اور تیل گرم کرکے اس میں چھوٹی چھوٹی پھلکیاں فرائی کرلیں اور پھر انہیں پانی میں ڈال دیں تاکہ نرم ہوجائیں۔ دہی کو ڈونگے میں ڈال کر اس میں کٹی ہوئی ہری مرچ اور کٹی ہوئی لال مرچ، پسا ہوا زیرہ ایک چمچہ، نمک اور ایک کپ پانی ڈال کر پھینٹ لیں۔ اب اس میں پھلکیاں ہاتھ سے دبا کر ڈال دیں اور ایک فرائنگ پین میں دو چمچے آئل لے کر اس میں کڑی پتا، ثابت زیرہ اور ثابت مرچ [illegible] کا بگھار دہی بڑوں پر ڈال دیں۔

کھویا ملائی کھیر

اجزاء

چاول (ابال لیں) : [illegible] کپ
کھویا : [illegible]
بادام : دس سے [illegible] عدد
کریم : ایک کپ
دودھ : ایک لیٹر
بادام : کاٹ لیں گارنش کے لیے
چینی : حسبِ ذائقہ

ترکیب: ساس پین میں دودھ ڈال کر پکائیں، ابال آجائے تو اس میں چاول ڈال کر مزید پکائیں، اتنی دیر تک پکائیں کہ دودھ کی مقدار آدھی رہ جائے۔ اس میں کھویا، بادام کا پیسٹ اور چینی ڈال کر پکائیں۔ کھیر گاڑھی ہوجائے تو چولہے سے اتارلیں۔ ٹھنڈی ہوجائے تو کریم مکس کرکے سرونگ باؤل میں نکال کر فریج میں رکھ دیں۔ مزے دار کھویا ملائی کھیر تیار ہے۔ ٹھنڈی ہوجائے تو بادام سے گارنش کرکے پیش کریں۔ ☆

شہلا مشائق

سنگھار

بالوں کو خوب صورت اور طاقتور بنائیں!

بالوں کے بارے میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ آپ کے بال کس قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ چکنے بال عموماً تیل میں ڈوبے اور سر سے چپکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ بال مٹی، میل اور گرد کو جلدی جذب کرلیتے ہیں۔ چکنے بالوں کے لیے زیادہ صفائی کی ضرورت ہوتی ہے بیکری کی اشیاء کھانا چھوڑ دیں [illegible] انگور اور سیب چھلکوں سمیت کھائیں۔ اس سے بالوں پر اچھا اثر پڑے گا۔ آپ ایسی خوراک لیں [illegible] وٹامن بی کمپلیکس اور آیوڈین زیادہ ہو۔

بالوں کو دھونے کے بعد ایک چمچہ سرکہ [illegible] گلاس پانی میں ملا کر سر میں لگائیں پھر پانی سے اچھی طرح سر دھولیں۔ کافی حد تک چکنائی ختم ہوجائے گی۔ چکنائی دور کرنے والے شیمپو استعمال کریں۔

خشک بال: بالوں کو خشکی سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ مکمل غذالی جائے متوازن غذا سے بہت جلد بال ٹھیک ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ تیل سر کے بالوں کی بہت بڑی ضرورت اور خوراک ہے۔ زیتون، ناریل یا خالص سرسوں کے تیل کی مالش کرنے سے بھی خشک بالوں سے نجات مل جاتی ہے۔

خشک بال بہت روکھے اور رنگت کے اعتبار سے اڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کو سیٹ کر کے کوئی شکل دینا مشکل ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہفتے میں دو بار رات کو سوتے وقت تیل کی مالش کریں۔

انگلیوں سے آہستہ آہستہ بالوں کی جڑوں میں تیل پہنچائیں۔ صبح اٹھ کر کسی اچھے شیمپو سے سر دھولیں۔ ہفتے میں ایک بار دہی میں لیموں ملا کر بالوں پر لگائیں اور ایک گھنٹہ بعد دھولیں۔

نارمل بال: صحت مند بالوں کی پہچان یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کا کوئی کھردراپن نہ ہو، خشکی اور سوکھا پن نہ ہو۔ بالوں کو اگر ٹھیک طرح سے خوراک نہ ملے تو بالوں کی قدرتی چمک اور رنگت ماند پڑ جاتی ہے۔ تیل کا باقاعدگی سے استعمال کریں۔ اس سے بالوں کو مضبوطی، چمک و دمک اور قوت ملتی ہے۔ وقتاً فوقتاً سر میں تیل ڈالنا [illegible]۔ سرسوں یا ناریل کا تیل ایسے بالوں کے [illegible]

[illegible] کے لیے ایک مفید اور کارآمد نسخہ یہ ہے کہ [illegible] حصہ اور ایلوویرا نصف حصہ لے کر خوب [illegible] لیں اور جہاں بال نہیں ہیں وہاں لیپ کریں اگر [illegible] شدت سے ہو تو معائنہ ضرور کروائیں تاکہ اس کا بروقت علاج ممکن ہو اور بالوں کو تیزی سے گرنے سے بھی روکا جاسکے۔ بالوں کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے تھوڑا سا شیمپو ہتھیلی میں لیں اس میں پانی ملائیں اور پھر اس مرکب کو سر پر اچھی طرح ملیں تاکہ بالوں کی جڑ تک پہنچیں اب سر کو اچھی طرح دھولیں۔

وٹامن بی کی کمی بھی بالوں کے لیے مضر

تھوڑی سی محنت اور توجہ آپ کے بالوں کی خوب صورتی اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

خشکی دور کرنے کے حوالے سے بعض ماہرین کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ خواتین سر پر انڈے اور دہی کا محلول بنا کر لگائیں اور آدھی گھنٹے کے بعد سر کو اچھی طرح دھولیں۔ یہ عمل دو ماہ تک جاری رکھنے سے خشکی کا خاتمہ ممکن ہے۔ بالوں کی چمک بڑھانے کے لیے انڈے اور دہی میں تیل بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس سے بال گھنے اور لچک دار ہو جاتے ہیں۔

خوب صورت چہرہ

ہر عورت کی اولین خواہش ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت خوب صورت نظر آئے۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کی جلد ہمیشہ ہی ایسی رہے کہ جس پر نہ کوئی داغ ہو نہ ہی دانہ اور نہ ہی جھریاں لیکن [illegible] بہت کم خواتین کا یہ خواب پورا ہو پاتا ہے۔ [illegible] کچھ تدابیر و احتیاطوں کے ذریعے ہم بہت حد تک اپنی یہ خواہش پوری کر سکتے ہیں۔ آج کل بازار میں ہر طرح کی اور ہر جلد کے لیے مصنوعات موجود ہیں جن کے استعمال سے آپ کی رنگت نکھر بھی سکتی ہے اور آپ کی جلد کو تحفظ بھی مل سکتا ہے۔ انہی مصنوعات میں پاؤڈر اور فاؤنڈیشنز بھی شامل ہیں اور جلد کی نمی کو برقرار رکھتے ہیں۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

میک اپ کرنے سے پہلے اپنے چہرے کو اچھی طرح صاف کر لیجیے

میک اپ لگانے سے پہلے اپنے چہرے کو اچھی طرح صاف کر لیجیے تاکہ چہرے پر کوئی مٹی وغیرہ نہ رہے۔ اس کے لیے ٹونر اور موئسچرائزر کا استعمال بہتر ہے۔ لیکن اگر آپ کی جلد پہلے ہی نرم و ملائم ہے تو صرف کلینزر ہی سے اپنے چہرے کو صاف کر لیجیے۔

اس کے بعد لوشن اپنے چہرے پر لگائیے۔ لوشن کے بارے میں یہ احتیاط ضرور کیجیے کہ وہی لوشن اپنے چہرے پر استعمال کریں کہ جو آپ کی جلد کے لیے موزوں ہو۔ بازار میں ہر طرح کے لوشن موجود ہیں۔ یعنی خشک، چکنی و نازک جلد کے لیے الگ الگ قسم کے لوشن دستیاب ہوتے ہیں۔ اپنی جلد کو مدنظر رکھتے ہوئے لوشن کا انتخاب کیجیے۔ لوشن کے استعمال سے آپ کا چہرہ بھی خوب صورت لگتا ہے اور ساتھ ہی آپ کا میک اپ بھی بہت دیر تک رہتا ہے۔ اب تو ویسے بھی بازار میں ایسے لوشن بھی دستیاب ہیں کہ جو آپ کے چہرے کو سورج کی روشنی کے مضر اثرات سے بچاتے ہوئے آپ کے چہرے کو نرم و ملائم بنا دیتے ہیں۔ لوشن کے استعمال سے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ آپ کا میک اپ کم سے کم پھیلتا ہے۔ آپ کی جلد چکنی ہو یا خشک لوشن کا استعمال آپ کے میک اپ کو اور [illegible] گا۔

کنسیلر کو بھی ضرور استعمال کیجیے

لوشن سے چہرے کو صاف کرنے کے بعد کنسیلر سے چہرے کو صاف کر لیجیے۔ اکثر خواتین یہ سوچ کر کنسیلر کا استعمال نہیں کرتیں کہ یہ تو بے کار اور غیر ضروری چیز ہے۔ لیکن اس کا فائدہ اس کو استعمال کرنے کے بعد ہی پتا چلے گا۔ ماہرین کے مطابق کنسیلر کا استعمال نہ صرف جلد کو چمک دار اور صاف بناتا ہے بلکہ چہرے پر موجود داغ دھبوں کو بھی چھپا دیتا ہے۔ بہتر ہے کہ مائع کنسیلر کا استعمال کیا جائے کیونکہ اسے لگانا بھی آسان ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فائدہ ہے کہ آنکھ جیسے نازک عضو پر بھی لگایا جا سکتا ہے۔☆